دوسری جنگِ عظیم

دولِ یورپ کی رقیبانہ سیاست کی روشنی میں موجودہ جنگ عظیم کا ریکارڈ

از

محمد مرزا دہلوی

کُتب خانہ علم و ادب دہلی

فہرست مضامین

۷۸۶

پچھلی ربع صدی میں یہ دوسری بڑی جنگ ہے جو یورپ میں لڑی جا رہی ہے محرکات اس جنگ کے بھی وہی ہیں جو پچھلی جنگِ عظیم کے تھے لیکن اپنی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کے اعتبار سے اس جنگ کو آج تک کی پچھلی کسی جنگ سے نسبت نہیں دی جا سکتی۔

۱۹۱۴-۱۸ء کی پہلی بڑی جنگ کے خاتمہ پر یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ جنگ اپنی ساری ہلاکت آفرینیوں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی اور مہذب دنیا کو اپنے اختلافات دور کرنے کے لئے آئندہ جنگ کرنے کی مطلق ضرورت نہ ہوگی لیکن یہ دعویٰ محض بے معنی ثابت ہوا، تہذیبِ انسانیت کا "فردوسی تخیل" فاتح اور مفتوح کی حدِ فاصل کو مٹا نہ سکا، مستقل قیامِ امن کا "ملکوتی تصور" ہوسِ اقتدار کو زیر کرنے میں ناکام رہا ——

——— نسلی اور قومی تفوق اور برتری کا احساس پھر ابھرا ہُوا جہانبانی اور کشور کشائی کا وجد آفریں جذبہ منتقمانہ سیاست کی آغوش میں پرورش پاکر پھر جوان ہُوا اور پھر دُنیا کو ایک نئی اور ہولناک جنگ عظیم سے دوچار ہونا پڑا۔ !

موجودہ جنگ اگرچہ پہلی جنگِ عظیم ہی کا نتیجہ ہے لیکن اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس سے قطعاً مختلف ایک ہمہ گیر انقلاب کی علمبردار ہے، انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب سیاست کے پرانے نظریوں میں انقلاب، معیشت کے دیرینہ اصولوں میں انقلاب۔ معاشرت کے قدیم نظام میں انقلاب۔ حتیٰ کہ مذہبی اور اخلاقی مسلّمات میں انقلاب اس کے اوّلین مقاصد میں داخل ہے!

اگرچہ پرانی دُنیا کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کوئی نئی نہیں ہر بڑی جنگ کے بعد دُنیا کے نقشے اور نظام میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور ہوتی رہی ہے لیکن یہ تبدیلی ہمیشہ فروعات میں رہی اصولِ تمدّن سے کبھی تعرض نہیں ہُوا اور اس جنگ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ موجودہ سوسائٹی کے قدیم مسلّمات ہی کو ایک سرے سے بدل کر پرانی دُنیا کو اسدرجہ منقلب کرنا چاہتی ہے کہ "پچھلی روایات" سے اسکا دُور کا بھی کوئی تعلق باقی نہ رہے!

ظاہر ہے کہ یہ انقلابی پروگرام کسی فوری اور اضطراری خیال کا نتیجہ نہیں ہوسکتا اسکی ترتیب میں ایسے حوادث وافکار کا امتزاج ضروری ہے جو انقلاب کے لئے زمین ہموار کریں اور مستقبل کے "نئے نظام" کی طرف دُنیا کی توجہ پھیر سکیں۔

یہ حوادث وافکار کیا ہیں؟ ان کا مطالعہ یقیناً دلچسپی سے خالی نہیں ہوسکتا! خصوصاً اس اعتبار سے کہ یہی حوادث وافکار دراصل موجودہ جنگ کے اصلی محرک بھی ہیں اور موجودہ جنگ کی نوعیت کو صحیح طور پر ان ہی کی مدد سے سمجھا بھی جاسکتا ہے۔

ہم نے اس مقصد کے لئے دولِ عالم کی اُنیسویں صدی کی "ڈپلومیٹک" تاریخ کا سرسری ساخاکہ پیش کردیا ہے تاکہ اسکی روشنی میں پہلی جنگ عظیم کے اصلی محرکات اور ان اثراتِ مابعد از جنگ کا صحیح طور پر احاطہ کیا جاسکے جو اس " دوسری جنگ عظیم " کا باعث ہیں اسی کے ساتھ موجودہ جنگ کا ۱۵ر مئی ۱۹۴۱ء تک کا ریکارڈ بھی قلم بند کردیا ہے جو انشاءاللہ جنگ کے ساتھ ساتھ مکمل ہوتا رہیگا۔

توقع ہے کہ ناظرین ان اوراق کو غیر دلچسپ نہ پائیں گے ۔

محمد قمر زادہلوی

باب ا
جنگ اور انسانیت

جنگ و پیکار، عہد وحشت کی یادگار اور اپنے اثرات کے اعتبار سے بربریت کا نشان سمجھا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ جذبہ کچھ اس طرح انسانی فطرت میں رچا ہوا اور انسانیت کے خمیر میں گندھا ہوا ہے کہ ہزاروں برس کے علم و خرد، تحقیق و تجربہ، اور مسلسل اخلاقی اور روحانی ریاضں کے بعد یہ آج بھی اسی شدت اور قوت سے دنیا پر مستولی نظر آتا ہے!

تہذیب و تمدن کے اثر سے یہ ضرور ہوا کہ اسباب و بواعث جنگ میں بڑی حد تک اعتدال پیدا ہو گیا ———— علم و تجربہ کے ساتھ ضبط و تحمل بڑھا اور نفرت و حقارت کا جذبہ کمزور پڑ گیا۔ اختلاطِ باہمی کے ساتھ رواداری اور فراخ حوصلگی، پیدا ہوئی اور عصبیت کے قدیم نظریہ کی تلخی کم ہو گئی۔ اخلاقی اور روحانی ریاضتوں سے رحمانی قوتوں میں جلا آ گئی اور قصاص اور انتقام کی روایتی شدت دور ہو گئی ————

———— لیکن اس تہذیب نفس کے باوجود جنگ و پیکار کا جذبہ بدستور زندہ اور انسانی فطرت میں اپنی مخصوص ہیجانی اور اضطراری کیفیتوں کے ساتھ برقرار رہا۔ بلکہ تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ تہذیب و ترقی کے ساتھ ساتھ جنگ کی ہولناکیوں، تباہ کاریوں اور ہلاکت آفرینیوں کا معیار بھی برابر اونچا ہوتا چلا گیا جس کے باعث زمانہ حال اور زمانہ قدیم کی لڑائیوں میں صرف اس قدر مناسبت رہ گئی کہ زمانۂ قدیم کی لڑائیوں کو اگر اپنے اثرات کے لحاظ سے مقامی زلزلے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے تو اُن کے مقابلہ میں زمانۂ حال کی لڑائیاں اپنی ہولناکیوں اور عالمگیر تباہ کاریوں کے اعتبار سے "قیامتِ صغریٰ" سے

کسی طرح کم نہیں ہوتیں! ۔

زمانۂ حال کے بعض مفکرین کا خیال ہے کہ ہماری موجودہ دُنیا تمدن وتہذیب کے برکات سے اس درجہ بہرہ اندوز ہو چکی ہے کہ آپس کے اختلافات کو دُور کرنے کے لئے اسے اب اس وحشیانہ جذبہ سے کام لینے کی ضرورت نہ ہونی چاہیئے ——————
—————— یہاں ہمیں ان حضرات کی رائے سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ انکی نیت نیک ہے اور زمانۂ حال کی لڑائیوں کا انداز اپنی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کے ساتھ انہیں اس درجہ متاثر کر چکا ہے کہ وہ دِل سے یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ لعنت انسانیت کے سر سے دُور ہو جائے —————— خدا کرے ایسا ہو! کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو بقول ان کے شاید ہمارا تمدن بہت زیادہ حسین اور دلکش بن سکے اور شاید ہماری دُنیا جنّت کا ہم پلّہ ہو سکے!

لیکن یہ ابھی ہمارا تصوّر ہی تصوّر ہے، حالات نے ابھی ہمیں یہ موقع نہیں دیا کہ ہم اس وجد آفریں تصوّر کو اپنے دِل و دماغ میں باقاعدہ پرورش کر سکیں اور تہذیب و تمدّن کی موجودہ رفتار سے حال یا مستقبل قریب میں کسی خوشنما تعبیر کی آس لگا بیٹھیں۔ اسلئے کہ ابتدائی دَورِ تہذیب کی طرح موجودہ دَور میں بھی جنگ کی ضرورت اور عدم ضرورت کا فیصلہ صرف "محرکاتِ جنگ" کے ہاتھ ہے جب تک یہ قوی اور توانا ہے اس وقت تک ہماری تہذیب غالباً جنگ کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی البتہ اگر ان میں ضعف آ جائے تو پھر جنگ کی عدم ضرورت کی گفتگو کا موقع پیدا ہو جاتا ہے۔

محرکاتِ جنگ، تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ ابتدا سے اب تک ہر زمانہ اور ہر دور میں تقریباً یکساں رہے ہیں۔ رفتارِ تمدن کے ساتھ ساتھ یہ ضرور ہوا کہ اُن کے اظہار کا

پیرایہ زیادہ معتدل اور زیادہ بلیغ ہوتا چلا گیا لیکن اس ظاہری نمائش کے پیچھے رُوح ہمیشہ وہی متحرک رہی جو ابتدائے دَورِ انسانیت میں مشاہدہ کی جا چکی ہے۔ مثلاً خودی اور انانیت کی نمود، جذبہ نفرت کی تسکین، شوکت و حشمت کی نمائش مالِ غنیمت کا لالچ، ملک گیری کی ہوس، نسلی یا قومی تفوّق اور برتری کا احساس، تجارتی اور معاشی منفعت کی طمع وغیرہ غالباً جنگ کے سب سے نمایاں محرّکات ہیں جو تہذیب اور شائستگی کی معراج کے باوجود اب تک کسی نہ کسی شکل میں باقی چلے آتے ہیں۔

ان کے علاوہ جنگ کے دو اور مقاصد ہُوا کرتے ہیں ایک "مدافعانہ" اور دوسرے "مصلحانہ"۔ مدافعانہ جنگ وہ کہی جاتی ہے جو اپنی قومی، نسلی یا ملکی وجود کی حفاظت کے لئے کی جاتی ہے یا اپنے اخلاقی، مذہبی اور روائتی عقائد کے تحفظ کی خاطر لڑی جاتی ہے اور "مصلحانہ" جنگ وہ ہوتی ہے جو اپنے اخلاقی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی مسلمات کی تبلیغ کی خاطر برپا کی جاتی ہے۔ پست اقوام پر اپنا استداب قائم کرنا، ان کے ملکی وسائل پر اپنے مفاد کی خاطر نگرانی کرنا۔ اُنھیں اپنے تمدّن اپنی معاشرت اور اپنے رسم و رواج کا پابند بنانا اس جنگ کا اصلی مقصد ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے کہ محرکاتِ جنگ آج بھی تقریباً وہی ہیں جو تاریخ کے ابتدائی دَور میں پائے جاتے تھے البتہ موجودہ تہذیب میں ان محرکات اور مقاصد کو خوشنما الفاظ اور شاندار پیرایۂ بیان کے پردے ڈال کر ان کی اصلیت کو چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ دُنیا کی نظریں مقاصدِ جنگ کی پستی پر نہ پڑیں بلکہ الفاظ کی دلفریبی اور خیالات کی باریکی اور نزاکت کے تصوّر میں محو ہو کر رہ جائیں۔ چنانچہ اس پروپیگنڈے کے فن کی دریافت کے بعد یہ بالکل ممکن ہو گیا ہے کہ پست سے پست مقاصدِ جنگ کو بھی مقدس اور متبرک ثابت کیا جا سکے۔ اور حقیر سے حقیر

شکایت کو بھی وجہ اشتعال اور محرک جنگ بنایا جا سکے یا یوں سمجھئے کہ جذبہ نفرت کی تسکین کی خاطر، شوکت و حشمت کی نمائش کے لئے نسلی یا قومی برتری کے نشہ میں سرشار ہو کر یا تجارتی اور معاشی منفعت کی طمع میں جو جنگیں لڑی جاتی ہیں انہیں اس پروپیگنڈے کی مدد سے نہایت آسانی کے ساتھ مدافعانہ اور مصلحانہ جنگوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور اس قلب ماہیت کے بعد ظاہر ہے کہ کسی جنگ کے متعلق جائز اور ناجائز اور حق و ناحق کی گفتگو محض بے معنی ہو جاتی ہے اور فیصلہ کن صرف وہی قدیم تدبیر رہ جاتی ہے کہ "حق" کا سہرا "قوت" کے سر باندھ دیا جائے اور طاقت ہی کو "عین حق" سمجھ لیا جائے! ——— اور یہی وہ "سنہرا اصول" ہے جس کے آگے آج بھی ساری مہذب دنیا سر جھکاتی ہے!

طاقت کو حق سمجھنا بہت پرانا اصول ہے اور دراصل دنیا میں یہی سارے جھگڑے کی بنیاد بھی ہے! ——— ایام جاہلیت میں حق و ناحق کا قضیہ تلوار ہی کے ذریعہ چکایا جاتا تھا اور آج کی متمدن دنیا بھی حق اور ناحق کا فیصلہ تلوار ہی پر چھوڑتی ہے۔ لیکن تلوار چونکہ کسی کی میراث نہیں ہوتی اس لئے اس کے فیصلوں میں بھی استقامت نہیں پائی جاتی یہ نہیں ہو سکتا کہ تلوار کا ہر فیصلہ ہر زمانہ اور ہر عہد کے لئے اٹل سمجھ لیا جائے بلکہ حالات اور واقعات کے اعتبار سے اس کے فیصلے برابر بدلتے رہتے ہیں اور اسی تبدیلی کے ساتھ ساتھ حق و ناحق کے پلڑے بھی برابر جھولتے رہتے ہیں ——— بات یہ نہیں ہے کہ آج کل کی مہذب دنیا اس اصول کی اس کمزوری اور لغویت کو نہیں جانتی بلکہ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اس اصول کو کمزور ناقص غیر مہذب اور وحشیانہ سمجھنے کے باوجود وہ آج تک اس کو ترک کرنے اور اس

کا کوئی نعم البدل تلاش کرنے پر قادر نہ ہو سکی!۔

کیا فی الحقیقت یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ گنجلک اور لاینحل ہے کہ ہم اس کے حل کرنے پر قاصر نہیں پڑ سکتے؟ اور کیا فی الواقعی مستقل قیام امن کا کوئی تلاش کرنے سے ہماری موجودہ تہذیب عاجز ہے؟

سب سے پہلے ۱۴ء تا ۱۸ء کی جنگ کے دوران میں یہ سوال پیدا ہوئے تھے اور جیسی کہ توقع تھی جنگ کے خاتمہ پر جنگ کے فاتح اور تہذیب جدید کے علمبرداروں (امریکہ فرانس اور انگلستان) نے دنیا کے آگے مستقل قیام امن کا ایک مناسب "فارمولا" پیش کر دیا۔ نئے اصولوں کے ماتحت نئی قومیں عالم وجود میں آگئیں۔ دنیا کے نقشہ کی دوبارہ تقسیم ہوئی۔ سیاسی قوموں کے نئے پیمانے مقرر ہوئے معاشی نظام میں اصلاح کی گئی۔ اور مہذب قوموں کے آپس کے قصے چکانے کے لئے ایک بین الاقوامی مجلس بھی قائم ہو گئی ——— بظاہر دنیا نے اطمینان کا سانس لیا کہ بالآخر مستقل قیام امن کی داغ بیل پڑ گئی۔

لیکن دنیا کا یہ اطمینان محض عارضی ثابت ہوا۔ ابھی اس "فارمولے" کی سیاسی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ یہ چاک کر دیا گیا اور اس کے پرزے فضائے آسمانی میں بکھر دیئے گئے۔ دنیا میں پھر بےچینی کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر اطمینانی اور بےزاری کی فضا پیدا ہونے لگی۔ پھر رشک و رقابت کے بخارات اٹھنے لگے۔ پھر انتقام و قصاص کے نعرے بلند ہونے لگے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے پہلے سے بھی زیادہ شدت اور قوت کے ساتھ دنیا پر پھر جنگ کے مہیب بادل امنڈنے لگے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے برسنے بھی لگے! ——— مستقل قیام امن کا فارمولا نام رہا اور دنیا پھر اپنے اسی قدیم اصول کے آگے جھک گئی ——— طاقت حق ہے اور حق "طاقت" ہے!

مستقل قیام امن کا فارمولا کیوں ناکام رہا ؟ ——————— آیا یہ مجوزہ فارمولا خود ہی کمزور اور ناقص تھا یا ہماری تہذیب ابھی اس سطح پر نہیں پہونچی کہ اس کو قبول کر سکتی ؟ ——————— ؟

پہلی جنگ عظیم کی روداد اور اس فارمولے کے اجزائے ترکیبی میں غالباً ان دلچسپ تنقیحات کا مکمل جواب مل سکتا ہے اور اسی جواب سے ہم صحیح طور پر یہ بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے اصلی محرکات کیا ہیں ؟

(باب ۲)

پہلی جنگِ عظیم کے محرّکات

یورپ کی مہذب اقوام کے درمیان سنہ ۱۹۱۴ء میں جس مہیب جنگ کا آغاز ہُوا تھا اس کے اغراض ومقاصد خالص "تجارتی" تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ پچھلی دو صدیوں میں یورپ کی بعض چالاک اقوام نے اپنے سیاسی جوڑ توڑ اور فطری چالبازیوں سے ایشیا، افریقہ، اسٹریلیا اور امریکہ کے بعض زرخیز علاقوں میں پہلے تو در خور حاصل کیا اسکے بعد وہاں کی خام پیداوار پر قبضہ کرکے ان میں اپنی مصنوعات کے لئے وسیع پیمانے پر تجارتی منڈیاں قائم کرلی تھیں اور ان منڈیوں کے ذریعہ ان علاقوں کی دولت کھینچ کھینچ کر یورپ میں اپنا معاشی بھرم اور سیاسی اقتدار بڑھانا شروع کردیا تھا۔ ان اقوام کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو یورپ کی دوسری قومیں زیادہ دنوں برداشت نہ کرسکیں، ان میں بےچینی پیدا ہوئی اور بےچینی کے ساتھ ساتھ آپس میں رشک ورقابت بڑھنی شروع ہوگئی نئی قوموں کے اُبھرنے سے پرانی قوموں کو اپنے مقبوضات کے لئے خطرہ محسوس ہُوا اس خطرے کے مقابلہ کے لئے انہوں نے اپنے ساتھیوں کی جتھابندی شروع کردی اور اسی جتھابندی کے باعث وہ جنگ برپا ہوئی جسے ہم پہلی جنگ عظیم کہتے ہیں۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں جرمنی میں سائنس اور صنعت کا شباب تھا لیکن اس کے قبضہ میں کوئی تجارتی منڈی نہیں تھی اور بحری تجارت کے تمام وسائل پر انگلستان اور فرانس کا تسلط تھا۔ جرمنی نے نہایت تیزی اور سرگرمی سے اپنی بحری قوت بڑھانی شروع کردی۔ انگلستان اور فرانس دونوں کو جرمنی کی اس تیاری سے خطرہ محسوس ہُوا۔

ابتداءً انگلستان نے یہ کوشش بھی کی کہ جرمنی سے اپنا بحری تفوق تسلیم کرالے اور بعض علاقوں میں اُسے بھی تجارتی مراعات بخشدے، لیکن جرمنی نے اسے قبول نہیں کیا۔ وہ معاشی حیثیت سے برطانیہ کے زیراثر نہیں آنا چاہتا تھا۔ فرانس جرمنی سے اس طرح کی کوئی بات چیت نہیں کرسکتا تھا اسلئے کہ تیس برس پہلے اس کی جرمنی سے جنگ ہوچکی تھی اور اس جنگ میں فرانس اپنے دو صوبوں السیس اور لورین سے جرمنی کے حق میں ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اس کو ان دو صوبوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا بڑا قلق تھا اور اس وقت سے برابر اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح جرمنی کو نیچا دِکھا کر یہ دونوں صوبے پھر اس سے واپس چھین لے کہ جرمنی کی طرف سے اسے اس نئے خطرے سے دوچار ہونا پڑا یہ وہ زمانہ تھا جب کہ فرانس اور انگلستان افریقہ کے شمالی علاقوں میں اپنے لئے "تجارتی" منڈیاں قائم کررہے تھے۔ انگلستان مصر میں اپنا اقتدار چاہتا تھا، اور فرانس الجیریا اور مراکش کو اپنے تصرف میں لانے پر تلا ہُوا تھا، انگریزوں اور فرانسیسیوں میں قومی منافرت کے ساتھ ساتھ سیاسی اختلافات بھی تھے اسلئے افریقہ کے ان علاقوں پر بھی آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔ جرمنی نے جو موقع کی تلاش میں تھا ان دونوں کے جھگڑے سے فائدہ اُٹھا کر مراکش پر اپنے "تجارتی" حق کا اعلان کردیا، اس اعلان سے فرانس اور برطانیہ دونوں چونک پڑے اور انہیں اپنی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ اپنے سیاسی اور قومی اختلافات کو ختم کرکے فوراً متحد ہوجائیں چنانچہ انگلستان اور فرانس کے درمیان پوری طرح صلح صفائی ہوگئی اور شمالی افریقہ کے مالِ غنیمت کی تقسیم اس طرح عمل میں آئی کہ مصر و سوڈان برطانیہ کے حصہ میں آیا اور مراکش فرانس نے ہتھیا لیا۔ یہ معاہدہ انگلستان اور فرانس کے مابین ۱۹۰۴ء میں ہُوا۔ لیکن ۱۹۰۵ء میں قیصرِ جرمنی مراکش پہنچا اور وہاں کے سلطان کو ہموار کرکے اُس نے پھر مراکش پر اپنے تجارتی حق کا دعویٰ کردیا۔ جرمنی کے اس دعوے سے یورپ میں ہلچل مچ گئی۔ برطانیہ فرانس کی مہربانی سے مصر ہضم کرچکا

تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس معاملہ میں فرانس کا ساتھ دے۔ اٹلی بھی جو اس مالِ غنیمت کی تقسیم میں بحرِ رُوم کی ایک طاقت ہُونے کے باعث فرانس کو دبا کر لیبیا کا ایک حصّہ ہتھیا چکا تھا اس معاملہ میں جرمنی کی مداخلت کو ناپسند کرتا تھا نتیجہ یہ ہُوا کہ دول یوروپ کی کانفرنس جب مراکش کے مسئلہ کو حل کرنے بیٹھی تو جرمنی کو شکست ہوئی۔ اور فرانس برطانیہ اور اٹلی کو اپنے اپنے مقبوضات میں مداخلتِ غیر کا کھٹکا نہ رہا۔

فرانس اور برطانیہ کی صُلح صفائی تو ہو ہی چکی تھی اب جرمنی کے بڑھتے ہوئے عزائم کو دیکھ کر ان دونوں کو آپس میں سیاسی اور فوجی اتحاد کی ضرورت محسوس ہونے لگی، اس ضرورت کا احساس خصوصاً اس لئے اور بڑھ گیا کہ جرمنی نے شمالی افریقہ کے معاملہ میں مات کھا کر بلقان اور ایشیائے کوچک میں اپنا سیاسی اور معاشی اثر بڑھانے کی تدابیر اختیار کر لی شروع کر دی تھیں۔ اور ان تدابیر میں آسٹریا بھی اس کا شریک ہو گیا تھا۔ اسلئے کہ بوسینا ہرزگو ینا کو ترکی سے چھین کر وہ اب اس فکر میں تھا کہ کسی طرح بحیرۂ ازبحین اور بحیرۂ ایڈریاٹک میں اسے دخل ہو جائے۔ برطانیہ اور فرانس نے جرمنی اور آسٹریا کے اتحاد کا جواب یہ دیا کہ روس کو باسفورس اور دردانیال کا لالچ دیکر جن پر مدّت سے اس کا دانت تھا اسے اپنے جتھے میں شامل کر لیا، روس خود بھی بلقان کو صرف اپنے ہی زیر اثر رکھنا چاہتا تھا اور جرمنی اور آسٹریا کے بڑھتے ہُوئے اثر کے باعث اُسے بلقان میں پوری طرح اپنے قدم جما لینے کا موقع نہیں مل رہا تھا اس لئے وہ بڑی خوشی سے برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ہو گیا۔

البتہ اٹلی کی پوزیشن بہت عجیب تھی اس نے ایک طرف جرمنی سے معاہدہ اتحاد کر رکھا تھا اور دوسری طرف فرانس اور برطانیہ سے بھی اپنے تعلقات قائم رکھے تھے۔

مقصد یہ تھا کہ جس فریق کا پلہ بھاری دیکھے اسی کی طرف کو جھک جائے تاکہ کسی صورت میں بھی اُسے خسارہ نہ اُٹھانا پڑے۔

اٹلی کا دراصل مدت سے ایک طرف آسٹریا کے دو صوبوں "ٹراستی اور ٹرنیٹو" پر اور دوسری طرف فرانس کے شمالی افریقہ والے مقبوضے "ٹیونیشیا" پر دانت تھا، اسی لئے اس نے دونوں فریقوں کو گانٹھ رکھا تھا کہ اگر موقع مل جائے تو فرانس کی مدد سے ٹراستی اور ٹرینو کو ہضم کرکے اور آسٹریا اور جرمنی کا پلہ بھاری دیکھے تو ان کی مدد سے ٹونیشیا پر قبضہ جمالے۔ لیکن دولِ یورپ میں اٹلی کی فوجی قوت کو چونکہ کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی اسلئے ابتداً نہ تو آسٹریا اور جرمنی نے اسکو "ٹونیشا" کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی اور نہ فرانس اور برطانیہ نے ہی اسے منہ لگایا مگر اٹلی چونکہ بلقان کی ہمسایہ سلطنتوں میں سے ایک سلطنت تھی اور بحیرۂ ایڈریاٹک اور بحیرۂ روم میں بھی تھوڑا بہت اپنا اثر رکھتی تھی اسلئے اسے پوری طرح نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فریقین نے اس کے مسئلہ کو ضرورت اور وقت کے لئے اُٹھا رکھا۔

اٹلی کے علاوہ بلقان کی دو چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی اپنی سرحدات کو وسیع کرنے کا خواب دیکھ رہی تھیں۔ رومانیہ، ٹرانسلونیہ کا علاقہ ہنگری سے اور سربیہ کا علاقہ روس سے جھپٹ لینے کی فکر میں تھا اور سرویا آسٹریا کے سرحدی علاقے بوسینا اور ہرزگوینا ہڑپ کر جانا چاہتا تھا۔ یہ مقامی رقابتیں بھی فریقین کے مقصد کے لئے مفید تھیں انہیں زندہ رکھ کر ان سے بھی وقت پر کام لیا جا سکتا تھا۔

باب (۳)

پہلی جنگِ عظیم کا آغاز

یورپین قوموں کی یہ جتھہ بندی ۱۹۱۴ء سے بہت پہلے مکمل ہو چکی تھی لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس جتھہ بندی کے ساتھ ساتھ فوجی تیاریاں مکمل نہیں ہوئی تھیں آسٹریا اور جرمنی تو بیشک کیل کانٹے سے لیس تھے اور منتظر تھے کہ ذرا سا موقع ملے، اور اپنے شکار پر جھپٹ پڑیں، لیکن فرانس برطانیہ اور روس کی تیاریاں ابھی مکمل نہیں ہوئی تھیں بلکہ یہ جتھہ اس خبط میں مبتلا تھا کہ آسٹریا اور جرمنی پر ان بڑی بڑی قوتوں کے محض اتحاد ہی کے اعلان سے دھونس جمائی جا سکتی ہے اور ان کے اقدامات کو بے لڑے بھڑے رد کیا جا سکتا ہے چنانچہ برطانیہ اور روس کی طرف سے آسٹریا اور جرمنی کو کورمی دھمکیوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ دفعتاً ۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو آسٹریا کے ولی عہد آرچ ڈیوک فرانز فرڈیننڈ کے قتل کا حادثہ پیش آگیا، اگرچہ یہ قتل بوسینا کے شہر سراجود میں ہوا تھا لیکن چونکہ یہ شہر سرویا کی سرحد سے ملحق تھا اور سرویا اور آسٹریا میں اسی علاقہ کے لئے مدت سے رقابت چلی آتی تھی، آسٹریا نے اس حادثہ کی ساری ذمہ داری سرویا پر ڈالی اور اسی کو وجہ بنا کر سرویا پر چڑھائی شروع کر دی۔

بلقان میں سرویا ہی پر روس کا سب سے زیادہ اثر تھا اور سرویا کو اگر آسٹریا ختم کر دیتا تو پھر بلقان سے روس کا اثر بھی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتا۔ چنانچہ روس اپنی فوجی تیاریوں کی عدم تکمیل کے باوجود فوراً اپنے بلقانی دوست کی

مدد کو لپکا، اور آسٹریا کے خلاف اُس نے بے تکلف اعلانِ جنگ کر دیا۔
رُوس کے اعلان کے ساتھ ہی جرمنی کا طوفانی لشکر اپنے خوفناک آلاتِ حرب کے ساتھ آسٹریا کی مدد کے بہانے حرکت میں آگیا۔
جرمنی کو حرکت میں دیکھ کر فرانس کی جان پر بن گئی اس کے لئے اپنے وجود کی حفاظت کی خاطر فوراً میدانِ جنگ میں آنا ضروری ہوگیا اور فرانس کے ساتھ برطانیہ کو بھی جنگ میں کودنا پڑا اسلئے کہ فرانس سے اس کا فوجی معاہدہ بھی تھا اور وہ جرمنی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی بحری طاقت کو خود اپنے وجود کے لئے بھی خطرناک سمجھتا تھا اسطرح ۱۹۱۴ء کے ختم ہونے سے پہلے پہلے یورپ کی پانچ بڑی بڑی طاقتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں اور اس طرح وہ ہولناک جنگ شروع ہوئی جسے تاریخ میں "پہلی جنگِ عظیم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جنگ کا پہلا سال جرمنی کے حق میں فیصل ہوا جرمنی نے ایک طرف کامیابی کے ساتھ اپنی شمال مشرقی سرحد پر روس کی یورش کو روک لیا۔ اور دوسری طرف نہایت تیزی کے ساتھ بلجیم کو روندتے ہوئے فرانس کے اندر اپنی فوجیں پہنچا دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ½ فرانس پر قبضہ کرلیا۔ جرمنی کی ان زبردست کامیابیوں سے یورپ میں تہلکہ پڑ گیا اور برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کی کامیابی کے امکانات مشتبہ ہوگئے۔
اس نوبت پر پھر سیاسی داؤں پیچ شروع ہوئے اور یورپ کے جو ممالک اس لڑائی سے بچ رہے تھے ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے طرفین کی دوڑ دھوپ شروع ہوگئی، بلقان کی ریاستوں میں بلغاریہ کو اس جنگ میں جھونکا گیا اور بحیرۂ روم کی طاقتوں میں اٹلی اور ترکی پر ڈورے پڑنے لگے۔ اٹلی ابھی تک حالات کے مطالعہ میں مصروف تھا اور غالباً دیکھ رہا تھا کہ کونسا فریق اُسکی منہ بولی قیمت ادا کرتا ہے۔

لیکن ترکی پر اس وقت نوجوان پارٹی حکمراں تھی اور اس پارٹی کے جوشیلے لیڈر انور پاشا نے جنگ کے فرانس اور ترکی کی فوجی قوت کا صحیح اندازہ لگائے بغیر، نومبر ۱۹۱۴ء میں جرمنی کی حمایت کا اعلان کر دیا اور طرابلس اور بلقان کے معرکوں کی تھکی ہوئی ترکی فوجوں کو اتحادیوں کے خلاف جنگ میں جھونک دیا۔

برطانیہ اور فرانس کی طرف سے فوراً ترکی کا جواب حاضر کیا گیا، اور اٹلی کو جو خود اپنی قیمت مقرر کئے بیٹھا تھا ٹرینٹنو اور ٹراسٹی کے علاوہ تیرول کے علاقہ کا لالچ دیکر اسے اپنے ساتھ ملا لیا، اٹلی اور برطانیہ کے درمیان یہ خفیہ معاہدہ ۲۶ر اپریل ۱۹۱۵ء کو لندن میں ہوا تھا۔

۱۹۱۵ء میں جنگ کی صورت حال میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ مغربی محاذ پر جرمنی کا دباؤ برابر قائم رہا۔ شمال مشرق کی روسی فوجوں کو جرمنوں نے میلوں اپنی سرحد میں پیچھے دھکیل دیا۔ ترکوں نے درِ دانیال میں انگریزی حملے کا منہ توڑ جواب دیا۔ اطالویوں کے الپس کی وادی کے حملوں کو آسٹریا کی فوجوں نے پسپا کر دیا۔ اسی کیساتھ بحیرۂ شمالی اور بحیرۂ اٹلانٹک میں جرمنی کی آبدوز کشتیوں نے برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کے تجارتی جہازوں میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ غرض اتحادیوں کے حق میں یہ سال بھی بُرا رہا۔ اُنھیں کہیں بھی جرمنوں سے جم کر مقابلہ کرنے کا موقع نہ ملا لیکن یہ ضرور ہوا کہ جرمنوں کی ان پے در پے کامیابیوں سے اُن کا حوصلہ نہیں ٹوٹا۔ یہ برابر ایک فیصلہ کن مقابلہ کی تیاریاں کرتے رہے۔ مصر پر جو سلطان ترکی کے ماتحت تھا ترکی کی طرف سے اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کے بعد ہی برطانیہ نے فوجی قبضہ کر لیا اور یہاں اپنی فوجی چھاؤنی قائم کر کے سلطنت ترکی کے خلاف فوجی اور سیاسی کارروائیوں کی طرح ڈالدی۔

شریف مکہ کو لالچ دیگر ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ اور عربی فوجوں کی مدد سے فلسطین اور شام کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ برطانیہ کی اس اسکیم میں برطانیہ کے ساتھی روس اور فرانس بھی برابر کے شریک تھے اور اس اسکیم کی کامیابی کی صورت میں شام کا علاقہ فرانس کو اور اناطولیہ کا شمال مشرقی علاقہ روس کو بخشا گیا تھا، اور فلسطین و عراق پر برطانوی انتداب تسلیم کر لیا گیا تھا۔

اس اسکیم کے سلسلہ میں مزے دار بات صرف اس قدر تھی کہ اسکی کامیابی کے لئے خون عربوں کا بہانا تجویز ہوا تھا اور کامیابی سے متمتع ہونے کا حق اتحادیوں کے لئے مخصوص کر لیا گیا تھا۔!

سنہ ۱۹۱۶ء میں آسٹریا اور جرمنی کی سرگرمیوں میں کمزوری کے آثار ظاہر ہوئے مغربی محاذ پر جرمنوں کے دو نہایت زبردست حملے ناکام رہے اور ان حملوں میں انہیں تقریباً پانچ لاکھ سپاہیوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ دوسری طرف مشرقی محاذ پر ایک منظم روسی حملے نے آسٹریا کی فوجوں کو پسپا کر دیا۔ جنوب میں فلسطین اور شام کی طرف ترکی کے خلاف برطانیہ کو کامیاب پیشقدمی کا موقع مل گیا۔ اسی کے ساتھ یونان جو اب تک لڑائی میں غیر جانبدار تھا کچھ دنوں سے آسٹریا اور جرمنی کی طرف جھکتا جا رہا تھا۔ اس اثر کو یونان پر سے دور کرنے کے لئے اتحادیوں نے اس کے چند اہم جزائر پر قبضہ کر لیا اور یونانیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی حکومت کو بدل دیں یا ان فوجی اور سیاسی کامیابیوں کے علاوہ جرمنی کے خلاف برطانیہ کی ناکہ بندی کے اثرات بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔ جرمنی میں خام پیداوار کی کمی محسوس ہونے لگی تھی اس کمی کو دور کرنے کے لئے جرمنی نے رومانیہ کو تاکا۔ روس فوراً رومانیہ کی مدد کو آگیا لیکن جرمنی فوجیں روسی اور رومانوی ڈیفنس کو توڑ کر رومانیہ پر قبضہ

کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔

اس سال جرمنی کی طرف سے اپنی آبدوز کشتیوں کے ذریعہ برطانوی ناکہ بندی کو توڑنے کی بھی سخت کوشش ہوئی تھی اور جرمنی کے جنگی جہازوں نے بحیرۂ اٹلانٹک، اور بحیرۂ شمالی میں غیر جانبدار ممالک کے جہازوں کا لحاظ کئے بغیر ایک سرے سے تجارتی جہازوں کو ڈبونا شروع کر دیا۔ ان کارروائیوں کے جواب میں برطانیہ نے جرمنی کی ناکہ بندی میں زیادہ شدت پیدا کر دی اور ان جہازوں کی بھی برطانیہ نے سمندر میں تلاشیاں لینا شروع کر دیں جو فی الحقیقت غیر جانبدار ممالک کے ہوتے تھے۔ برطانیہ کی اس سختی سے غیر جانبدار ممالک کو شکایت پیدا ہوئی، خصوصاً امریکہ کے کاروبار پر اس کا بہت برا اثر پڑا اور امریکہ کے لوگوں میں جرمنی کی اس بے اصول بحری جنگ کے خلاف عام طور پر ناراضی پیدا ہو گئی جس کے باعث برطانیہ کو غیر ملکی جہازوں کی تلاشی کا طریقہ جاری کرنا پڑا تھا۔

باب (۴)

پہلی جنگِ عظیم کا انجام

جرمنی کو اگرچہ یہ احساس ہو چکا تھا کہ بحیرۂ اٹلانٹک میں اس کے جنگی جہازوں کی سرگرمیوں کو غیر جانبدار ممالک اور خاصکر امریکہ میں "بحری قزاقی" سے تشبیہ دی جارہی ہے اور امریکہ والے جرمنی کی ان کارروائیوں سے پریشان ہونے کے بجائے اس سے سخت ناراض ہیں لیکن اس احساس کے باوجود جرمنی نے اپنی بحری سرگرمیوں کا انداز نہ بدلا، بلکہ ۱۹۱۷ء کے شروع ہوتے ہی اسکی آبدوز کشتیوں نے بلا کسی امتیاز کے اور بھی شدت سے تجارتی اور بحری جہازوں کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔

اسی کے ساتھ امریکہ کی حکومت کے خلاف انہوں نے میکسیکو سے سازباز شروع کر دیا۔ جرمنوں نے میکسیکو کی حکومت کو "ٹکسس" "نیومیکسیکو" اور "ارتھرونہ" کی ریاستوں کا لالچ دیکر امریکہ کی حکومت کے خلاف ابھارنا چاہا تھا تاکہ امریکہ خود ایک الجھن میں گرفتار ہو جائے اور برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا اظہار نہ کرسکے۔ لیکن جرمنی کی یہ چال بہت جلد کھل گئی اور سازش مکمل ہونے سے پہلے ہی امریکہ کے ذمہ دار عہدہ داروں کو اس کا پتہ چل گیا۔ جرمنوں کی اس حرکت کا ثبوت ملتے ہی امریکہ نے جرمنی کے ساتھ اپنے سیاسی تعلقات توڑ لئے اور اس کے فوراً ہی بعد ۲ راپریل ۱۹۱۷ء کو جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

امریکہ کے اعلانِ جنگ سے جرمنی کو ایک دھکّا سا لگا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ جرمنی کو ایک اور زبردست اور تازہ دم دشمن سے مقابلہ کرنا پڑ گیا اور صورتِ حال یہ تھی کہ مسلسل تین برس جنگ کے بعد جرمنی کی بحری اور بری فوجوں کا نہ پہلا سا دم خم باقی رہا تھا اور نہ جرمن شہریوں کا وہ عزم و حوصلہ برقرار تھا۔ ناکہ بندی کے اثر سے خام اشیاء کا تو جرمنی میں توڑا تھا ہی، امریکہ کے اعلانِ جنگ کے بعد معمولی کھانے پینے کی چیزوں کا بھی توڑا پڑ گیا، صنعت و تجارت بالکل ختم ہو گئی، بیکاروں اور بے روزگاروں کا مجموعہ بڑھنے لگا۔ فوجوں کے دِل ٹوٹنے لگے اور جرمنی کے لیڈروں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔

ان مشکلات سے مقابلہ کرنے کی جرمنی کے پاس صرف ایک تدبیر باقی رہ گئی تھی۔ کہ "یو بوٹ" اور "آبدوز کشتیوں کی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا جائے، اور امریکہ کی امداد پہنچنے سے پہلے انگلستان کی بحری طاقت اور بحری طاقت کے ساتھ اُس کے وسائلِ تجارت کو توڑ کر رکھ دے۔ اور اس طرح انگلستان کو صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کر دے۔

جرمنی نے یہ آخری داؤں بھی کھیل ڈالا، سمندروں میں تہلکہ مچ گیا، ہر سمت برطانیہ کے تجارتی اور مسافر جہاز ڈوبنے لگے اور وہ سارے راستے مخدوش ہو گئے جو انگلستان کو برطانوی نوآبادیات سے ملاتے تھے۔

ان بحری سرگرمیوں کے ساتھ جرمنی کے دو مشہور جنرلوں ہنڈنبرگ اور لیوڈنڈارف نے جرمنی کی بری فوجوں کو سنبھالا، اُن کی نئے سرے سے تنظیم کی، ان کے حوصلے بڑھائے اور سارے مغربی محاذ پر ایک ساتھ دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ یہ دباؤ اس قدر سخت تھا کہ برطانوی اور فرانسیسی فوجوں نے پچھلے سال اس محاذ پر جو کامیابیا

کی تھیں وہ برقرار نہ رکھ سکیں اور جگہ جگہ ان کے بچاؤ کی لائنوں میں رخنے پڑنے لگے یہ حال دیکھ کر فرانس اور برطانیہ میں تشویش بڑھی ۔ بے حساب تازہ دم فوجیں مغربی محاذ پر ڈالی گئیں، فوجوں کے گرتے ہوئے حوصلوں کو سنبھالا اور جرمنوں کی زد سے ہٹ کر نئے مورچے ڈالدئیے ۔ فرانس اور برطانیہ کو بڑی بے چینی سے امریکہ کی امدادی فوجوں کا انتظار تھا اور امریکہ کی امدادی فوجوں کے میدانِ جنگ میں پہنچنے تک جرمنی کو روکے رکھنا بہت ضروری تھا ۔

اس محاذ کے علاوہ اتحادیوں کو السیس کی وادی میں بھی شکست کھانا پڑی اس محاذ پر اطالوی اور اسٹروی فوجوں کا مقابلہ ہو رہا تھا اور اطالوی فوجیں حسب معاہدہ ٹراسٹی کیطرف بڑھنا چاہتی تھیں لیکن اسٹروی فوجوں کے آگے اُن کی ایک بھی پیش نہ گئی اُن کے سب حملے آسٹریوں نے بیکار کر دئیے اور آخری حملے میں ("Capometto") کے مقام پر اطالویوں کو شکستِ فاش دی ۔ اس حملے میں اطالویوں کے تقریباً دو لاکھ سپاہی یا تو ہلاک ہوئے یا گرفتار کر لئے گئے اور اطالوی فوجیں انتہائی بے سروسامانی کے ساتھ منتشر ہو گئیں ۔ اس شکست کا اتحادیوں پر بڑا اثر پڑا اور خود اطالویوں کے دِل چھوٹ گئے ۔

اسی سال اتحادیوں میں ایک اور کمزوری پیدا ہو گئی، ان کا شریک روس انقلاب کے بھنور میں گر گیا اور روسی محاذِ جنگ پر ہر قسم کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں ۔

روس میں بہت دِنوں سے انقلاب کا خمیر تیار ہو رہا تھا اور روس کی مختلف سیاسی پارٹیوں (نہیلسٹس، انارکسٹس، منشوکس اور بالشوکس) نے ملک کے عرض و طول میں موجودہ طرزِ حکومت کے خلاف بے چینی اور بے اطمینانی پیدا کر دی تھی

اس بے چینی اور بے اطمینانی کو جنگ کے دوران میں زار نکولاس کی کمزوریوں اور زار بینہ اور پادری رسپوٹن کی درباری چالبازیوں نے اور بڑھا دیا تھا، ابتداً تو صرف روس کے انتہا پسند ہی زار کی حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتے تھے لیکن زار بینہ کی غیر مآل اندیشانہ حرکتوں اور زار کی سیاسی حماقتوں کے مسلسل تجربے کے بعد روس کے اعتدال پسند، اور طبقۂ امراء کے ذمہ دار افراد بھی زار کی موجودہ حکومت کو ختم کر دینے پر متحد ہو گئے۔ اس عام بیزاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۵ مارچ ۱۹۱۷ء کو زار اپنے لڑکے کے حق میں تخت سے دست بردار ہو گیا اور روسی پارلیمنٹ (ڈوما) کی ایک کمیٹی شہزادے لوآو کی صدارت میں روس پر حکومت کرنے کے لئے منتخب ہوئی۔ اس نئی حکومت کا ذمہ دار وزیر اعظم الکزنڈر کرنسکی منتخب کیا گیا جو روس کے متشوک پارٹی کا لیڈر تھا۔ اس نئی حکومت کے قیام کے بعد بظاہر روس میں امن قائم ہو گیا اور جنگی سرگرمیوں میں جو ڈھیل پڑ گئی تھی وہ دُور ہونے لگی برطانیہ اور فرانس نے بھی کرنسکی کی نئی حکومت کو تسلیم کر لیا اس لئے کہ کرنسکی کی حکومت نے اس معاہدے کے احترام کا اعلان کر دیا تھا جو زار کی حکومت نے فرانس اور برطانیہ سے کیا تھا۔

لیکن کرنسکی کی حکومت کو زیادہ دن برقرار رہنا نصیب نہ ہُوا۔ اعتدال پسند اور طبقۂ امراء کو تو اس کی حکومت پر اعتماد ہو گیا، لیکن بالشوک پارٹی جو حکومت کے سارے اختیارات مزدوروں کے ہاتھوں میں رکھنا چاہتی تھی وہ اس لیپا پوتی سے مطمئن نہ ہوئی اور اس نے برابر عوام اور فوجوں میں کرنسکی کی حکومت کے خلاف پروپیگنڈا جاری رکھا، بالشویک پروپیگنڈے سے عوام میں دوبارہ بے چینی پیدا ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے رُوس میں دوبارہ انقلاب کے شعلے بھڑکنے لگے۔

اب کہ انقلاب مکمل ہوا، طبقۂ امراء اور سرمایہ دار پر تباہی آئی۔ کرنسکی کی

حکومت پایہ تخت چھوڑ کر فرار ہو گئی اور بالشویک پارٹی کے لیڈر " یولیا تاف" نے جو اپنی پارٹی میں " لنن " کے نام سے مشہور تھا اپنی پارٹی کے ساتھ حکومت پر قبضہ کر لیا۔

یولیا ناف یا لنن کا جرمنی کے ساتھ خفیہ معاہدہ ہو چکا تھا۔ مارچ ۱۹۱۷ء میں جب زار نکولاس نے تخت سے دستبرداری کی لنن سوئٹزر لینڈ میں مقیم تھا۔ وہ فوراً روس پہنچکر اس موقع پر اپنی پارٹی کی قیادت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ روس کے سب راستے بند تھے، ایک راستہ برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کی فوجیں روکے ہوئے تھیں اور دوسرے راستے کو آسٹریا، ترکی اور بلغاریہ کی فوجوں نے گھیر رکھا تھا۔

لنن نے پہلے برطانیہ سے روس جانے کی اجازت مانگی برطانیہ نے اسے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد لنن نے جرمنوں سے روسی سرحد تک پہنچانے کی درخواست کی۔ جرمن اس شرط پر راضی ہو گئے کہ اگر لنن کو روس میں دوبارہ انقلاب برپا کرنے میں کامیابی ہو جائے تو روس جرمنی سے اسکی پیش کردہ شرائط پر صلح کرے گا۔ لنن نے جرمنوں کا یہ مطالبہ مان لیا اور جرمنوں نے اکتوبر ۱۹۱۷ء میں لنن کو روس کی سرحد میں پہنچا دیا۔

نومبر ۱۹۱۷ء میں روس میں بالشویک انقلاب ہوا۔ روس کی حکومت لنن اور اس کی پارٹی کے ہاتھ میں آگئی۔ اس نے روسی فوجوں کو محاذ سے ہٹا لیا اور جرمنوں سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔ اس طرح آخر ۱۹۱۷ء تک اتحادیوں کا ایک ساتھی جنگ سے ہٹ گیا۔

اس سال جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں فرانسیسی روسی اور اطالوی محاذوں پر اتحادیوں کو نیچا دیکھنا پڑا تھا لیکن ایک محاذ پر انہیں کامیابی بھی ہوئی۔ یہ ترکی محاذ تھا۔ عرب میں برطانیہ کے اشارے سے بغاوت پھوٹ پڑی تھی اور خود عربی فوجیں فلسطین اور شام کی طرف پیشقدمی میں مصروف تھیں اسی کے ساتھ انگریزی فوجیں خلیج فارس کے راستے عراق میں در آئیں اور دونوں طرف سے برابر ترکی فوجوں پر دباؤ ڈالتی جا رہی تھیں۔

ادھر مشرق میں برطانیہ کی یہ سرگرمیاں جاری ہی تھیں کہ امریکہ کی بحری اور بری فوجیں یورپ آن پہنچیں، مغربی محاذ کی گرتی ہوئی دیوار سنبھل گئی، انگریزوں اور فرانسیسیوں کے حوصلے بڑھ گئے، اور اس محاذ پر جرمنوں کا دباؤ کم ہو گیا۔

امریکہ کی بحری مدد سے برطانیہ کے بحری بیڑے کو بڑی تقویت پہنچی۔ جرمنی کے یو بوٹ اور آبدوز کشتیوں کی گوشمالی شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ اتحادی سمندروں کے ہنگاموں پر قابو پاتے گئے۔

۱۹۱۸ء کا سال جنگ کا آخری سال ہے، جرمنی، آسٹریا اور ترکی میں کمزوری کے آثار پیدا ہو چکے تھے، اتحادیوں کی سرگرمیاں ہر طرف بڑھ گئی تھیں، سمندروں میں جرمن آبدوزوں کا زور ٹوٹ چکا تھا اور خشکی پر جرمنی کی تیار فوجیں دل شکستہ ہو رہی تھیں لیوڈنڈارف نے آخری مرتبہ اپنی فوجوں کو ابھارنے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ انگریزی اور فرانسیسی فوجیں سیگ فرائڈ لائن میں رخنہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئیں۔

"ولوڑ ریو وینی ٹو" کے میدان میں آسٹریا کو انگریزی فرانسیسی اور اطالوی فوجوں سے شکستِ فاش کھانی پڑی۔ ترکی کی قوتِ مدافعت جواب دے گئی

اور بلغاریہ بالکل ختم ہو گیا۔

جرمنی میں قیصر اور اس کے خاندان کے خلاف سخت شورش پیدا ہو گئی قیصر مُلک چھوڑ کر ہالینڈ کی طرف فرار ہو گیا۔ ملک میں جمہوری اصول پر ایک نئی حکومت قائم ہو گئی اور اس حکومت نے اتحادیوں کے آگے درخواستِ صلح پیش کر دی۔ جرمنی کے ساتھ بلغاریہ، ترکی اور آسٹریا نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ چنانچہ ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو دن کے گیارہ بجے پہلی جنگِ عظیم ختم ہو گئی اور اس جنگ کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ جرمنی، آسٹریا اور ترکی کی باجبروت شہنشاہیتیں بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئیں۔

باب (۵)

مالِ غنیمت کی تقسیم اور صُلح کے معاہدات

جب جنگ کا بحران دور ہُوا تو سیاسی، سماجی، اور معاشی حیثیت سے مفتوحہ ممالک کی تباہی اور بربادی کا عجیب منظر سامنے آیا، انتہائی انتشار اور بے چینی، انتہائی اضطراب اور لامرکزیت اور ان سب پر مستزاد قحط اور وباؤں کا زور، کالرا، انفلوئنزا پلیگ، غرض ان سب بلاؤں کا نسلِ آدم پر ایک ساتھ حملہ ہُوا۔ اور جو آبادیاں کہ جنگ کے شعلوں میں جھلسنے سے رہ گئی تھیں ان وباؤں کی نذر ہونے لگیں۔ معاشی ابتری اور قحط اور وباؤں سے فاتح اور غیر جانبدار ممالک بھی نہ بچ سکے اور یورپ ہی نہیں بلکہ ایشیا اور افریقہ کے ایک بڑے حصہ پر بھی ان کا اثر پڑا، غرض تباہی عالمگیر تھی اور اس میں فاتح اور مفتوح کی کوئی قید نہیں رہی تھی۔

یہی عالمگیر معاشی تباہی اور بربادی کا احساس تھا جس نے ان ممالک کے خلاف جو اس جنگ کے اصلی محرک تھے فاتح ممالک میں شدید جذبۂ انتقام پیدا کر دیا۔ اور مستقل قیامِ امن کے لئے یہ اصول طے کر چکنے کے باوجود کہ معاہداتِ صلح میں یورپین اقوام کے لئے آپس میں آئندہ رشک و رقابت کی گنجائش نہیں چھوڑی جائے گی، مالِ غنیمت کی تقسیم اور صلح کے معاہدات کے وقت یہ جذبہ پوری شدت سے کار فرما رہا۔

پریسیڈنٹ ووڈ رولسن اس کانفرنس کے صدر تھے جو مالِ غنیمت کی تقسیم اور

مستقل قیامِ امن کے معاہدات کی ترتیب کے لئے پیرس میں منعقد ہوئی تھی اور موسیو کلمنسو اور مسٹر لائڈ جارج اُن کے مشیر خاص مقرر ہوئے تھے۔

پریسیڈنٹ نے کانفرنس کو شروع کرنے سے پہلے مستقل صُلح کے چند "بنیادی اصول" وضع کئے اور یہ طے کیا کہ صلح کی گفت و شنید انہی طے شدہ اصولوں کے ماتحت کی جائے۔ یہ اصول وہ تھے جو پریسیڈنٹ وسن کے "چودہ نکات" کے نام سے آج تک تاریخ میں محفوظ چلے آتے ہیں وہ اصول اختصار کے ساتھ یہ ہیں۔

(۱) یورپ کی حکومتیں آئندہ خفیہ ساز باز نہیں کریں گی، بلکہ ان کی سیاسی پالیسی صاف سیدھی اور بالکل ظاہرا ہوا کرے گی۔

(۲) امن اور جنگ دونوں حالتوں میں سمندر بین الاقوامی تجارتی جہاز رانی کے لئے کھلے رہیں گے۔

(۳) معاشی قیود اور پابندیوں کو جہاں تک ہو سکے گا دور کیا جائیگا۔

(۴) تخفیف اسلحہ کے سلسلہ میں مناسب طمانیت لی جائے گی۔

(۵) نوآبادیات کو بالکل غیر جانبدارانہ انداز میں تقسیم کیا جائیگا۔ اور ایسی تقسیم کے وقت اس حکومت کے مقابلہ میں جو کسی نوآبادی کا مطالبہ کرتی ہے خود اس نوآبادی کے بسنے والوں کی اپنی رائے اور مرضی پر بھی پوری توجہ دی جائے گی۔

(۶) روس کا سارا علاقہ خالی کر دیا جائے گا اور روس کو اپنے علاقہ کی درستی اور اصلاح کا پورا پورا موقع دیا جائے گا۔

(۷) بلجیم کی حکومت اپنے پورے علاقے کے ساتھ دوبارہ قائم کی جائیگی اور اسے خود مختار شاہی قائم کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

(۸) فرانس کا سارا علاقہ خالی کرا لیا جائے گا اور پروشیا کی حکومت نے

۱۸۷۱ء میں اس کے ساتھ جو زیادتی کی تھی اس کی اصلاح کی جائیگی۔

(۹) قومیت کے اصولوں کے ماتحت اٹلی کی سرحدوں کو دوبارہ متعین کیا جائیگا

(۱۰) آسٹریا اور ہنگری کے لوگوں کو خود مختار جمہوری حکومتیں قائم کرلینے کا موقع دیا جائے گا۔

(۱۱) رومانیہ، سرویا اور مونٹی نگرو کی ریاستوں کے علاقے خالی کر دئے جائینگے سرویا کو سمندر کے علاقے دئے جائینگے اور بلقان کی ریاستوں کے مسئلہ کو قومیت اور آپس کے اتحاد کے اصولوں پر طے کیا جائیگا۔

(۱۲) سلطنت عثمانیہ کی غیر مسلم آبادی کی سیاسی ترقی کی ضمانت کی جائیگی اور درہ دانیال مستقل طور پر بین الاقوامی جہازرانی کے لئے کھلا رکھا جائیگا

(۱۳) پولینڈ کی آزاد سلطنت قائم کی جائے گی اور سمندر میں اسے ایک ساحل بھی دیا جائیگا۔

(۱۴) چند مناسب اور روادارانہ اصولوں کے ماتحت ایک مجلس بنائی جائے گی جو دنیا کی سب چھوٹی بڑی سلطنتوں کے وجود کی آپس میں طمانیت کا انتظام کرے گی۔

پریسیڈنٹ ولسن ان مجوزہ بنیادی اصولوں کے ماتحت پیرس کی صلح کانفرنس میں شامل ہونے سے پہلے سلطنت برطانیہ نے اپنے مقبوضات کی اس امداد کا اعتراف کیا جو جنگ کے موقع پر انہوں نے سلطنت کو دی تھی۔ یہ اعتراف اس قسم کا تھا کہ ہر مقبوضہ کو ایک مستقل اور آزاد قوم کی حیثیت سے تسلیم کرلیا اور اسی حیثیت سے مجوزہ مجلس اقوام میں انکے داخلہ کا وعدہ کرلیا ڈومینین اسٹیٹس کا یہ وعدہ جنوبی افریقہ، کنیڈا، اسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے کیا گیا اور ہندوستان کی جنگی خدمات کے عیوض اُسے "ترقی یافتہ"

اصلاحات کی بشارت دی گئی جو بعد میں "مانٹیگو چیمس فورڈ ریفارمس" کے نام سے ہندوستان میں نافذ کی گئیں۔

اصل میں یہ "مانٹیگو چیمس فورڈ" کی اصلاحات، کانگریس اور مسلم لیگ کے اُس میثاق کی بنیاد پر مرتب کی گئی تھیں جو ۱۹۱۶ء میں ان دونوں جماعتوں کے مابین لکھنؤ میں طے پایا تھا لیکن ان اصلاحات میں اس میثاق کا بھی پورا پورا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ علاوہ اس کے خود وہ میثاق بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے نزدیک مقبول نہ ہو سکا تھا اور مختلف سیاسی تحریکیں جو ایک مدت سے ہوم رول اور سوراج کے نام سے ملک میں چل رہی تھیں ملک کے انتہا پسندوں کے ہاتھ میں آ گئی تھیں چنانچہ جنگ کے خاتمہ کے بعد حکومت نے جب جدید اصلاحات کا اعلان کیا تو ملک کا انتہا پسند طبقہ ان سے مطمئن نہ ہو سکا اور اس نے اپنی سیاسی سرگرمیوں میں اور شدت پیدا کر دی، اس طرح حکومت برطانیہ کی مجوزہ اصلاحات جو اس نے جنگ میں ہندوستانیوں کی وفاداری اور خدمات کے صلہ میں طے کی تھیں، وہ ہندوستانیوں کی اکثریت کو مطمئن کرنے میں قطعاً ناکام رہیں۔

---

۱۸ جنوری ۱۹۱۹ء سے پیرس میں صلح کانفرنس شروع ہوئی یہ کانفرنس کیا تھی ایک طرح کی جمہور پسند ملکوں کی عدالت تھی جس میں پریسیڈنٹ کے مجوزہ بنیادی اصولوں کے ماتحت ان مجرموں کے خلاف فیصلے تجویز ہوئے جو اس جنگ عظیم کے اصلی محرک اور بانی تھے۔

سب سے پہلے جرمنی کا مسئلہ تھا۔ عارضی مصالحت کے وقت ہی جرمنی کو اس کے جیتے ہوئے علاقوں سے نکل جانے پر مجبور کیا جا چکا تھا اسکے ہوائی جہاز دلہ توپوں اور ریلوں پر اتحادیوں کی نگرانی ہو چکی تھی۔ اور اس کے زبردست بحری

بیڑے کو گھیر کر (SCAPAFLOW) برطانیہ کے شمالی بحری مرکز پر پہنچایا جا چکا
تھا۔ کانفرنس میں طے ہوا کہ السیس اور لورین کے علاقے جو اس نے ۱۸۷۰ء میں
فرانس سے جیتے تھے وہ فرانس کو واپس کرے، رائین لینڈ میں کسی قسم کی فوجی قلعہ بندی
نہ کرے۔ سار کے علاقہ کو پندرہ برس کے لئے بین الاقوامی نگرانی میں دیدے، اسکے
بعد سار کے لوگوں کی رائے سے جرمنی یا فرانس کے ساتھ اس کا الحاق عمل میں آئے
اس کے علاوہ "یوپن مالمیڈی" کا چھوٹا سا علاقہ بلجیم کو دیا گیا "اپر سلیشیا" اور وہ
سارا علاقہ جسے جرمن کوریڈور" کہتے ہیں مع "ڈانٹ سک" (؟) DANTZ
کی بندرگاہ کے جرمنی سے علیحدہ کر کے پولینڈ کی نئی سلطنت سے ملحق کر دیا گیا اور
پروشیا کا شمال مشرقی علاقہ "میمل" بالٹک کی ایک نئی ریاست "لتھونیا" میں
ملا دیا گیا۔ اسی کے ساتھ جرمنی کی افریقی نوآبادیات اس سے چھین کر برطانیہ،
آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے حوالے کر دی گئیں۔

اس فیصلہ میں صرف رائین لینڈ کے معاملہ میں فرانس کے وزیر اعظم موسیو کلیمنسو کو
اعتراض تھا ان کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ علاقہ بھی جرمنی سے لیکر فرانس کے حوالے کر دیا جائے
اور واقعہ یہ ہے کہ فرانس نے جنگ سے پہلے اس علاقہ کے لئے روس سے خفیہ معاہدہ
بھی کر رکھا تھا۔ لیکن رائین لینڈ کو فرانس سے ملحق کر دینا چونکہ برطانیہ اور امریکہ
کے مفاد کے خلاف تھا اسلئے برطانیہ اور امریکہ نے مل کر موسیو کلیمنسو پر دباؤ ڈالا
اور انھیں رائین لینڈ کے عوض اس بات پر راضی کر لیا کہ رائین لینڈ میں جرمن قلعہ
بندیاں نہیں کریں گے۔ جرمنوں کو ملک کے داخلی انتظام کے لئے صرف ایک لاکھ
فوج رکھنے کی اجازت دی جائے گی اور عام لام بندی کا حق ان سے چھین لیا
جائے گا۔ اس کے علاوہ برطانیہ اور امریکہ کے نمائندوں مسٹر لائڈ جارج اور پریذیڈنٹ
ولسن نے ایک معاہدہ کے ذریعہ فرانس کے خلاف جرمنی کے جارحانہ اقدامات کی ضمانت

کرنے کا بھی اقرار کیا تھا لیکن یہ معاہدہ بعد کو بعض دلچسپ قسم کے موانعات کے باعث تکمیل نہ پاسکا اور فرانس کو جرمنی کے جارحانہ اقدامات کے متعلق امریکہ اور برطانیہ سے کوئی طمانیت نہ مل سکی، اس واقعہ کا ذکر آگے آتا ہے۔ (یہ معاہدہ جو جرمنی کے ساتھ کیا گیا معاہدۂ ورسائی کہلاتا ہے)

جرمنی کے بعد آسٹریا ہنگری کی سلطنت کا نمبر تھا، یہی سلطنت جنگِ عظیم کی اصلی محرک تھی اور کانفرنس نے سزا بھی اسے سب سے زیادہ سخت دی، ٹرینٹینو، ٹراسٹ اور جنوبی ٹیرول اٹلی سے ملحق کر دیا گیا۔ اور کوریٹہ، ڈالمیشیہ اور بوسینیا، ہرزگوینیہ کا بہت بڑا علاقہ سرویا کو دیدیا گیا جس نے ان سب علاقوں کو ملا کر یوگوسلافیہ کے نام اپنی ایک بڑی سلطنت قائم کر لی۔

گلیشیا اور شمالی سیلیشین علاقہ جدید سلطنت پولینڈ کے حوالے کیا گیا، بوہیمیا موریویا اور ہنگری کا شمالی حصہ علیحدہ کر کے چیکوسلاویکیا کے نام سے ایک نئی ریاست قائم کی گئی اور ہنگری کا مشرقی حصہ مع ٹرانسلوینیہ کے رومانیہ کو بخشدیا گیا، غرض آسٹریا ہنگری کی عظیم الشان سلطنت جو اس معاہدہ سے پہلے پانچ کروڑ ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، اس فیصلہ کے بعد صرف ڈیڑھ کروڑ نفوس کی رہ گئی اور پھر اس ڈیڑھ کروڑ کی آبادی کو بھی اس فیصلہ کے ذریعہ دو علیحدہ علیحدہ حکومتوں آسٹریا اور ہنگری پر تقسیم کر دیا گیا آسٹریا کی آبادی ساٹھ لاکھ، پچاس ہزار اور ہنگری کی اسی لاکھ تھی۔ (جو معاہدہ آسٹریا کے ساتھ کیا گیا وہ "سنٹ جرمین" اور جو ہنگری کے ساتھ ہوا اُسے معاہدۂ ٹرانن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔)

آسٹریا ہنگری کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کا نمبر تھا، اس غریب کا یورپین

ممالک کے درمیان خفیہ معاہدوں کے ذریعہ جنگ سے پہلے ہی تیا پانچا ہو چکا تھا البتہ صلح کانفرنس میں ان خفیہ معاہدوں کی "مبالغہ" کے ساتھ تکمیل ہو گئی۔

مصر کو تو برطانیہ جنگ کے دوران ہی میں ترکی سے جدا کر چکا تھا۔ صلح کانفرنس میں عرب کو سلطنت عثمانیہ سے علیحدہ کر کے دو سرداران عرب کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ شرق اردن اور فلسطین پر برطانوی انتداب قائم کیا گیا عراق میں انگریزوں کی زیر نگرانی ایک عرب ریاست قائم کی گئی، سمرنا اور مشرقی تھریس یونان کو بخشدیا گیا، کردستان کا سارا علاقہ ملیشیا کے جنوب تک آرمینیہ سے ملحق کیا گیا۔ آبناؤں پر اتحادیوں کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔ سلطنت کے مالیہ پر اتحادیوں کی نگرانی قائم کر دی گئی۔ اور قانون اختیارات میں فاتح اقوام کے لئے خاص رعائتیں رکھی گئیں ۔ ہر قسم کی بحری، برّی اور فضائی فوج رکھنے کی ممانعت کر دی گئی اور ملک کے اندرونی انتظام کے لئے صرف پندرہ ہزار پولس رکھنے کی تجویز کی گئی۔

جنگ سے پہلے خفیہ معاہدے میں جو برطانیہ اور روس کے درمیان ہوا تھا اور اس کے بعد جنگ کے دوران میں جو برطانیہ اور فرانس اور روس کے درمیان طے پایا تھا۔ قسطنطنیہ، دردانیال، اور شمالی مشرقی اناطولیہ کا ایک حصہ روس سے متعلق کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن روس نے بالشویک پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد چونکہ صلح کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا تھا اور شہنشاہی روس کے دعوؤں سے دستبرداری کر لی تھی اسلئے قسطنطنیہ پر خود اتحادیوں نے قبضہ کر لیا تھا اور مشرقی اناطولیہ کا علاقہ آرمینیہ سے ملحق کر دیا تھا۔ ترکوں کے خلاف اتحادیوں کا یہ فیصلہ "معاہدہ سیورے" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن ابھی اس معاہدے کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ ترکی کے ایک جانباز سپاہی کمال اتاترک نے اپنی تلوار کی نوک سے اسے پارہ پارہ کر دیا۔ اور اتحادیوں کو ترکوں کے ساتھ گفت و شنید کے بعد ایک باعزت سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ معاہدہ کی اس تبدیلی کا ذکر آگے کیا جائیگا۔

باب (۶)

نئی ریاستوں کی تشکیل اور مجلس اقوام کا قیام

پیرس کانفرنس نے شکست خوردہ ممالک کے خلاف فیصلے صادر کرنے کے علاوہ یورپ میں جمہوری اصولوں پر چند نئی اور آزاد ریاستوں کی بھی تشکیل کی۔ یہ نئی ریاستیں چیکوسلاویکیہ، پولینڈ، لتھونیا، لٹویا، استھونیا اور فن لینڈ تھیں۔

ان میں چیکوسلاویکیا کا، جو محض پروپیگنڈے کے زور سے عمل میں آیا تھا اور یہ تقریباً سب کا سب سلطنت آسٹریا و ہنگری کا علاقہ تھا، اور لتھونیا، لٹویا، استھونیا اور فن لینڈ کی ریاستیں (BREST litovsk.) "برسٹ لٹووسک"[ع۵] کے معاہدہ کی رُو سے قائم ہوئی تھیں اور جنگ سے پہلے یہ سب کی سب روسی سلطنت میں شامل تھیں۔

ع۵ نومبر ۱۹۱۷ء میں جب بالشویک پارٹی روسی حکومت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئی تو جرمنی اور بالشویک پارٹی کے لیڈر "لنن" کے خفیہ سمجھوتے کے مطابق روس جنگ سے علیحدہ ہوگیا اور "برسٹ لٹووسک" کے مقام پر ایک طرف روس اور دوسری طرف جرمنی، آسٹریا، ترکی اور بلغاریہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے روس نے روسی پولینڈ، لتھونیا، لٹویا، استھونیا اور بالٹک کے چند جزائر سے جرمنی کے حق میں دست برداری کر لی۔ یوکرین، جارجیہ، اور فن لینڈ کی آزادی تسلیم کر لی اور چھ ارب سونے کے مارکس بطور ہرجانہ دینے منظور کر لئے۔ اس طرح گویا بالشویک حکومت اس معاہدے کے ذریعہ زار کے زمانہ کے روس کی ۳۴ فی صدی آبادی ۵۴ فیصدی صنعت و حرفت (باقی صفحہ آئندہ پر)

اور پولینڈ کی ریاست میں کچھ علاقہ روس کا اور بڑا علاقہ جرمنی اور آسٹریا کا شامل کیا گیا تھا۔ اسطرح یہ نئی ریاستیں عالم وجود میں آئیں ان کا طرزِ حکومت جمہوری تجویز کیا گیا اور اُن سے اُن کی حفاظت کی ضمانت کا وعدہ کیا گیا۔

ان نئی ریاستوں کی بنیاد دراصل پریسیڈنٹ ولسن کے اس نظریہ پر رکھی گئی تھی کہ "دُنیا کی ہر قوم کو اپنی آزاد حکومت قائم کرنے کا حق حاصل ہے" اور مقصد ان کی تشکیل کا یہ تھا کہ وسطی یورپ میں ایک یا دو بڑی سلطنتوں کے قائم کرنے کے بجائے جمہوری اصولوں پر چند ایسی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم کردی جائیں جن کا مفاد ہمیشہ ایک دوسرے سے ٹکراتا رہے اور رشک و رقابت ان میں آپس میں اتحاد نہ پیدا ہونے دے تاکہ یورپ کا امن بحال رہے اور آئندہ جتھوں کی جنگ کا انسداد ہو سکے

ان نئی ریاستوں کے قیام کے علاوہ مستقبل میں بحالی امن کے لئے اس کانفرنس نے پریسیڈنٹ ولسن کے مجوزہ نکات کے مطابق ایک مجلس اقوام کے قیام کا بھی خاکہ تیار کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اور ۹۰ فی صدی کوئلے کی کانوں سے دست بردار ہو گئی۔ یہ معاہدہ روس اور جرمنی کے درمیان اگرچہ جنگ کے خاتمہ سے پہلے ہی ہو چکا تھا اور جنگ جرمنی اور اس کے ساتھیوں کی شکست پر ختم ہوئی تھی لیکن روس نے چونکہ صلح کی کانفرنس میں شریک ہونے سے انکار کردیا تھا اور اپنے اس علاقہ سے اس نے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا اسلئے صلح کانفرنس کے ججوں نے بریسٹ لٹووسک کے معاہدے کو اس حد تک بحال رکھا کہ یہ سارا علاقہ روس سے علیحدہ کرلیا لیکن اسے جرمنی کے زیر اثر کر دینے کے بجائے علیحدہ علیحدہ آزاد جمہوری ریاستوں کی شکل میں بانٹ دیا اسطرح بحیرۂ بالٹک کے گرد چار ایسی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں عالم وجود میں آگئیں جنکی سیاسی حکمت عملی انکی ہمسایہ بڑی بڑی سلطنتوں سے مختلف تھی ۱۲ (مؤلف)

اور اس مجلس کے ماتحت بہت سے شعبے بھی تجویز کئے جو بین الاقوامی حیثیت کے مسائل پر گفت و شنید کے بعد ماہرانہ طریقہ سے روشنی ڈال سکیں۔

مثلاً صحتِ عامہ کا شعبہ، مزدوروں کی اصلاح و درستی کا شعبہ، ریاستوں کی سرحدوں کے جھگڑے چکانے والی عدالت، اقلیتوں کے حقوق پر رائے دینے والا بورڈ، تخفیف اسلحہ پر غور کرنے والی کمیٹی وغیرہ۔

بانیانِ پیرس کانفرنس کا اس مجلس کے قیام سے پہلا اہم مقصد تو یہی تھا کہ جب کبھی دو ریاستوں میں کوئی ایسا اختلاف پیدا ہو جائے کہ وہ خود آپس میں مل بیٹھ کر اسے طے نہ کر سکیں۔ اور ہتھیار اٹھانے کی نوبت آ جائے تو ایسا کرنے سے پہلے دونوں ریاستیں اپنی اپنی شکائتیں مجلس اقوام میں پیش کریں۔ اور مجلس اقوام ان کے حق میں جو بھی فیصلہ کرے اُس پر سر جھکا دیں۔ چنانچہ ایسے معاملات میں مجلس اقوام کے فیصلہ کو باا‌ثر بنانے کے لئے مجلس اقوام کے "دستور" میں یہ دفعات بھی رکھی گئی تھیں۔

اگر کوئی ریاست مجلسِ اقوام کا فیصلہ نہ مانے اور دوسری ریاست کے ساتھ زیادتی کرے تو مجلسِ اقوام کے باقی ممبر زیادتی کرنے والی ریاست کا سزاءً معاشی مقاطعہ کر سکینگے یا زیادتی کرنے والے کے خلاف متحد ہو کر ہتھیار اٹھا سکیں گے۔

دوسرا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ریاستیں اپنے پاس اس سے زیادہ بڑی بحری اور فضائی فوج نہ رکھیں جتنی اُنہیں اندرونِ قیامِ امن اور بیرونی سرحدوں کی حفاظت کے لئے ضرورت ہو، یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا، اس مسئلہ کا کامیابی سے اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ مجلسِ اقوام کے سارے ممبروں کو ایک دوسرے پر کامل اعتماد نہ ہو جاتا۔ چنانچہ آپس میں اعتماد کو بڑھانے کی یہ سبیل سوچی گئی تھی کہ بڑی بڑی سلطنتیں بتدریج اپنی فوجی قوت کو کم کرنا شروع کر دیں تا کہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اپنے وجود کی حفاظت کا یقین ہوتا چلا جائے۔

غرض یہ اہم اور بنیادی مقاصد تھے جنہیں لیکر "مجلس اقوام" ۱۹۲۰ء میں جینوا کے آزاد شہر میں عالم وجود میں آئی تھی، برطانیہ نے اسے کامیاب بنانے کی ذمہ داری لی تھی، اور پریسیڈنٹ ولسن نے یقین دلایا تھا کہ امریکہ اس مجلس کا سرگرم کارکن ثابت ہوگا۔ لیکن پریسیڈنٹ ولسن امریکہ کو لیگ اقوام کی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ لیگ کے پہلے ہی اجلاس کے بعد امریکہ نہ صرف لیگ سے علیحدہ ہوگیا بلکہ اس نے یورپ کے معاملات سے بھی اپنی بے تعلقی کا اعلان کردیا۔

امریکہ کیطرف سے لیگ سے علیحدگی اور یورپ کے معاملات سے بے تعلقی کے اعلان کی اصلی وجہ یہ تھی کہ پریسیڈنٹ ولسن "ڈیموکریٹک" پارٹی کے آدمی تھے اور اس وقت امریکن سنٹ میں "ریپلیکن پارٹی" کی اکثریت تھی۔ امریکہ کو جنگ میں دھکیلتے وقت تو پریسیڈنٹ ولسن، نے "ریپلیکن پارٹی" کو اپنے ساتھ لے لیا تھا لیکن جب پیرس میں صلح کی گفتگو شروع ہوئی تو پریسیڈنٹ نے امریکن سنٹ کے کسی ریپلیکن نمائندے کو اپنے ساتھ نہ رکھا، یہ بات ریپلیکن پارٹی کو ناگوار گذری اور اس نے جواب میں پریسیڈنٹ ولسن کے سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔

اس کے علاوہ امریکہ میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی تھی جو اپنے ملک کو یورپ کے جھگڑوں سے بالکل علیحدہ رکھنا چاہتی تھی اس کے نزدیک امریکہ کے لئے یہ بالکل مناسب نہ تھا کہ وہ یوروپ کی سلطنتوں میں سے بعض سلطنتوں کا ساتھ دے اور بعض کی مخالف بن جائے۔ یوروپ کی کسی ریاست سے امریکہ کی سیاسی لڑائی نہیں تھی اور اس کے اپنے تجارتی مفاد کا تقاضا یہ تھا کہ یوروپ کی ساری چھوٹی بڑی ریاستوں سے یکساں تعلقات قائم رکھے جائیں۔ یہی خیال تھا جس نے امریکہ کے تاجروں کو بھی پریسیڈنٹ ولسن کا مخالف بنادیا اور ریپلیکن پارٹی نے اسی جماعت کی مدد سے خود امریکہ میں پریسیڈنٹ ووڈرو ولسن کے اقتدار کو ختم کردیا۔

یورپ کے معاملات سے امریکہ کی علیحدگی کے بعد مجلس اقوام کو چلانے کے ساری ذمہ داری برطانیہ پر آپڑی، برطانیہ نے اس کام میں فرانس کو اپنا شریک بنا لیا۔ ابتداءً سوائے روس کے یورپ اور ایشیاء کی قوموں نے اسمیں اپنے اپنے نمائندے بھیجے اور کچھ دنوں بعد روس بھی اس مجلس میں لے لیا گیا اور جو لائنیں اس مجلس کے لئے متعین کی گئی تھیں اُن ہی کے ماتحت کام بھی شروع ہو گیا، لیکن، بنیادی مقصد لیگ کا حاصل ہوتا ہوا معلوم نہ ہوا اسلئے کہ جو قومیں اس مجلس میں شامل تھیں خود ان کے دل ابھی تک ایک دوسرے سے صاف نہیں ہوئے تھے اور نہ ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کا جذبہ پیدا ہوا تھا۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد اگرچہ آپس میں معاہدات ہو چکے تھے لیکن بعض ممالک کو ان معاہدات سے اطمینان نہ ہو سکا تھا۔ جرمنی کو یہ شکایت تھی کہ معاہدۂ ورسائی میں اس سے نہایت توہین آمیز سلوک کیا گیا اس کے بہترین اور زرخیز ترین علاقے اس سے چھین لئے گئے اس کی نوآبادیات سے اسکو محروم کر دیا گیا، فوجی بھرتی کی ممانعت کر دی گئی اسکی صنعت و تجارت پر پابندیاں عائد کر دی گئیں، اور ان سب پر مستزاد یہ کہ ہرجانہ کے طور پر ایک خطیر رقم اُسپر ڈالدی جس کو ادا کرتے ہوئے وہ اپنی معاشی حالت کو درست نہیں کر سکتا تھا۔

فرانس کو یہ شکایت تھی کہ برطانیہ اور امریکہ نے اُسے رائین لینڈ پر قبضہ نہ کرنے دیا جس کے باعث مستقبل میں جرمنی کے حملے سے محفوظ رہنے کی صورت پیدا نہ ہو سکی۔

اٹلی کو شکایت تھی کہ جنگ میں اتحادیوں کا ساتھ دیا سخت جانی اور مالی نقصان اُٹھایا لیکن مال غنیمت میں اتحادیوں نے اُسے وہ حصہ نہیں دیا جس کا وہ حقدار تھا۔

ان شکایتوں کے ساتھ ساتھ خود مجلس اقوام میں پارٹیاں بننی شروع ہو گئیں، سیاسی مسائل میں بین الاقوامی نقطۂ نظر کے بجائے اپنی پارٹی کا مخصوص زاویہ نظر کام کرنے لگا۔

بعض اہم اور نازک مسائل آپس کی کج بحثی کے نذر ہوگئے، مجلس اقوام ان کے معاملہ میں اپنا دوٹوک فیصلہ نہ دے سکی۔ سیاست کے بازار میں اس کی ساکھ بگڑ گئی ۔ رفتہ رفتہ جرمنی، اٹلی، اور جاپان نے اس سے علیحدہ ہوکر اپنا ایک جتھا بنالیا، اور مجلس اقوام صرف برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کی جماعت رہ گئی ۔

باب (۷)

ترکی کی حیاتِ نو

معاہدۂ "سیورے" کے ذریعہ اتحادی اپنی دانست میں ترکی کو ختم کر چکے تھے۔ مصر، عرب، اور شام و عراق کو ترکی سے علیحدہ کر چکنے کے بعد ترکی کے پاس ایشیا، میں اناطولیہ اور یوروپ میں استنبول کا صوبہ چھوڑ دیا گیا تھا اور اناطولیہ بھی سارے کا سارا ترکوں کے قبضہ میں نہیں چھوڑا گیا تھا بلکہ یونان، کردستان اور آرمینیہ کو بھی اس میں ان کا شریک بنایا گیا تھا، اناطولیہ کا زرخیز ترین علاقہ، سمرنا کا سارا صوبہ مع بندرگاہ کے برطانوی وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج نے یونان کی اس وفاداری کے صلے میں جو جنگ عظیم کے دوران میں اس سے انگریزوں کے حق میں سرزد ہوئی تھی یونان کو بخشدیا تھا۔

شمالی مشرقی اناطولیہ کا کچھ حصہ آرمینیہ کی عیسائی اقلیت کو دیکر وہاں اُن کی آزاد سلطنت قائم کرا دینے کا وعدہ کر لیا تھا اور کردوں کو اس صلہ میں کہ انہوں نے موصل کا صوبہ حاصل کرنے میں برطانیہ کی مدد کی تھی مشرقی اناطولیہ کی پہاڑیوں کا سلسلہ عطا کیا گیا تھا۔ اور اس تقسیم کے بعد اناطولیہ کا جو بنجر علاقہ بچا وہ ترکوں کے پاس رہنے دیا گیا۔

اتحادیوں کا خیال تھا کہ جس طرح جرمنی اور آسٹریلیے کان دبا کر اتحادیوں کے

فیصلے مان لئے ترکی بھی مان لیگا اور اس کا انہیں شبہ بھی نہیں تھا کہ یہ "مرد بیمار" یورپ کے ان پہلوانوں کا حکم ٹال دینے کی جرأت کر سکیگا۔ لیکن ان کی توقعات کے خلاف یوروپ کے اس "مرد بیمار" ہی نے سب سے پہلے ان کے فیصلے کو چیلنج کیا اور معاہدۂ سیورے کو مرتب ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ اس کے پرزے اس نے فضائے آسمانی میں بکھیر دیئے۔

ابتداءً اس نئی ترکی کو سمجھنے میں اتحادیوں کو کچھ دیر لگی وہ اسے چند مقامی ایجیٹیٹروں کا ہنگامہ سمجھے انہوں نے اسے فرو کرنے کے لئے سلطان پر دباؤ ڈالا لیکن جب سلطان اس ہنگامے کو فرو نہ کرسکے تو مسٹر لائڈ جارج نے جو اپنے آپ کو سلطنت عثمانیہ کا واحد مالک سمجھتے تھے ان شورشی ترکوں کی گوشمالی کا کام یونان کے سپرد کر دیا۔ لیکن یہ لائڈ جارج کی غلط فہمی تھی، ترکوں نے زندہ رہنے کا تہیہ کر لیا تھا اور اس راہ میں وہ کسی روک کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے ۔ بالشویک روس سے قوم پرست ترکوں سے دوستی کر لی ۔ اٹلی ترکی کے معاملہ میں اتحادیوں سے الگ ہو گیا اسلئے کہ ان ہی اتحادیوں نے ...... اناطولیہ کا علاقہ ایک خفیہ معاہدے کے ذریعہ پہلے اٹلی کو دیا تھا اور اب بجائے اٹلی کے انہوں نے اسے یونان کے حوالے کر دیا، اٹلی کو اتحادیوں کی اس حرکت سے تکلیف پہنچی اور اس نے اس معاملہ میں نہ صرف اتحادیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا بلکہ خفیہ طور پر قوم پرست ترکوں سے دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ فرانس کو اناطولیہ کے جھگڑے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ جنگ کی رجعت میں مبتلا تھا اور عملاً اس جھگڑے میں دخل نہ دینا چاہتا تھا، لیکن جب قوم پرست ترکوں نے یونانیوں کو شکست پہ شکست دیکر اناطولیہ سے مار بھگایا اور تھریس پر قبضہ کرنے کے لئے ترکی فوجیں چناق کی طرف بڑھیں تو فرانس کو بڑی پریشانی ہوئی۔ چناق پر انگریزی اور فرانسیسی فوجیں پڑی

ہوئی تھیں اُسے اندیشہ تھا کہ کہیں ترکوں کی ان فوجوں سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے اگر ایسا ہوا تو ایک اور جنگِ عظیم برپا ہو جائے گی جسیں غالباً روس ترکی کا ساتھ دیگا ــــــ

ــــــ ، یہ خطرہ پیدا ہوتے ہی فرانس نے دوڑ دھوپ شروع کر دی، بڑی مشکل سے اس نے انگریزوں کو قوم پرست ترکوں سے صلح کر لینے پر آمادہ کیا - اور ترکوں کو یہ یقین دلایا کہ اتحادی خود یونانیوں سے تھریس خالی کرادیں گے اور قسطنطنیہ بھی بہت جلد خالی کر دیں گے -

---

..یورپ کے اس مرد بیمار کی یہ پہلی شاندار فتح تھی جو اس نے یورپ کے دیو صفت پہلوانوں پر حاصل کی اور اسی فتح کے بعد پیرس کانفرنس کے بانیوں کو یہ احساس ہوا کہ سیورے کا معاہدہ اُنھیں بدلنا پڑیگا چنانچہ اس نئی ترکی سے گفتگو کرنے کے لئے اتحادیوں نے لوزان میں ایک اور کانفرنس منعقد کی، قوم پرست ترکوں کی طرف سے عصمت پاشا (انونو) اپنے مطالبات منوانے آئے، اتحادیوں نے اس کانفرنس میں بھی سیاسی چالبازیوں سے کام لینا چاہا، لیکن اُنہیں اپنی ان چالبازیوں میں سخت ناکامی ہوئی اسلئے کہ قوم پرست ترکوں کا محبوب رہنما مصطفےٰ کمال (اتاترک) جس طرح میدانِ جنگ کا مرد تھا اسی طرح سیاسی داؤں گھاتوں کا بھی اُستاد تھا ؛ س نے برطانیہ اور فرانس کی ساری چالبازیاں تارِ عنکبوت کی طرح توڑ کر رکھدیں اور اس کانفرنس سے وہ سب کچھ منوالیا جو قوم پرست ترک چاہتے تھے -

لوزان کے معاہدہ کے بعد آرمینیہ کی عیسائی اقلیت ترکی سے غائب کردی گئی کردوں کا زور جو برطانیہ کی شہ پر بہت بڑھ گیا تھا بالکل توڑ دیا گیا اور ترک صحیح معنوں میں اپنی قومی سرحدوں کے اندر آزاد ہو گئے -

جدید ترکی کی سرحدوں کے متعلق کمال اتاترک کا نظریہ یہ تھا کہ "وہ سرزمین جو صدیوں سے ترکوں کا وطن ہے جدید ترکی سمجھی جائے گی ترک نہ اس سرزمین کی ایک انچ زمین کسی کو دیں گے اور نہ ایک انچ زمین کسی کی لیں گے۔"
جدید ترکی کے متعلق کمال اتاترک کی اس پالیسی کے اعلان کے بعد، مصر، عرب شام اور عراق کا مسئلہ خود بخود طے ہو گیا اور ان ممالک کو جنہوں نے جنگِ عظیم کے دوران میں ترکوں کے ساتھ غداری کی تھی حوادث کا مقابلہ کرنے اور خود ہی اتحادیوں سے بھگت لینے کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا۔

ترکی کو آزاد کرانے کے بعد کمال اتاترک نے ایک سرے سے اس کی کایا پلٹ کر دی، شخصی حکومت ترکی سے رخصت ہوئی اور اس حکومت کے ساتھ درباری سازشیوں اور خوشامدخوروں کا قافلہ بھی لد گیا جو سلطنت عثمانیہ کو گھن کی طرح کھا چکا تھا، طرزِ حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ترکوں کے طرزِ معاشرت میں تبدیلی کی گئی۔ جہالت اور مذہب کے نام پر توہم پرستی کو ملک بدر کیا گیا، ملک کی صنعت و تجارت کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کیا گیا، قدرتی پیداوار سے استفادہ کرنے کے وسائل بہم پہنچائے گئے، ترقی یافتہ علوم و فنون کو عام کیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ترکی جمہوریہ کو صفِ اول کی یورپین طاقتوں کے دوش بدوش لا بٹھایا۔
سلطنتِ عثمانیہ کو یورپین اقوام مردِ بیمار کے نام سے یاد کیا کرتے تھے اور یہ واقعہ ہے کہ ایک مدت سے یہ سلطنت تھی بھی تنزل پذیر۔ اُن بہت سے اسباب میں جو سلطنتِ عثمانیہ کو اندر سے کھوکھلا کر رہے تھے کمال اتاترک کے نزدیک صرف کمزوریاں ایسی تھیں جو بالآخر سلطنت عثمانیہ کی شکست کے باعث ثابت ہوئیں ایک یہ کہ ترکی پر بعض یورپین اقوام کے نہایت گراں سودی قرض کا بار تھا، جو

دم آخر تک اس کے سینہ پر رکھا رہا۔ دوسرے خلافت کا خیالی منصب تھا جس نے ہمیشہ ترکوں کو غلط فہمی میں مبتلا رکھا اور انہیں اپنی قومی تنظیم نہ کرنے دی۔

یورپین اقوام کے گراں سودی قرضوں کا اثر یہ تھا کہ ترکی کی خارجہ پالیسی آزاد نہیں رہی تھی، جن اقوام نے اُسے قرض دے رکھا تھا انہیں ترکی میں غیرمعمولی اقتدار حاصل ہو گیا تھا اور ترکی میں بیٹھ کر خود ترکوں کے خلاف سازشیں کرنے اور ترکی حکومت کو کمزور رکھنے کا موقع مل گیا تھا اور "خلافت" سے ترکوں کو یہ نقصان پہنچا تھا کہ اس خیالی منصب کو اپنے سے وابستہ رکھنے کے خاطر ترکوں نے اپنی انفرادیت کو گم کر دیا تھا اور جن ملکوں کو اس منصب کے ساتھ اپنی حفاظت میں لے لیا تھا وہ اسقدر ترکی کے مزاج سے مختلف واقع ہوئے تھے کہ ترکی کیلئے انہیں ساتھ رکھ کر اپنی اصلاح، تنظیم یا کسی قسم کی سیاسی اور تمدنی ترقی کر لینا ناممکن ہو گیا تھا۔

کمال اتاترک نے اپنی تعمیر کردہ ترکی کو نہایت احتیاط کے ساتھ ان "کمزوریوں" سے محفوظ رکھا۔ ترکوں کے دماغی زاویوں کو درست کیا اُن کی نظروں کو شاندار ماضی کے بجائے درخشاں مستقبل کی طرف پھیر دیا۔ گرے ہوئے حوصلوں کو اُبھارا اور اُن میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کر دی۔

ترکی جمہوریہ کی قومی پالیسی انتہائی مآل اندیشی پر مبنی ہے اسکی بنیاد کمال اتاترک کے اس اعلان پر رکھی گئی ہے کہ "ترک نہ اپنی ایک انچ زمین کسی کو دیں گے اور نہ کسی کی ایک انچ زمین لیں گے۔"

اس پالیسی کے ماتحت ترکی جمہوریہ کو یورپ یا ایشیاء میں کسی سے کوئی پرخاش نہیں رہی اور نہ کسی حکومت کو ترکی سے کسی قسم کی شکایت کا کوئی موقع حاصل ہو سکا۔ چنانچہ دولِ یورپ پر ترکی کی اس پالیسی کا یہ اثر پڑا کہ ترکوں کے آئندہ عزائم کے

متعلق اُن کے سارے شبہات رفع ہو گئے اور انہوں نے ترکی کو اطمینان وسکون کے ساتھ اپنی اصلاح اور تنظیم کے لئے اکیلا چھوڑ دیا۔

ترکی جمہوریہ نے اپنی اس حکمتِ عملی سے نہ صرف اپنے دوستوں کو خوش اور مطمئن رکھا بلکہ اپنے سخت ترین دشمنوں کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔

روس اور ترکی میں صدیوں سے لڑائی چلی آتی تھی لیکن ترکی جمہوریہ اور سوویٹ روس میں پکّی دوستی تھی، یونان اور ترکی کی جنگ کل ہی کی بات تھی ابھی وہ زخم بھی اچھی طرح مندمل نہ ہوئے تھے جو یونان کے ہاتھوں ترکی کو پہنچے تھے لیکن ترکی جمہوریہ اس حادثہ کو بھول چکی تھی، ترکی اور یونان میں کامل اتحاد تھا جنگِ عظیم میں عرب اور شام کی غدّاری کے باعث ترکی کو سخت ہزیمت اُٹھانی پڑی تھی اور خود اسکی جان کے لالے پڑ گئے تھے لیکن ترکی جمہوریہ اُنھیں بھی معاف کر چکی تھی اور اپنے معاملات کو سلجھانے کیلئے اُنہیں آزاد چھوڑ دیا تھا۔

بلقان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہمیشہ یوروپ کی کسی نہ کسی بڑی طاقت کے زیر اثر چلی آتی تھیں، ترکی جمہوریہ نے ایک بلقان بلاک کی طرح ڈالی، مقصد یہ تھا کہ ریاستہائے بلقان ایک رشتہ میں منسلک ہو کر اپنے مفاد کی خود ہی حفاظت کریں اسی طرح مشرقی ریاستوں، عراق، ایران، افغانستان کی لڑی تیار کی کہ خطرے کے وقت یہ سب ایک ہو کر اسکا مقابلہ کر سکیں

برطانیہ سے البتہ ترکی جمہوریہ کو شکایت تھی کہ اس نے ۱۹۱۸ء میں صلح ہو جانے کے بعد اس کے صوبہ موصل پر قبضہ کیا تھا، ترکی اپنے اس صوبے سے دستبردار نہیں ہوا اور نہ اب تک اس نے موصل پر برطانیہ کا قبضہ تسلیم کیا، لیکن اپنی معینہ پالیسی کے باعث وہ اس مسئلہ کو تلوار کے زور سے طے کرنے پر بھی آمادہ نہ ہوا

خارجی معاملات میں ترکی جمہوریہ کی روش قطعاً آزاد ہے دُنیا کی کسی بڑی چھوٹی قوت کی مصلحت اندیشیوں کا اسپر مطلق اثر نہیں ہے۔ دوسری حکومتوں سے معاہدات صلح و جنگ کا ترکی کے پاس صرف ایک ہی اصول ہے اور وہ یہ کہ ایسے معاہدات ترکی کی معینہ پالیسی کے ماتحت ترکی جمہوریہ کو تقویت پہنچائیں اور ترکوں میں عزتِ نفس اور خود اعتمادی پیدا کر دیں۔ محض قدیم روایات کے ماتحت بعض قوموں سے دوستی اور بعضوں سے دُشمنی رکھنے کا تخیل ترکوں کے دماغوں سے نکل چکا ہے اور وہ جذبات کے بجائے عقلِ سلیم سے کام لینے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اپنے قومی مفاد کی خاطر وہ اپنے قدیم دوستوں سے معاہدۂ مودّت کرنے میں تامل نہیں کرتے اور اگر اپنے قدیم دوستوں سے اُنہیں اپنے وجود کے لئے خطرہ محسوس ہوتا ہے تو وہ اُن سے تن جانے میں بھی مطلق پس وپیش سے کام نہیں لیتے۔

غرض یہ ترکی ہے جو معاہدہ سیورے کو اناطولیہ کے میدان میں دفن کر کے صفحۂ ہستی پر نمودار ہوئی، زبردستی اس نے اپنے لئے یورپین قوتوں کی صفِ اوّل میں جگہ بنائی اور جو قوتیں اپنے آپ کو یورپ اور ایشیا کی قسمتوں کا مالک سمجھا کرتی تھیں اُنہیں اپنے دماغی زاویوں کو درست کرنے پر مجبور کر دیا۔

باب (۸)

ہندوستان اور مشرق قریب میں بیچینی

مصر پر، یوں تو مدت سے کسی نہ کسی بہانے برطانیہ کا فوجی قبضہ چلا آتا تھا لیکن مصر کا برائے نام رشتہ بہرحال سلطنت ترکی سے قائم تھا۔ یہ رشتہ بھی ۱۹۱۴ء میں ترکی کیطرف سے برطانیہ کے خلاف اعلانِ جنگ کے بعد ٹوٹ گیا اور برطانیہ نے مصر کو اپنا مقبوضہ بنا لیا، قوم پرست مصریوں میں برطانیہ کے اس غاصبانہ قبضہ کے خلاف سخت بیچینی پیدا ہوئی اور استخلاص مصر کے نام سے ایک سیاسی تحریک برطانیہ کے خلاف زور پکڑ گئی، جنگ کے دوران میں اس تحریک کے باعث انگریزوں کو کافی پریشانی اُٹھانی پڑی لیکن مصر کا فوجی قبضہ چونکہ اُن کے مشرقی مقبوضات کو قابو میں رکھنے کے لئے ضروری تھا اسلئے مصر پر اپنی گرفت انہوں نے ڈھیلی نہیں کی البتہ جنگ عظیم کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت مصر جب برطانوی انتداب میں شامل کر دیا گیا تو حکومت برطانیہ نے مصر کے انتہا پسندوں کو راضی کرنے کے لئے مصر سے ایک معاہدہ کیا جسمیں مصر کو آزاد سلطنت قرار دیا لیکن مصر میں برطانوی ذرائع رسل و رسائل کی نگرانی بالواسطہ یا بلاواسطہ غیر ملکی حملوں سے مصر کی مدافعت، مصر کے برطانوی رزیڈنٹ اور مصر کی اقلیتوں کی حفاظت اور سوڈان کے مسئلہ کو بالکلیہ اپنے ہاتھ میں رکھا۔ ان پابندیوں کیساتھ "آزاد سلطنت" کا اعلان چونکہ محض بے معنی ہو گیا تھا اسلئے انتہا پسند اس سے مطمئن ہونے کے بجائے اور بھڑک اُٹھے اور انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے مصر اور سوڈان میں برطانیہ کی مخالفت شروع کر دی، جگہ جگہ بلوے اور فساد ہوئے۔ سوڈان

کا گورنر سرلی اسٹاک" اور کچھ انگریز بھی مارے گئے، برطانیہ نے ان حادثوں کو وجہ بنا کر مصر کے قوم پرستوں کے خلاف شدید کارروائیاں کیں لیکن آزادی کی تحریک مصر میں جڑ پکڑ چکی تھی اور عوام میں اپنے سیاسی حقوق کے متعلق بیداری پیدا ہو گئی تھی اسلئے برطانیہ اس انتہا پسند عنصر کو ملک میں بے اثر بنانے کے لئے بار بار حکومتِ مصر سے نئے نئے معاہدات کرنے پر مجبور ہوتی رہی لیکن اب تک کوئی معاہدہ ایسا نہ ہوا جو مصر کے انتہا پسندوں کو مطمئن کر سکتا۔

عربوں سے سنہ ۱۹۱۶ء میں حکومتِ برطانیہ نے ایک معاہدہ کر لیا تھا جس میں انہوں نے عربوں کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر وہ ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کر دیں اور انگریزی فوجوں کے ساتھ مل کر سارا جزیرہ نما عرب ترکوں سے خالی کرا لیں تو اس علاقہ میں آزاد عرب سلطنت قائم کر دی جائے گی۔ عرب بہت دنوں سے اپنی آزاد سلطنت کا خواب دیکھ رہے تھے برطانیہ کے اس وعدہ میں انہیں اپنے خواب کی تعبیر نظر آئی، اور انہوں نے بے تکلف ترکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس وقت عرب میں دو با اثر سردار تھے ایک عبدالعزیز ابن سعود دوسرا شریف حسین۔ عبدالعزیز نجد میں اپنا اثر بڑھا رہا تھا اور شریف حسین حجاز میں، انگریزوں نے یہ معاہدہ شریف حسین ہی سے کیا تھا اور لاکھوں پاؤنڈ اور برطانوی ہتھیاروں سے اسکی مدد کی تھی، چنانچہ شریفی فوجیں شریف حسین کے لڑکے فیصل کی سرکردگی اور برطانوی جاسوس کرنل لارنس کی رہنمائی میں ترکوں کو دباتی ہوئی شام تک پہنچ گئیں اور شام کے پایۂ تخت دمشق کو فتح کر لیا

شریف حسین کیساتھ برطانیہ نے ابن سعود کو بھی پانچہزار پونڈ ماہوار وظیفہ دیکر اپنی طرف کر لیا تھا، اس سے برطانیہ کو یہ کام لینا منظور تھا کہ نجد میں ترکوں اور جرمنوں کی چالوں کو کامیاب نہ ہونے دے۔ ابن سعود برطانوی روپے، اور

انگریز مشیروں کی مدد سے نہ صرف نجدی ترکوں اور جرمنوں کے اثر کو دور کرتا رہا بلکہ نجد اور اطراف کے بہت بڑے علاقہ پر قابض اور ایک بڑی طاقت کا مالک بن بیٹھا

برطانیہ نے جنگ میں عربوں سے مدد لینے کے لئے عرب آزاد سلطنت کا وعدہ کر لیا تھا لیکن عربوں سے معاہدہ کرنے سے پہلے وہ اس معاہدے کے متعلق فرانس اور روس سے ایک خفیہ معاہدہ (سائکس پائیکاٹ) کر چکی تھی جسکی رو سے برطانیہ اور فرانس نے فلسطین اور شام کے علاقے آپس میں تقسیم کر لئے تھے اور روس کو اناطولیہ کے شمالی مشرقی علاقے بخشدیئے تھے، اسی کیساتھ اعلان بالفور کے ذریعہ برطانیہ نے فلسطین کو وطن یہود بنادینے کی اپنے سر ذمہ داری لے لی تھی چنانچہ جب عرب فوجوں نے شام فتح کر لیا تو یہ عقدہ کھلا کہ برطانیہ نے عربوں سے سارے جزیرہ نما عرب کے متعلق جو وعدہ کر لیا ہے وہ پورا نہیں کیا جا سکتا اس انکشاف سے عربوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی لیکن اب غم وغصہ بے موقعہ تھا، پیرس میں صلح کانفرنس شروع ہو چکی تھی، شریف حسین کے لڑکے فیصل نے اس کانفرنس میں عرب ممالک کی نمائندگی کی، لیکن اس کانفرنس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی کانفرنس نے بیروت کو علیحدہ کر کے شام میں فرانس کے زیر سایہ ایک عرب ریاست قائم کرنے کی منظوری دی، فلسطین کو برطانیہ کے سپرد کر دیا اور عراق کو برطانوی انتداب میں دیدیا

لیکن کانفرنس کا یہ فیصلہ بھی بہت جلد ٹوٹ گیا۔ شام میں فیصل کی حکومت قائم ہوئے چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ شام کے دروزی قبائل نے علم آزادی بلند کر دیا اور شام کی حکومت نے اس تحریک کو وجہ بنا کر فیصل کو شام سے نکال باہر کیا۔

فیصل نے شام سے نکلکر پھر برطانیہ سے امداد مانگی، برطانیہ فیصل کی ممنون احسان تھی اس نے فیصل کو عراق کا تخت پیش کر دیا اور فیصل کے بھائی عبداللہ کے لئے شام اور عراق کی سرحد پر شرق اردن کے علاقے میں ایک ریاست قائم کر دی۔ عراق میں

اس وقت خود تحریک آزادی کا زور تھا اور عراقی انگریزوں کو اپنے علاقے پر قابض دیکھ کر اپنا خون پانی ایک کئے دے رہے تھے، برطانیہ کے لئے اس فیصلے میں خود اپنی بچت کی بھی ایک صورت نکل آئی اور عربوں کی اشک شوئی کا سامان بھی ہو گیا۔

لیکن شریف حسین اب بھی مطمئن نہ تھا وہ برطانیہ سے معاہدہ کے مطابق سارے عرب کی آزادی کا اعلان چاہتا تھا، اسپر طرّہ یہ ہوا کہ برطانیہ نے عرب کی ایک مشہور بندرگاہ عقبہ پر بھی اپنا فوجی قبضہ قائم کر لیا، شریف حسین کے صبر کا پیالہ برطانیہ کی اس آخری حرکت سے چھلک پڑا اور برطانیہ اور شریف حسین کے تعلقات بگڑنے شروع ہو گئے۔

شام میں در روزی تحریک آزادی کا زور تھا، فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کی کشمکش نے خطرناک صورت اختیار کر لی تھی، عراق میں آشوریوں نے ہنگامہ مچا رکھا تھا اور ان سب ہنگاموں کو شریف حسین کے طرزِ عمل سے تقویت پہنچ رہی تھی۔ برطانیہ نے شریف حسین کا زور توڑنے کے لئے ابن سعود کیطرف ہاتھ بڑھایا، ابن سعود اب سلطانِ نجد و ملحقات ہو چکے تھے۔ اور ان کا علاقہ برابر بڑھتا چلا جا رہا تھا شریف حسین کو ابن سعود کی اس جارحانہ پالیسی سے شکایت پیدا ہو ہی چکی تھی نجد و حجاز کی سرحد پر ایک چھوٹے سے علاقہ (حزما) کے لئے ابن سعود اور شریف حسین میں لڑائی چھڑ گئی اور چند ہی دنوں میں ابن سعود نے شریف حسین کو حجاز سے نکال باہر کیا۔ برطانیہ کو چونکہ جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی ابن سعود کی فتح کا یقین ہو چکا تھا اسلئے اس نے ابن سعود سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے برطانیہ نے اُسے نجد و حجاز کا بادشاہ تسلیم کر لیا اور ابن سعود نے برطانیہ کو شام اور فلسطین میں آزادی دیدی

عراق اور شرق اردن کی سرحدوں سے ملی ہوئی کچھ زمین سے دست برداری کرلی اور عقبہ کی بندرگاہ پر انگریزوں کا قبضہ تسلیم کرلیا اور شریف حسین کی شکست کے بعد اس معاہدے کی تکمیل ہوگئی۔

اس طرح شریف حسین اور برطانیہ میں جن مسائل پر رنجش ہوگئی تھی برطانیہ نے ابن سعود سے ان کی صفائی کرلی اور عرب کے اہم مقامات اپنے قبضہ میں لیکر باقی حصہ پر ابن سعود کو مختار بنادیا۔

عرب میں برطانیہ کی ان شاطرانہ چالوں سے بظاہر سکون ہوگیا، لیکن شام اور فلسطین میں برابر بے چینی باقی رہی اور شام کی طرح الجزائر اور ریف میں بھی تحریک آزادی زور پکڑ گئی جس کو دبانے کے لئے فلسطین میں برطانیہ کو شام اور الجزائر میں فرانس کو اور ریف میں فرانس اور اسپین کو انتہائی تشدد سے کام لینا پڑا۔

مشرقِ قریب کے علاوہ ہندوستان میں بھی سخت بے چینی اور حکومتِ برطانیہ کے خلاف بے اطمینانی کی فضا پیدا ہوگئی تھی۔ پہلی جنگ عظیم میں ہندوستانیوں نے برطانیہ کا ساتھ دیا تھا اور ہندوستانیوں کی اس مدد کے عوض برطانیہ نے ہندوستان کو جدید اصلاحات دینے کا وعدہ کرلیا تھا۔ لیکن ۱۹۱۹ء میں حکومتِ برطانیہ نے جن اصلاحات کا خاکہ ہندوستان کے آگے رکھا وہ ہندوستانیوں کی توقعات سے بہت ہی کم درجہ کا تھا، انتہا پسندوں نے اُسے ٹھکرادیا اور برطانیہ کے خلاف ہندوستانی محاذ کو مضبوط کرنے کے لئے اپنی تحریک "ستیہ گرہ" میں اور زیادہ شدت پیدا کردی۔ ہندوستان کے مسلمان ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے برطانیہ کی اعلان کردہ جدید اصلاحات سے ناخوش تھے ہی کہ مشرق قریب کے اسلامی ممالک کے خلاف حکومتِ برطانیہ نے خصوصاً جو حکمتِ عملی اختیار کر رکھی تھی اس سے

وہ بالکل بے قابو ہو گئے اور انہوں نے اپنا سارا زور ہندوستان کے انتہا پسندوں کی حمایت میں برطانیہ کے خلاف صرف کر دیا۔ ملک میں انتہائی انتشار پیدا ہو گیا ملک کا معمولی قانون اس انتشار کو دور کرنے میں ناکام ثابت ہوا، نئے نئے وقتی قانون بنائے گئے، مارشل لا نافذ کیا گیا اور انتہائی شدت کیساتھ ملک کے انتہا پسندوں کو قابو میں لانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ان استبدادی تدابیر کے باوجود ہندوستان میں سیاسی بیداری کے ساتھ حکومت کے خلاف بے اطمینانی برابر بڑھتی ہی چلی گئی۔

باب ۹

کمیونزم[۵۱]، فیشزم اور نازی ازم

جنگ کے اثراتِ مابعد نے کافی عرصہ تک یورپ کے نظامِ سیاسی کو غیر متوازن رکھا، اس دورِ انتشار میں مختلف حریف قومیں اُبھریں اور آپس میں ٹکراتی رہیں، مختلف تحریکیں اُٹھیں اور ملک کی بے اطمینانی اور بےچینی کو ہوا دیتی رہیں۔

ان تحریکوں میں مزدوروں کی "کمیونسٹ" تحریک کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہوئی اور وہ روس میں جو "کمیونزم" کا اصلی مرکز تھا، انقلاب پیدا کرنے اور بالآخر حکومت پر قبضہ کر لینے میں کامیاب ہو گئی۔ کمیونزم کی اس کامیابی سے یورپ کے جمہوریت پسند ممالک کو ایک نئی قسم کی تشویش میں مبتلا ہونا پڑا، اسلئے کہ "کمیونزم" کو نہ صرف اُنکے اقتصادی مسلمات سے بنیادی اختلاف تھا بلکہ وہ ان کے قدیم اور صدیوں کے صیقل شدہ سماجی نظام کا بھی دشمن تھا۔

ابتداً جمہوریت پسندوں کا خیال تھا کہ روس کا کمیونسٹ انقلاب محض عارضی اور وقتی ثابت ہوگا۔ ایک جوابی انقلاب جس کی طرح روس میں پڑ چکی ہے[۵۲]۔ اسکو ہمیشہ

---

۵۱ کمیونزم کی ایک شاخ "سوشلزم" کہلاتی ہے، سوشلزم اور کمیونزم عقیدے میں بالکل ایک ہیں فرق صرف اسقدر ہے کہ سوشلزم قابلیت اور کام کی مقدار کے لحاظ سے معاوضہ کی تقسیم پر مصر ہے اور کمیونزم قابلیت اور کام کی مقدار کے بجائے انسانی ضروریات کے ماتحت اُجرتوں کی تقسیم چاہتا ہے۔ (مولف)

۵۲ بالشویک روس نے جب "برسٹ لٹوسک" میں جرمنوں سے علیحدہ صلح کر لی (باقی صفحہ ۵۸ پر)

کے لئے ختم کردیگا جس کے بعد یوروپ میں اس نئے اور ہیجان انگیز نظامِ حکومت کے اثرات پر غور کرنے کی ضرورت نہ ہوگی لیکن جمہوریتوں کا یہ خیال غلط نکلا ، کمیونسٹ نظامِ حکومت نہ صرف اندرونی اور بیرونی مخالفتوں کے باوجود روس میں کامیاب رہا بلکہ کمیونزم ایک نئے معاشی نظام اور ہمہ گیر سیاسی مسلک کی حیثیت سے یوروپ کے دوسرے ممالک میں بھی وبا کی طرح پھیلنے لگا۔

یہ صورتِ حال مستقبل میں خطرناک نتائج کی حامل تھی جس کو جمہوریتیں خود اپنے وجود کی حفاظت کی خاطر نظر انداز نہیں کر سکتی تھیں ۔ لیکن اس نوبت پر ایک نئی صورت پیدا ہوگئی ۔ یوروپ کے ان ممالک پر جو اس جنگ میں اوروں سے زیادہ

(بقیہ صفحہ ۵۷) تو برطانیہ، فرانس اور امریکہ اس سے بدظن ہوگئے اسلئے کہ روس اسوقت تک اُنکا حلیف تھا اور اسے دشمن سے اسقدر دب کر علیحدہ مصالحت کر لینے کا کوئی حق نہ تھا چنانچہ روس کی طرف سے اس بدمعاہدگی کے بعد ۲۶ مئی سنہ ۱۹۱۹ء کو اتحادیوں نے شاہ پرست روسیوں کے لیڈر ایڈمیرل کولچک سے یہ معاہدہ کر لیا کہ اتحادی بالشویک روس کے مقابلہ میں انہیں اسلحہ اور سامان رسد سے مدد دینگے اس وعدے کیا تھ برطانیہ اور فرانس نے اپنی کچھ فوجیں بھی پولینڈ اور باکو کے روسی علاقے میں بھیجدی تھیں اور جاپان کو بھی مشرق بعید میں سُرخ روس پر دباؤ ڈالنے کا اشارہ کر دیا تھا، لیکن ایڈمیرل کولچک کو بالشویک روس کے مقابلہ میں کامیابی نہیں ہوئی اور جاپان کو مشرقِ بعید میں ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا البتہ پولینڈ کی فوج مارشل پلوڈسکی کی سرکردگی اور فرانسیسی جنرل ویگان کی مدد سے مغربی محاذ پر بالشویک روس کو شکست فاش دینے میں کامیاب ہوگئی اور روس کو آزاد پولینڈ سے صلح کرنے پر مجبور کر دیا ۔ برطانیہ اور فرانس نے اس ایک ہی محاذ کی کامیابی کو غنیمت جانا اور چونکہ اس کامیابی کے بعد یوروپ میں سوشلزم کو قدم بڑھانے سے روکدیا گیا تھا اسلئے برطانوی اور فرانسیسی فوجیں روس کے دوسرے محاذوں سے واپس بلالی گئیں اور روس کو اسکی اپنی قسمت پر چھوڑ دیا گیا ۔ (مؤلف)

پامال ہوئے تھے اپنی قومی ذلّت اور بربادی کا شدید احساس پیدا ہونے لگا۔ ان کی غیرتِ قومی بیدار ہوگئی اور اپنی قومی اور وطنی محبت کا جذبہ ان میں پوری شدّت اور قوت کے ساتھ متحرک نظر آنے لگا۔

یہ جذبہ چونکہ بذاتِ خود "کمیونزم" کے عقیدے کا حریف تھا، بے تکلّف کمیونزم سے ٹکرا گیا اور اسطرح ایک مرتبہ پھر یورپ کے قدیم سماجی نظام کی محافظ جمہوریتیں خود کمیونزم کے مقابل ہونے کی زحمت سے بچ گئیں۔

اگرچہ "کمیونزم" ایک "نئے اور منصفانہ" نظامِ معاشی کی حیثیت سے یورپ کے مزدوروں اور پست طبقوں میں جنگِ عظیم سے پہلے ہی اپنی جگہ بنا چکا تھا اور جمہوریت پسند ممالک کی سیاست میں ایک نئی سیاسی پارٹی کے روپ میں یہ نمود پا چکا تھا، لیکن اس مسلک کو تقویت روسی انقلاب کے بعد ہی حاصل ہوئی، اور سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کا زور جنگِ عظیم کے خاتمہ کے بعد ہی بندھنا شروع ہوا۔

خصوصاً اٹلی اور جرمنی میں اس تحریک کو بڑا اچھا میدان ہاتھ آگیا، جرمنی جو روس کا ہمسایہ ملک تھا، جنگِ عظیم میں اپنی شکست کے بعد، سیاسی اور معاشی حیثیت سے پامال، معاہدۂ ورسائی میں جکڑا ہوا، انتہائی بے بسی کے عالم میں پڑا تھا، اور اٹلی اگرچہ جنگِ عظیم میں اتحادیوں کے ساتھ تھا اور فتحمند ملکوں میں سمجھا جاتا تھا لیکن جنگ کے اثرات مابعد سے نہایت خستہ اور بے جان تھا، اسکی تجارت اور صنعت و حرفت تباہ ہو چکی تھی اور ملک میں کھانے پینے کی چیزوں تک کا کال پڑنے لگا تھا۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ اطالویوں کے دل میں یہ احساس جڑ پکڑ گیا تھا کہ جنگ میں سب سے زیادہ تباہی اُن کے حصہ میں آئی اور مالِ غنیمت دوسروں کے حصہ میں آیا۔

وہ بالکل بے قابو ہو گئے اور انہوں نے اپنا سارا زور ہندوستان کے انتہا پسندوں کی حمایت میں برطانیہ کے خلاف صرف کر دیا۔ ملک میں انتہائی انتشار پیدا ہو گیا ملک کا معمولی قانون اس انتشار کو دور کرنے میں ناکام ثابت ہوا، نئے نئے وقتی قانون بنائے گئے، مارشل لا نافذ کیا گیا اور انتہائی شدت کیساتھ ملک کے انتہا پسندوں کو قابو میں لانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ان استبدادی تدابیر کے باوجود ہندوستان میں سیاسی بیداری کے ساتھ حکومت کے خلاف بے اطمینانی برابر بڑھتی ہی چلی گئی۔

باب ۹

کمیونزم[۵۱]، فیشزم اور ناتسی ازم

جنگ کے اثراتِ مابعد نے کافی عرصہ تک یوروپ کے نظامِ سیاسی کو غیر متوازن رکھا، اس دَورِ انتشار میں مختلف حریف قومیں اُبھریں اور آپس میں ٹکراتی رہیں، مختلف تحریکیں اُٹھیں اور ملک کی بے اطمینانی اور بےچینی کو ہوا دیتی رہیں۔

ان تحریکوں میں مزدوروں کی "کمیونسٹ" تحریک کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہوئی اور وہ رُوس میں جو "کمیونزم" کا اصلی مرکز تھا، انقلاب پیدا کرنے اور بالآخر حکومت پر قبضہ کرلینے میں کامیاب ہوگئی۔ کمیونزم کی اس کامیابی سے یورپ کے جمہوریت پسند ممالک کو ایک نئی قسم کی تشویش میں مبتلا ہونا پڑا، اسلئے کہ "کمیونزم" کو نہ صرف اُنکے اقتصادی مسلمات سے بنیادی اختلاف تھا بلکہ وہ ان کے قدیم اور صدیوں کے صیقل شدہ سماجی نظام کا بھی دشمن تھا۔

ابتداءً جمہوریت پسندوں کا خیال تھا کہ روس کا کمیونسٹ انقلاب محض عارضی اور وقتی ثابت ہوگا۔ ایک جوابی انقلاب جس کی طرح روس میں پڑ چکی[۵۲] ہے۔ اسکو ہمیشہ

---

[۵۱] کمیونزم کی ایک شاخ "سوشلزم" کہلاتی ہے، سوشلزم اور کمیونزم عقیدے میں بالکل ایک ہیں فرق صرف اسقدر ہے کہ سوشلزم قابلیت اور کام کی مقدار کے لحاظ سے معاوضہ کی تقسیم پر مصر ہے اور کمیونزم قابلیت اور کام کی مقدار کے بجائے انسانی ضروریات کے ماتحت اُجرتوں کی تقسیم چاہتا ہے۔ (مولف)

[۵۲] بالشویک روس نے جب "برسٹ لٹوڈسک" میں جرمنوں سے علیحدہ صلح کرلی۔ (باقی صفحہ ۵۸ پر)

یہ دریافت کر لیا کہ کمیونزم کی تحریک قطعاً غیر فطری ہے اور اسمیں اتنی قدرت نہیں ہے کہ انسانی فطرت سے وطنی محبت کے جذبہ کو خارج کر سکے یا قومی فتحمندیوں کے خوشگوار تصوّر کو مٹا سکے۔

اس نئی دریافت نے خود اسکے جذبۂ حب وطنی کو پوری قوت سے اُبھار دیا وہ سوشلزم سے تائب ہو کر جنگ میں شریک ہوا اور جنگ سے واپس آکر اس نے سوشلزم کے مقابلہ میں فاشستی تحریک شروع کی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے ملک کو وطن پرستی کے جذبہ سے سرشار کر دیا۔

اٹلی کی طرح جرمنی میں بھی ایک قومی تحریک نے کمیونزم کا راستہ کاٹا، جنگِ عظیم کے خاتمہ کے بعد جب قیصر اور اسکا خاندان جرمنی سے فرار ہو گیا تو جرمنی کے سوشل ڈیموکریٹس اور کمیونسٹوں میں ملک کے اقتدار کے لئے ایک شدید ٹکر ہوئی جس میں سوشل ڈیموکریٹس کامیاب رہے۔ لیکن اس ناکامی کے بعد بھی کمیونسٹوں کا زور بدستور جرمنی میں قائم رہا، جمہوری اصولوں پر جب جرمنی کے لئے .... دیمر دستور بنا اور اس دستور کے ماتحت جرمنی کے منتخب شدہ نمائندوں نے حکومت سنبھالی تو کمیونسٹوں نے نہایت شدّت کیساتھ اس جمہوری حکومت کا مقابلہ کیا، جگہ جگہ ہڑتالیں کیں اور ربوہریا کے پورے صوبے پر قابض ہو بیٹھے۔ جرمنی کی دیمرے جمہوریہ سخت مالی مشکلات میں مبتلا تھی، دول یورپ سے اُسکے خارجی تعلّقات ابھی استوار نہیں ہوئے تھے، کمیونسٹوں کی طرف وہ پوری توجہ نہ دے سکی۔

اسی زمانہ میں میونک کے ایک شراب خانہ میں ایک چھوٹی سی مزدور پارٹی قائم ہوئی " ڈیکسلر" اس پارٹی کا لیڈر تھا، ابتداءً اس پارٹی کا کوئی مرتب لائحہ عمل نہ تھا۔ اور نہ خود میونک میں اسکا کوئی اثر تھا، سال بھر بعد اس پارٹی میں جان

پڑتی ہوئی معلوم ہوئی ۔ ڈیکسلر کو ہٹا کر اس پارٹی کا ایک اور ممبر اڈولف ہٹلر پارٹی کا لیڈر بنا، اٹلی میں اس وقت فیشت پارٹی کا شباب تھا، ہٹلر نے اس تحریک کا بغور مطالعہ کیا اور ۲۴ر فروری ۱۹۲۰ء کو اس نے اپنی پارٹی کا نام بدل کر "نیشنل سوشلسٹ پارٹی" رکھا اور پچیس ۲۵ اصولوں پر مشتمل ایک لائحہ عمل ملک کے آگے پیش کر دیا۔

جرمن ورسائی کے ذلت آمیز معاہدے سے بہت متاثر تھے، جنگ عظیم کے دوران میں اور جنگ کے خاتمے کے بعد یہودیوں اور کمیونسٹوں نے سازشوں کے ذریعہ ان کے ملک کو جو نقصان پہنچایا اور برابر پہنچا رہے تھے اسکا انہیں بہت صدمہ تھا اور معاہدے کے بعد فرانس کی آئے دن کی سختیوں اور زیادتیوں نے ان میں شدید غم و غصہ پیدا کر دیا تھا، ہٹلر نے اپنی پارٹی کے لائحہ عمل میں انہی شکایتوں کا تدارک پیش کیا عوام اس کی پارٹی کی طرف متوجہ ہونے لگے اور رفتہ رفتہ اس کی پارٹی کی قوت بڑھنے لگی۔ ۱۹۲۲ء میں اس نے اپنی پارٹی کے لائحہ عمل کو تقویت پہنچانے کے لئے "اشام ٹروپس" کے نام سے ایک والنٹیر کور بنائی، اس کور کی تربیت کے بعد نیشنل سوشلسٹ اور کمیونسٹوں میں باقاعدہ جھڑپیں ہونے لگیں۔ جرمنی کے سرمایہ دار ہٹلر کے مددگار ہو گئے اسلئے کہ کمیونسٹوں نے اُن کی تجارت کو تباہ کر رکھا تھا، سرمایہ داروں کے علاوہ جرمنی کے بعض فوجی اور سیول عہدہ دار بھی اس پارٹی میں خفیہ دلچسپی لینے لگے۔

۱۹۲۳ء میں جرمنی کے مشہور فوجی جنرل لیوڈنڈارف کو اس پارٹی سے ہمدردی ہو گئی، ہٹلر نے اس ہمدردی سے فائدہ اُٹھایا اور اپنے "اسٹارم ٹروپس" کی مدد سے میونک پر چڑھائی کر دی لیکن اُس کی یہ کوشش ناکام رہی۔

دیمر جمہوریہ نے اس کے والنٹیروں کو منتشر کر دیا اور خود اسے جیل میں بھر دیا۔ ۱۹۲۵ء میں یہ جیل سے باہر آیا نئے سرے سے اپنی پارٹی کی تنظیم کی۔ انتخابات میں ہر جگہ کمیونسٹوں کو

نیچا دِکھایا۔ اور ۱۹۳۳ء تک اس نے جرمنی میں ایسی فضا پیدا کر دی کہ صدر جمہوریہ جرمنی اُسے اپنا چانسلر بنانے پر مجبور ہو گیا۔ ۱۹۳۴ء میں ریشتاغ میں آگ لگی یا لگائی گئی اور اسی کو بہانہ بنا کر اس نے جرمنی کے سارے کمیونسٹوں کو گھیر لیا اور ان کی رہی سہی طاقت کو بھی فنا کر دیا۔

اس طرح یوروپ کے ایک اور محاذ پر جو کمیونسٹوں کا سب سے بڑا اور طاقتور محاذ تھا، کمیونزم کو شکستِ فاش ہوئی اور وہ صرف روسی سرحدوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔

اٹلی اور جرمنی کی طرح کمیونسٹوں نے فرانس اور اسپین میں بھی اپنا ایک بلاک بنا لیا تھا لیکن خالص سوشلسٹ حکومت قائم کرنے میں سوائے روس کے انہیں اور کہیں کامیابی نہ ہوئی۔ انتہا یہ ہے کہ وہ ان نئی ریاستوں کو بھی اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے۔ جو معاہدات صلح کے بعد روس کے پڑوس میں قائم ہو گئی تھیں۔ پولینڈ، چکوسلاویکیا اور رومانیہ کی ریاستیں جو بالکل سوویٹ روس کے متصل واقع ہیں، حیرت انگیز طور پر کمیونسٹ پروپیگنڈے سے مامون رہیں اسی طرح فنلینڈ، استھونیا، لتھوانیا اور لٹویا کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بھی کمیونزم کے قدم نہ جم سکے، کمیونزم کی اس ناکامی کے متعلق عام طور پر کمیونسٹ لیڈروں نے یہ عذر کیا ہے کہ یہ ریاستیں کسی نہ کسی حیثیت سے سرمایہ دار ملکوں کے زیر اثر ہیں اور سرمایہ دار ممالک اپنے مفاد کی خاطر انہیں کمیونزم سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن ہمارے خیال میں یہ عذر درست نہیں ہو سکتا۔ اگر فی الحقیقت کمیونزم کو روس میں کامیابی ہوئی ہوتی اور وہاں کے کسان اور پست طبقے کے لوگ اپنے نظامِ حکومت کی اس تبدیلی سے خوش اور مطمئن ہوتے تو ان پڑوسی ریاستوں میں سرمایہ دار ممالک اس اثر کو بڑھنے سے ہرگز نہ روک سکتے۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے

کہ روسی انقلاب سے صرف روسی مزدوروں کو فائدہ اور سیاسی اقتدار بھی حاصل ہو گیا۔ لیکن زراعت پیشہ طبقہ پر جو مصیبتیں ٹوٹیں اور جس طرح اُنکی انفرادیت کو مٹا کر انہیں ڈھور ڈنگروں کی صف میں کھڑا کر دیا گیا ان سے روس کی ہمسایہ ریاستیں جو ساری کی ساری زرعی ریاستیں ہیں بہت زیادہ متاثر ہوئیں۔ اور اسی کے ساتھ ان نئی ریاستوں کے دستور میں چونکہ زراعت پیشہ طبقہ کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا، اُن کی انفرادیت کو قانوناً تسلیم کیا گیا اور ملک کے انتظام میں انہیں اور طبقوں کے ساتھ برابر کا حصہ دیا گیا اسلئے ان ریاستوں میں سوویٹ روس کی ہمسایہ ہونے کے باوجود کمیونزم کا جماؤ نہ ہو سکا۔

بہر حال وجہ چاہے کچھ بھی ہو، پہلی جنگ عظیم کے بعد، کمیونزم کی بین الاقوامی تحریک کو قدیم سرمایہ داری کے علاوہ یورپ کی دو جدید قومی تحریکوں فیشزم اور نازی ازم سے مقابل ہونا پڑا جس کے باعث یورپ میں سیاسی اقتدار اور فوقیت کے لئے کشمکش کا ایک نیا اور ہیجانی دور شروع ہو گیا۔

باب ۱۰

فیشزم اور نا تسی ازم کی کامیابی کے اسباب

فیشزم اور نا تسی ازم کی تحریکیں جن حالات کے ماتحت عالمِ وجود میں آئیں اوّل تو ان کا اقتضاء ہی یہ تھا کہ وہ کامیاب ہوتیں دوسرے اُن کی حمایت میں تسلسل کے ساتھ کچھ اسباب بھی ایسے پیدا ہوتے چلے گئے جن سے ان تحریکوں کو غیر معمولی تقویت پہنچ گئی، اور وہ حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ یورپ کی سیاست پر چھا گئیں۔ اس کامیابی کے بعد وہ محض سیاسی تحریکوں کی حیثیت سے کسی خاص ملک کی سرحدوں میں بند نہیں رہیں بلکہ "کمیونزم" کی طرح انہیں بھی ایک ہمہ گیر سیاسی عقیدے کا درجہ حاصل ہو گیا اور یورپ اور ایشیاء میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کا اثر محسوس ہونے لگا۔

فیشزم کو اٹلی میں اور نا تسی ازم کو جرمنی میں جن اسباب کے ماتحت قدم جمانے کا موقع مل گیا ان میں سب سے اہم اور سب سے پہلا سبب تو یہ تھا کہ اٹلی اور جرمنی دونوں یورپ کے قدیم نظامِ سرمایہ داری کے بالکل جدید اور نوآموز رکن تھے ان کی سرمایہ داری کو شکل سے نصف صدی گذری تھی، ابھی یہ سرمایہ دارانہ داؤں گھاتوں سے بھی اچھی طرح واقف نہ ہوئے تھے اور نہ صحیح معنوں میں اُن کی سرمایہ داری کو استقلال نصیب ہوا تھا کہ ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم شروع ہو گئی۔

اگرچہ جرمنی نے یہ جنگ شروع ہی اسلئے کی تھی کہ یورپ کے قدیم سرمایہ داروں کے

اس اجارے کو توڑ ڈالے جو انہوں نے دُنیا کی تجارت اور سیاسی حیثیت سے پست ممالک کی خام پیداوار پر مدت سے کر رکھا تھا اور دُنیا میں اُن کے مقابل اپنی سرمایہ دارانہ حیثیت کو مستحکم کرے اور خود اٹلی بھی اتحادیوں کے ساتھ جنگ میں اسلئے شامل ہوا تھا کہ اپنی نوزائیدہ سرمایہ داری کو تقویت پہنچائے اور ان قومی آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کی صورت نکالے جو مدت سے اس کے دل و دماغ میں پرورش پا رہی تھیں لیکن جنگ خلاف توقع طول کھینچ گئی ۔ اور ان ممالک کا سارا اندوختہ اس کے نذر ہو گیا۔ اٹلی کہنے کو فتحمند رہا لیکن جنگ کے خاتمے کے بعد اسکی حالت ایک شکست خوردہ ملک سے زیادہ خستہ تھی ۔ اور جرمنی جسے اس جنگ میں شکستِ فاش ہوئی تھی بالکل تباہ و برباد ہو چکا تھا۔

اس سیاسی انتشار اور معاشی ادبار کو جو جنگ کے بعد اٹلی اور جرمنی میں پیدا ہو گیا تھا نظامِ سرمایہ داری کی مقرر کردہ جمہوری اصولوں کے ماتحت دور کرنا ناممکن تھا۔ ایسے غیر معمولی حالات کے مقابلہ کے لئے کوئی شدید، زود اثر اور غیر معمولی تحریک ہی ہو سکتی تھی جو ملک کی گرتی ہوئی عمارت کو روک لیتی اور اہلِ ملک کے پست حوصلوں کو اُبھار دیتی ——— فیشزم اور نازی زم میں جو دراصل ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں یہ صلاحیت بدرجہ اولیٰ موجود تھی انہیں پوری کامیابی حاصل ہوئی اور اٹلی اور جرمنی میں انکا پورا پورا تسلط ہو گیا۔

دوسرا اہم سبب جس نے فیشزم اور نازی ازم کو تقویت پہنچائی، وہ ان دونوں ممالک کے ساتھ فرانس اور برطانیہ کا طرزِ عمل تھا، اٹلی کو جنگ میں اپنے ساتھ شامل کرتے وقت برطانیہ اور فرانس نے اٹلی کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ اٹلی کو آسٹریا میں سے ٹرول، ٹرینٹو اور ٹراسٹی دیا جائے گا اور ڈامیشیہ پر اُس کا حق تسلیم کیا جائیگا

بحیرۂ ایجین میں جزیرے دیئے جائیں گے، اناطولیہ کا ایک ساحلی صوبہ دیا جائیگا، اور جرمنی کی نوآبادیات میں حصہ دیا جائے گا لیکن پیرس کانفرنس میں دالمیشہ کا علاقہ سروِیا کے حوالے کردیا گیا۔ بحیرۂ ایجین کے کچھ جزیرے یونان کو دیدیئے گئے اور اناطولیہ کا ساحلی صوبہ بھی یونان کو بخشدیا گیا اور ان سب پر مستزاد یہ کہ جرمنی کی نوآبادیات کو فرانس، برطانیہ اور برطانیہ کے مقبوضات آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور نیوزلینڈ نے آپس میں تقسیم کرلئے اور غریب اٹلی کی اس تقسیم کے وقت بات بھی نہ پوچھی! اگرچہ اٹلی نے ٹرینٹنو اور ٹرائسٹی کے ساتھ ہنگری کی ایک اہم بندرگاہ "فیوم" پر بطور خود قبضہ کرلیا لیکن محض ایک بندرگاہ تو جرمنی کی نوآبادیات کا بدل نہ بن سکتی۔

اٹلی کو یقین ہوگیا کہ اس کانفرنس کے بانی فرانس، برطانیہ اور امریکہ تینوں نے مل کر اس کے ساتھ دغا کی اور جو وعدے انہوں نے اس سے کرلئے تھے جنگ کے خاتمہ کے بعد اسے کمزور دیکھ کر وہ ان سے صاف پھر گئے۔ اگرچہ برطانیہ اور فرانس نے اپنے اس طرزِ عمل کے متعلق اٹلی کا اطمینان کردینا چاہا لیکن وہ اپنی پوزیشن اٹلی کے آگے صاف نہ کرسکے، اٹلی کے دلمیں فرانس اور برطانیہ کی یہ حرکت گھر کرگئی اب ان دونوں پر اعتماد کرنے کا تو سوال ہی کہاں باقی تھا اس کے دلمیں ان دونوں کو زک پہنچانے کا خیال بیٹھ گیا۔ اور اسی کے زیر اثر "فیشزم" کا اثر ملک میں سرعت کیساتھ بڑھتا گیا، اور فیشزم کا ہر قدم اٹلی کو برطانیہ اور فرانس کے اثر سے آزاد کراتا چلا گیا۔

جرمنی کے ساتھ اتحادیوں خصوصاً فرانس کا طرزِ عمل اس سے بھی زیادہ سخت اور توہین آمیز تھا۔ معاہدۂ درسائی کے ذریعہ جرمنی کو بالکل بے دست و پا کرچکنے کے باوجود فرانس کا اطمینان نہیں ہوا، اُسے امریکہ اور برطانیہ سے یہ شکایت تھی کہ ان دونوں نے مل کر اُسے راہین لینڈ پر قبضہ کرنے سے روک دیا۔ اوّل تو راہین لینڈ جو

جرمنی کا زرخیز ترین صوبہ ہے فرانس کے لئے بہت نفع بخش ثابت ہوتا ۔ دوسرے رائین لینڈ تک اپنی سرحد بڑھا کر ہمیشہ کے لئے فرانس جرمنی کی دوبارہ فوج کشی کے دھڑکے سے محفوظ ہو جاتا ۔ اس صوبہ کے عوض امریکہ اور برطانیہ نے فرانس کو یہ متحدہ طمانیت بھی دی کہ اگر جرمنی دوبارہ فرانس پر حملہ آور ہوگا تو برطانیہ اور امریکہ اسکی مدد کریں گے لیکن متحدہ طمانیت کے اس معاہدے کی وقعت ایک ردّی کاغذ سے زیادہ نہیں تھی ۔ امریکہ یورپ کے معاملات سے بے دخل ہو چکا تھا اور اپنے پریسیڈنٹ کے اس معاہدہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکا تھا ۔ اور امریکہ کو اس طرح الگ ہوتا دیکھ کر برطانیہ نے بھی اس طمانیت والے معاہدے سے اپنا دامن چھڑا لیا تھا ۔ فرانس نے اپنے ساتھیوں کی جب یہ روش دیکھی تو رائین لینڈ کے قضیہ کو خود ہی سلجھانے کا تہیہ کر لیا ۔ معاہدۂ ورسائی کی رُو سے جرمنی پر تاوان جنگ ڈالنے کی بھی تجویز ہوئی تھی ، فرانس کی صدارت میں تاوان جنگ مقرر کرنیوالی کمیٹی کا اجلاس ہوا ، اگرچہ کمیٹی کی رائے تھی کہ جرمنی دو ارب پونڈ سے زیادہ تاوان جنگ ادا نہیں کر سکتا لیکن فرانس کے اصرار سے یہ تاوانِ جنگ چھ ارب ساٹھ کروڑ پونڈ قرار پایا اور فرانس کے صدر نے اس رقم کی پہلی قسط کا جرمنی سے فوراً مطالبہ کر دیا ۔ اور جب جرمنی یہ رقم ادا نہ کر سکے تو فرانس کے صدر پوئنکارے کی ہدایت کے بموجب فرانسیسی فوجیں رائین لینڈ میں داخل ہو گئیں اور تا ادائے تاوان اس علاقہ پر قبضہ رکھنے کا اعلان کر دیا ۔ فرانس کی یہ کارروائی حد درجہ غیر مآل اندیشانہ تھی ۔ اس سے نہ صرف جرمنوں کی دل آزاری ہوئی بلکہ جرمنی کی معاشی حالت کو جو پہلے ہی سقیم تھی ناقابلِ برداشت صدمہ پہنچا ۔

اس واقعہ کے بعد دراصل جرمنوں کو عام طور پر یہ خیال پیدا ہوا کہ ویمر جمہوریہ نہایت بے اثر اور کمزور حکومت ہے یہ نہ جرمنی کو ہمسایہ سلطنتوں کی تاخت سے

بچا سکتی ہے ورنہ دل یورپ پر اثر ڈالکر ملک کی معاشیات کو مستحکم بنا سکتی ہے۔

اگرچہ رائین لینڈ پر فرانس کا قبضہ زیادہ دنوں نہ رہا، برطانیہ نے بیچ بچاؤ کر کے ایک امریکی ماہر اقتصادیات کی مدد سے جرمنی پر واجبی تاوان جنگ عائد کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنوادی، فرانس کو بھی رو ہر سے فوجی قبضہ اُٹھا لینے پر آمادہ کرلیا، اور ۱۹۲۵ء میں معاہدہ "لوکارنو" کے ذریعہ جرمنی کی اشک شوئی بھی کردی۔ اور اُسے مجلس اقوام کا ممبر بھی منتخب کرلیا۔

لیکن رائین لینڈ پر فرانس کے قبضہ کرلینے کا داغ جرمنوں کے دل سے کسی طرح نہ مِٹ سکا خصوصًا نوجوان جرمن اپنی اس قومی ذلّت کے تصوّر سے بہت متاثر تھے اور وہیمر جمہوریہ کی روادارانہ پالیسی پر سے اُن کا اعتقاد اُٹھتا چلا جارہا تھا۔

جرمنوں کے اس جوشیلے طبقہ کو جرمنی کی نئی سیاسی پارٹی "نیشنل سوشلسٹ" نے اپنی آغوش میں لے لیا اور اپنے ہنگامہ خیز لائحہ عمل سے اُن کے نوخیز دماغوں میں ہلچل مچادی اور یہ نوجوان جو ورسائی کے ذلّت آمیز معاہدے سے پہلے ہی سلگ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح معاہدہ ورسائی کی ذلت دھودیں۔ اور صحیح معنوں میں اپنے ملک کو آزاد اور ہر حیثیت سے طاقتور دیکھیں، آنکھیں بند کر کے نیشنل سوشلسٹ پارٹی

۱؎ برطانیہ کی کوششوں سے ۱۶ر نومبر ۱۹۲۵ء کو جرمنی، فرانس، اور بلجیم کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا کہ یہ تینوں ممالک اپنی اپنی موجودہ سرحدات کا احترام کریں گے اور ایکدوسرے پر حملہ کرنے سے پرہیز کریں گے، جرمنی نے اس معاہدہ کے ذریعہ یہ تسلیم کرلیا تھا کہ وہ رائین لینڈ پر قلعہ بندی نہ کریگا۔ اور اٹلی اور برطانیہ نے یہ ضمانت کی تھی ان تینوں میں سے جو مُلک دوسرے مُلک کی سرحد پر حملہ کریگا اٹلی اور برطانیہ متحدہ طور پر اسکے خلاف فوجی کارروائی کریں گے، یعنی اگر فرانس جرمنی کی سرحد پار کریگا تو برطانیہ اور اٹلی جرمنوں کے ساتھ ملکر فرانس سے لڑیں گے (باقی پر صفحہ

کے ساتھ ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ پارٹی اسقدر مضبوط ہو گئی کہ ویمر جمہوریہ کو اسکے لئے جگہ خالی کر دینی پڑی۔

نازی ازم کی کامیابی کا ایک اور سبب یہ تھا کہ اس پارٹی کو جرمن سرمایہ داروں کے علاوہ خود برطانوی اور امریکن سرمایہ داروں کی حمایت بھی حاصل ہو گئی۔ ان سرمایہ داروں کا یہ خیال تھا کہ اس پارٹی کی مدد کرکے وہ یوروپ میں کمیونزم کا زور توڑ سکتے ہیں، اور اپنے کاروبار کو کمیونزم کے حملوں سے بچا سکتے ہیں، گویا ان سرمایہ داروں نے اپنی طرف سے اس پارٹی کو روسی سرحدوں پر سنتری مقرر کیا تھا۔ اور اس کے سپرد خدمت یہ کی تھی کہ یوروپ میں کمیونزم کو بڑھنے سے روکے۔ اس خدمت کے عوض ان سرمایہ داروں نے نیشنل سوشلسٹ پارٹی کو روپیہ بھی دیا اور اسلحہ بھی دیئے اور یہ پارٹی اس امداد کی بدولت آسانی سے اپنے اخراجات بھی پورے کرتی رہی اور برابر اپنی طاقت بھی بڑھاتی گئی۔

اس پارٹی کی اصلی طاقت اس کے والنٹیر (اسٹار ٹروپس) تھے ان کی تنظیم بالکل فوجی اصولوں پر کی گئی تھی، اور انہیں فوجی ڈسپلن کا سختی سے عادی بنایا گیا تھا، ابتداءً یہ محض ایک والنٹیر کور تھی لیکن برطانیہ اور امریکہ کے سرمایہ داروں کی خفیہ امداد سے یہ بہت جلد ایک مسلح فوج بن گئی جس نے نہ صرف جرمنی کی کمیونسٹ پارٹی سمیت سب سیاسی پارٹیوں کا زور توڑ دیا بلکہ خود ویمر جمہوریہ کے لئے بھی اس کا مقابلہ کرنا ناممکن ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰) اور اگر جرمنی نے فرانس کی سرحد پار کی تو یہ دونوں فرانس کے ساتھ جرمنی کا مقابلہ کریں گے۔ (مؤلف)

لیکن اٹلی میں فاشست اور جرمنی میں نازی (نیشنل سوشلسٹ) پارٹی کے اس تسلط کے بعد یوروپ کی جمہوریتوں کے لئے ایک نئی الجھن پیدا ہو گئی، انہیں اب یہ طے کرنا تھا کہ یوروپ کی ان نئی پارٹیوں کے ساتھ ان کی پالیسی کیا ہو گی، آیا وہ انکی مخالفت کریں گی یا حمایت۔ جہاں تک کمیونزم کے خلاف ان پارٹیوں کے لائحہ عمل کا تعلق تھا یوروپ کی جمہوریتیں ان کی حمایت پر مجبور تھیں اسلئے کہ وہ خود بھی کمیونزم کو یورپ کے لئے ایک لعنت سمجھتی تھیں لیکن ان پارٹیوں کے ان عزائم کی وہ تائید نہیں کر سکتی تھیں جنہیں سامنے رکھ کر ان کی تنظیم کی جا رہی تھی۔ اسلئے کہ ان عزائم کی زد براہ راست جمہوریتوں پر پڑتی تھی اور بغیر جمہوریتوں سے ٹکرائے انکی تکمیل ناممکن تھی۔

اس طرح فیشزم اور نازی ازم سے جہاں جمہوریتوں کو یہ اطمینان ہو گیا کہ کمیونزم کے لئے یوروپ میں قدم جمانے کا موقع نہیں رہا وہیں یہ دھڑکا بھی لگ گیا کہ کہیں یہ جدید پارٹیاں اپنے قومی عزائم کی تکمیل میں خود ان کے خلاف صف آرا نہ ہو جائیں ان متضاد تصورات کے باعث یوروپ کی جمہوریتوں کو اپنی سیاسی حکمتِ عملی میں اس طرح کا لوچ پیدا کرنا پڑا کہ یہ پارٹیاں جمہوریتوں کو اپنا دوست سمجھیں، اور بدستور کمیونزم کے خلاف صف آرا بھی رہیں اور ان کے قومی عزائم کی زد سے بھی یوروپ کی جمہوریتیں محفوظ رہیں۔

جمہوریتوں کی اس دورخی حکمتِ عملی سے یورپین سیاست کی بنیادیں ہل گئیں اور وہ اصول کمزور ہو گئے جن پر پہلی جنگِ عظیم کے بعد پیرس کانفرنس نے یوروپ میں جدید جمہوری نظام تعمیر کیا تھا۔

باب ۱۱

مجلس اقوام کی ناکامی کا راز

کسی پچھلے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ معاہداتِ صلح کے وقت یورپ کے نئے جمہوری نظام کو تقویت پہنچانے کے لئے پریسیڈنٹ وڈرو ولسن کی رائے سے ایک مجلس اقوام بھی قائم کی گئی تھی اور سلطنتوں کے جھگڑوں کو چکانے کا کام اس کے سپرد کیا گیا تھا، چنانچہ ۱۹۲۰ء میں اپنے معینہ مقاصد کے ماتحت یہ مجلس بھی قائم کر دی گئی لیکن اس غریب کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی، پہلے اجلاس کے بعد پریسیڈنٹ وڈرو ولسن کی پالیسی کو امریکہ والوں نے ناپسند کیا، پریسیڈنٹ ولسن کا اقتدار ختم ہو گیا، اور اسی کے ساتھ امریکہ نے مجلس اقوام میں شرکت کرنے یا یورپین معاملات میں دخل دینے سے انکار کر دیا

اگرچہ امریکہ کی علیحدگی کے بعد بھی مجلس اقوام بدستور برقرار اور بظاہر اپنے معینہ پروگرام پر چلنے کی کوشش کرتی رہی لیکن ان کوششوں میں کبھی کسی قسم کی سرگرمی دکھائی نہیں دی اور نہ اس مجلس کے ممبروں میں وہ اتحادِ خیال نظر آیا جس کے ماتحت اس مجلس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

مجلس اقوام کا سب سے پہلا مقصد تو یہ تھا کہ بعض اوقات معمولی سے معمولی اختلافات کی بنیاد پر دو سلطنتوں میں جس انداز سے لڑائی ٹھن جاتی ہے اُسے آئندہ کے لئے روکا جائے۔ اور چند ایسے ٹھوس اصول بنائے جائیں جن کی پیروی میں معمولی سے

معمولی اور بڑے سے بڑے اختلافات بھی بغیر لڑے بھڑے دور ہو سکیں۔ ۱۹۲۴ء میں مسٹر آرتھر ہنڈرسن برطانیہ کے وزیر خارجہ نے ایسے چار اصول وضع کئے جنہیں قبول کر کے یورپین قومیں آئندہ جنگ کو ناممکن بنا سکتی تھیں۔

پہلا اصول ثالث کے فیصلہ کا تھا، آرتھر ہنڈرسن کی تجویز یہ تھی کہ سلطنتوں کے ہر قسم کے جھگڑے بین الاقوامی عدالت میں پیش ہونے چاہئیں اور اس عدالت کا فیصلہ قطعی سمجھا جانا چاہئے، دوسرا اصول یہ تھا کہ اگر کوئی سلطنت اپنے اختلافات بین الاقوامی عدالت میں پیش نہ کرے اور بطور خود انہیں تلوار کے زور سے سلجھانے کی کوشش کرے تو وہ سلطنت "باغی" سمجھی جائے گی۔ تیسرا اصول یہ تھا کہ ایسی "باغی" سلطنت کے خلاف مجلس کے سارے ممبر متحد ہو جائیں پہلے اس باغی سلطنت کا معاشی مقاطعہ کریں اور اگر وہ اسپر بھی نہ مانے تو اس کے خلاف سب ممالک فوجی کارروائی کریں۔ اور چوتھا اصول یہ تھا کہ باغی سلطنت کے خلاف مجلس کے جملہ ممبروں کی متفقہ کارروائی اسی وقت جائز سمجھی جائے گی جب تخفیف اسلحہ کی کانفرنس میں ہتھیار بندی کی ایک مناسب حد مقرر ہو جائے اور وہ سلطنت جس پر کسی باغی سلطنت نے حملہ کیا ہو تخفیف اسلحہ کی کانفرنس کے فیصلے کو تسلیم کر چکی ہو۔

یہ چوتھا اصول ہی دراصل بنیادی اصول تھا اسکا مقصد یہ تھا کہ یورپین اقوام میں تخفیف اسلحہ کے خیال کو مقبول بنایا جائے اسلئے کہ اسلحہ کی زیادتی ہی سارے شر و فساد کی بنیاد ہوا کرتی ہے جب اسمیں مناسب کمی ہو جائے گی تو شر و فساد کا خیال خود بخود جاتا رہے گا۔ لیکن اگر اس کے باوجود کوئی قوم یا سلطنت، شرارت پر آمادہ ہو جائے اور اپنی ہمسایہ سلطنت کو چھیڑنے لگے تو مجلس کے سارے ممبر متحد ہو کر اسکی گوشمالی کریں، تاکہ شیطنت کا خیال جڑ پکڑنے سے پہلے ہی فنا ہو جائے اور یورپ کا امن بحال رہے۔ ان اصولوں کی معقولیت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا؟

چنانچہ مجلس اقوام کے تقریبًا سارے ممبران پر متحد ہو گئے اور امید بندھ گئی کہ بالآخر مستقبل میں جنگ کا احتمال دور ہو گیا لیکن عین اسوقت ایک عجیب اور حیرت انگیز واقعہ پیش آیا ۔ خود برطانیہ نے ان اصولوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کے وزیر خارجہ ارتھر ہنڈرسن نے یہ اصول بنائے تھے!

واقعہ یہ ہوا کہ ۱۹۲۴ء کے آخر میں برطانیہ کی مزدور وزارت کو شکست ہو گئی ، مزدور وزارت کے ساتھ اسکے وزیر خارجہ آرتھر ہنڈرسن بھی رخصت ہوئے ، قدامت پسند وزارت برطانیہ میں قایم ہو گئی اور اس وزارت میں سر آسٹن چیمبرلین نئے وزیر خارجہ مقرر ہوئے جنہوں نے اپنے پیش رو ارتھر ہنڈرسن کے مجوزہ اصولوں کو ماننے سے قطعًا انکار کر دیا ۔ اس انکار کے ساتھ تخفیف اسلحہ کی کانفرنس کا کام بھی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا اور مجلس اقوام پھر وہیں کی وہیں آ گئی جہاں سے آرتھر ہنڈرسن نے اسے دو قدم آگے بڑھا دیا تھا ۔

سر آسٹن نے اپنے زمانۂ وزارت میں آرتھر ہنڈرسن کے اصولوں کو ماننے سے انکار کرنے کے علاوہ بھی ایک کام کیا اور یہ معاہدۂ "لوکارنو" تھا ، مجلس اقوام سے علیحدہ یوروپ کی پانچ قوتوں کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا ، اس میں ، جرمنی ، فرانس اور بلجیم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گی اور برطانیہ اور اٹلی نے یہ ضمانت کی تھی کہ جو قوت اس معاہدہ کو توڑے گی یہ دونوں اس کے خلاف فوجی کارروائی کریں گے ۔

یہ معاہدہ اگرچہ فرانس اور جرمنی کے جھگڑے کو چکانے کے لیے کیا گیا تھا اور اسلیے کیا گیا تھا کہ جرمنی کو یہ یقین دلایا جائے کہ فرانس رائین لینڈ غیر قلعہ بند علاقہ پر دوبارہ چڑھائی نہ کریگا لیکن اصولاً یہ معاہدہ غلط تھا اسلیے کہ جب مجلس اقوام

خود اسی قسم کے جھگڑوں کو فیصل کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی تو اس تصفیہ کو بھی اسکے روبرو پیش ہونا چاہئے تھا اس مجلس سے علیحدہ بطورِ خود آپس میں اس قضیہ کو نمٹانے کا تو صرف ایک ہی مفہوم ہو سکتا تھا اور وہ یہ کہ مجلس اقوام محض بے معنی چیز تھی اور خود مجلس کے ممبروں کو اسپر اعتماد نہ تھا -

بہرحال مجلسِ اقوام کے قیام کے بعد اس کے معینہ اصولوں کے خلاف یورپین طاقتوں کے درمیان یہ پہلا جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ تھا اور اسی لئے مجلس اقوام کے مقاصد پر یہ پہلی ضرب کاری تھی جس سے مجلسِ اقوام ڈگمگا گئی اور اسکا توازن بگڑ گیا -

---

سنہ ۱۹۲۶ء میں برطانیہ کی کوششوں سے جرمنی بھی مجلس اقوام کا ممبر بنا لیا گیا اور سنہ ۱۹۲۸ء میں مجلس اقوام نے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہ کرنے کا ایک عام معاہدہ "برِیاں کیلوگ پیکٹ" کے نام سے پیش کیا، یہ گویا اس غلطی کا کفارہ تھا - جو معاہدۂ لوکارنو کے سلسلہ میں بعض ممبران سے سرزد ہوئی تھی لیکن اس معاہدہ میں یہ ذکر نہیں تھا کہ اگر کوئی ممبر اسپر دستخط کرنے کے بعد بھی جنگ کرے تو اسکو کیا سزا دی جائے گی اور نہ اس معاہدے کے ساتھ تخفیف اسلحہ کی کوئی اسکیم وابستہ تھی بہرحال یہ ایک چلتا ہوا معاہدہ تھا جس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا -

سنہ ۱۹۲۹ء میں البتہ مجلس اقوام میں دوبارہ جان پڑتی ہوئی معلوم ہوئی کیونکہ برطانیہ میں پھر مزدور وزارت بنی اور مسٹر آرتھر ہنڈرسن دوبارہ وزیر خارجہ کے عہدے پر مامور ہوئے - تخفیف اسلحہ اور ثالثی فیصلہ کے وہ اصول تازہ کئے گئے جو سنہ ۱۹۲۴ء میں انہوں نے وضع کئے تھے اور ایک دفعہ پھر صحیح معنوں میں جنگ کے احتمال سے مہذب دنیا کو نجات دلانے کی کوششیں شروع ہوئیں، تخفیف اسلحہ کے سلسلہ میں اٹلی، فرانس اور امریکہ نے

چند ٹھوس تجاویز مجلس اقوام کے آگے پیش کیں اور طے پایا کہ فروری ۱۹۳۲ء میں باقاعدہ تخفیف اسلحہ کی کانفرنس شروع ہو جائے۔

لیکن ۱۹۳۲ء آنے سے پہلے چند اہم اور ناخوشگوار واقعات ظہور میں آگئے، عالمگیر معاشی کساد بازاری کا اثر انگلستان پر بھی پڑا، وہاں بیکاروں کی تعداد خطرناک حد تک بڑھ گئی، مزدور حکومت اسکا علاج نہ کرسکی اسلئے ٹوٹ گئی اور مزدور وزارت کے ساتھ آرتھر ہنڈرسن بھی گئے، مزدور وزارت کی جگہ برطانیہ میں نیشنل حکومت قائم ہوگئی اور سر جان سائمن نے وزیر خارجہ کا عہدہ سنبھال لیا۔

اِدھر برطانیہ میں حکومت کا یہ اول بدل ہوا اُدھر مشرق بعید میں جاپان نے ۱۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو بغیر کسی وجہ کے چین کے ایک زرخیز صوبے منچوریا پر حملہ کر دیا، چین اور جاپان دونوں مجلسِ اقوام کے ممبر تھے چین نے جاپان کی اس زیادتی کی مجلسِ اقوام سے باقاعدہ شکایت کی، معاملہ اہم تھا، مجلسِ اقوام کی ذمہ داری بڑی تھی، یہ پہلی جنگ تھی جو معاہدۂ صلح کے بعد ہوئی تھی اور اس اعتبار سے یہ پہلا مقدمہ تھا جسے مجلس اقوام کے مجوزہ اختیارات کے ماتحت فیصل ہونا تھا۔

مجلس اقوام کے تقریباً سارے ممبر ہم نوا تھے کہ جاپان کو اس حرکت کی سزا ملنی چاہیے، فوراً مجلسِ اقوام کا جلسہ طلب ہوا جلسہ میں صرف برطانیہ کی رہنمائی کا انتظار تھا بالآخر برطانیہ کی طرف سے سر جان سائمن نے بھی رائے ظاہر کر دی یہ رائے کیا تھی؟ جاپانی نمائندے مسٹر مٹسوکا نے سر جان سائمن کی تقریر سن کر کہا تھا۔

"سر جان سائمن نے صرف آدھ گھنٹے کے اندر چند فصیح جملوں میں وہ بات کہدی جو میں کابل دس دن سے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں آپ لوگوں سے کہنے کی کوشش کر رہا تھا" (انٹرنیشنل افیئرز ۱۹۳۳ء صفحہ ۴۵۲)

برطانیہ کی طرف سے مجلس اقوام پر ایک اور کاری ضرب پڑی، پہلی ہی کڑی آزمائش میں وہ ناکام رہی جاپان کو چین میں آزادی کا پروانہ مل گیا، جنگ کے خلاف جو ہلکا سا حصار اتنے برسوں میں تیار ہوا تھا وہ پامال ہوگیا۔

مجلس اقوام اگرچہ اس کے بعد بھی قائم رہی لیکن اب اسکا وجود برائے نام تھا فروری ۱۹۳۲ء میں تخفیف اسلحہ کی کانفرنس ہوئی لیکن محض بے نتیجہ، بجائے اس کے کہ اس کانفرنس میں آلاتِ جنگ کو کم کرنے پر بحث ہوتی جرمنی کے اس نئے مطالبہ پر بحث رہی کہ اُسے بھی اوروں کے ساوی ہتھیار بند ہونے کی اجازت ملنی چاہیئے۔

جرمنی کا یہ مطالبہ مناسب ہو یا نہ ہو " بامرقع " ضرور تھا اس سے مجلس اقوام کے اندر تخفیف اسلحہ کے سلسلہ میں جو گو مگو کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی اسکا خاتمہ ہوگیا اور اس کے ساتھ خود تخفیف اسلحہ کا خیال بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا ہوگیا۔

مجلس اقوام کے سلسلہ میں برطانیہ کی پالیسی میں یہ تضاد محض اسلئے پیدا ہوگیا تھا کہ برطانوی سیاست داں ذاتی طور پر دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے ان میں سے ایک گروہ پوری طرح مجلس اقوام پر تکیہ کئے ہوئے تھا اور چاہتا تھا کہ مجلس اقوام کے ذریعہ امن پسند ممالک کا ایک متحدہ محاذ قائم کرکے دُنیا میں آئندہ جنگ کو ناممکن بنا دیا جائے لیکن یہ گروہ بہت مختصر سا تھا، اس کے برخلاف دوسرا گروہ کو مجلس اقوام پر چنداں اعتماد نہ تھا وہ سلطنتِ برطانیہ کی سلامتی کے لئے اسکی بحری طاقت کو برقرار رکھنا اور یورپ کے معاملات سے حتیٰ الامکان اپنا دامن بچانا ضروری سمجھتا تھا اور اسی گروہ کی برطانوی سیاست میں اکثریت تھی اس آخرالذکر گروہ سے نازی ازم کو بڑی تقویت پہنچی اور یہ گروہ خود بھی جرمنی اور اس کے عزائم سے دلچسپی لینے لگا۔

نازی ازم کیطرف اس گروہ کے مائل ہونے کا پہلا سبب تو یہ تھا کہ اُن کے نزدیک کمیونزم کے خلاف نازی ازم بہترین آلۂ کار تھا وہ اسے مضبوط بنا کر اپنی تجارت وصنعت وحرفت کو کمیونزم کے متوقع حملے سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ فرانس اور فرانسیسیوں سے اس گروہ کو کوئی دلچسپی نہیں تھی اور فرانس نے معاہدات صلح کے بعد جرمنی کے خلاف جو طرزِ عمل جائز رکھا تھا اُسے یہ گروہ قطعًا پسند نہ کرتا تھا اسی ناپسندیدگی کے باعث جرمنی کے نقصانات پر افسوس کرنا اور اسکے عزائم سے ہمدردی کرنا اس گروہ کا فیشن ہو گیا تھا۔

برطانوی سیاست دانوں کے نقطۂ نظر کا یہی اختلاف تھا جو مجلس اقوام کے معاملات میں برطانیہ کی پالیسی میں نشیب وفراز پیدا کرتا اور خود مجلسِ اقوام کے اثر ووقار کو پامال کرتا رہا۔

لیکن برطانوی سیاست دانوں کا یہ اختلاف سلطنت برطانیہ کے لئے بہت مہنگا رہا، مجلس اقوام کو بے اثر بنانے میں جسقدر زیادہ برطانیہ کے "مصلحت اندیش" سیاست دانوں نے حصہ لیا تھا، اسی قدر زیادہ برطانیہ کو آگے چل کر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

اصل میں "نازی" برطانوی رائے عامّہ کی اس کمزوری کو بھانپ گئے تھے کہ یہ کمیونزم سے بہت خائف ہے انہوں نے نہایت احتیاط کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کے آگے یہ اوٹ قائم رکھی اور اس اوٹ کے پیچھے وہ نہایت تیزی سے اپنی قومی تنظیم میں مصروف ہوگئے۔ نازی پارٹی کا لیڈر اڈولف ہٹلر ۱۹۳۳ء میں برسر اقتدار آیا اور برسر اقتدار آتے ہی پہلی بات اس نے یہ کی کہ جرمنی میں جبری بھرتی کا قانون منظور کر ڈالا اور ایک زبردست ہوائی بیڑے کی تعمیر میں مصروف ہو گیا۔ یہ

معاہدۂ ورسائی کی صریح خلاف ورزی تھی، اس معاہدے کی رو سے جرمنی نہ جبری بھرتی کا قانون منظور کر سکتا تھا، نہ ہوائی جہازوں کا بیڑا تعمیر کر سکتا تھا چنانچہ ہٹلر کی اس خلاف معاہدگی پر اعتساب کیا گیا۔ مجلس اقوام کمزور ہو چکی تھی مگر بہرحال اسکا وجود ابھی باقی تھا اسکے ذریعہ ہٹلر سے بازپرس ہوئی ہٹلر نے اس بازپرس کے جواب میں اُلٹا مجلس اقوام پر یہ الزام لگایا کہ اس مجلس نے آج تک "ہتھیار بندی میں مساوات" والے جرمن مطالبہ پر غور نہیں کیا اسلئے جرمنی ایسی مجلس کا ممبر رہنا پسند نہیں کرتا۔ جو بعض خاص قوتوں کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنی ہوئی ہے۔

اس کا مجلس اقوام سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور جواب ہو بھی کیا سکتا تھا سوائے جنگ کرنے کے، لیکن مجلس اقوام کے ممبر جرمنی سے جنگ کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، بعض دل سے جرمنی کے دعوئے مساوات کو تسلیم کرتے تھے اور بعض اس جسارت سے سخت ناراض تھے، لیکن اتنے ناراض بہرحال نہیں تھے کہ ہٹلر کے خلاف تلوار اُٹھا لیتے اسلئے بات یہیں ختم کر دی گئی۔

ہٹلر کا اپنی اس پہلی کامیابی سے حوصلہ بڑھ گیا، مجلس اقوام سے علیحدہ ہوتے ہی اُسے گویا آزادی کا پروانہ مل گیا، علانیہ اور پوری تیزی کے ساتھ جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا، ان تیاریوں سے سوویٹ روس کو بڑی تشویش پیدا ہوئی، اور اس تشویش میں جرمنی کے ہمسایہ چیکوسلاویکیا اور فرانس بھی شریک ہو گئے، ان تینوں کی کوششوں سے روس مجلس اقوام میں شامل کیا گیا تاکہ جرمنی کے بڑھتے ہوئے عزائم کو روکنے کی کوئی موثر تدبیر سوچی جائے۔

بظاہر مجلس اقوام میں وہ جگہ پُر ہو گئی جو جرمنی خالی کر گیا تھا، لیکن زندگی اب بھی اس مجلس میں پیدا نہ ہو سکی۔

باب ۱۲

اڈولف ہٹلر کی جارحانہ سیاست

اڈولف ہٹلر کے اس طویل پروگرام میں جو اس نے جرمن قوم کی تنظیم کے لئے بنایا تھا، جرمن یہودیوں کا استیصال بھی شامل تھا۔ ان جرمن یہودیوں کے خلاف ہٹلر کے پاس اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ لوگ اگرچہ کئی پشتوں سے جرمنی میں رہتے چلے آئے تھے لیکن انکو جرمنی یا جرمنوں سے کبھی کوئی قلبی تعلق پیدا نہیں ہوا انتہا کی خودغرضی اس قوم کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے، صرف اپنا مفاد اس کے پیش نظر ہے اور اس کے حاصل کرنے میں وہ جرمنوں کے بہترین قومی مفاد کو بھی زک پہنچانے سے نہیں چوکتے، یہ فطرتاً دنی البطبع اور سازشی واقع ہوئے تھے اور اپنے وجود سے جرمن سوسائٹی کو کھوکھلا بنا رہے تھے۔ یہودیوں کی حرکتوں کا سب سے زیادہ تلخ تجربہ جرمنوں کو پہلی جنگِ عظیم کے بعد ہوا تھا اور جرمن عام طور پر ان سے نفرت کرنے لگے تھے چنانچہ جرمن خود بھی یہودیوں کے استیصال میں ہٹلر کے ساتھ ہو گئے۔

اس دورِ تہذیب و تمدن میں اس انداز سے کسی قوم سے نفرت کرنا یقیناً انسانیت کے خلاف تھا، یورپ اور امریکہ میں ہٹلر کی اس حرکت کے خلاف سختی سے آواز اُٹھائی گئی اور ساری دنیا کے یہودی اس کے مقابل صف آرا ہو گئے لیکن اس نے اپنے پروگرام کا یہ رُخ کسی طرح نہ بدلا۔

جرمنی میں یہودی ہر لائن میں گھسے ہوئے تھے، ملک کے کاروبار میں ان کا بڑا حصہ تھا، جرمن صنعت وحرفت پر ان کا قبضہ تھا، طب اور فلموں کی لائن میں انکا اثر تھا، جرمن تعلیم اور ریاضی کے شعبہ میں ان کا بڑا دخل تھا، ان سب لائنوں سے یہودیوں کو ہٹانے کے معنی یہ تھے کہ جرمن زندگی کا ہر شعبہ کمزور ہوجاتا لیکن ہٹلر نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی، اس کا قول یہ تھا کہ جرمنی صرف آرین نسل کے لئے ہے غیر آرین نسلیں جرمنی کو اپنا وطن نہیں بنا سکتیں اور یہی نازی جرمنی کا سلوگن ہوگیا۔

یہودیوں کا استیصال ہٹلر کا پہلا اصلاحی قدم تھا اس کے بعد جرمنی کے ہر شعبہ میں اس نے اصلاحی قوانین نافذ کئے اور اُن جرمنوں کو بھی جرمن رائش میں شامل کرلیا جو دوسرے ممالک میں آباد تھے[۵] ۔ یہ ہٹلر کی بڑی زبردست چال تھی۔ غیر ممالک کے

۵؎ ان اصلاحات کے نفاذ سے پہلے ہٹلر نے خود اپنی پارٹی کی اصلاح کی تھی، اسٹارم ٹروپس جو فی الحقیقت ہٹلر کے عروج کا باعث تھے، اقتدار حاصل کرنے کے بعد ہٹلر کی مطلق العنانی کی راہ میں حائل ہونے جارہے تھے ہٹلر نے ان کے توڑ دینے کا حکم دیا اس حکم کے خلاف اسٹارم ٹروپس کے کمانڈر کپتان ادہم اور کارل ارنسٹ نے بغاوت کی، اس بغاوت کو وجہ بناکر ۳۰ جون ۱۹۳۴ء کو ہٹلر نے اسٹارم ٹروپس کے سرغنوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا، اسطرح سب سے پہلے اس نے اس زینے کو فنا کردیا جسکے ذریعہ وہ اوپر چڑھ آیا تھا۔ البتہ ایس ایس ۹ گارڈس کو جو ہٹلر کے ماتحت اسکے قریب تر تھے اور جن کی تعداد تین لاکھ تھی باقی رہنے دیا گیا، یہ فوج ہٹلر نے ۱۹۲۸ء میں بنائی تھی اسکا فوجی یونیفارم سیاہ ہونا تھا اور ہٹلر کی محافظ فوج کے نام سے یاد کیجاتی تھی۔ (مولف)

جرمنوں کو یہ باور کرانا کہ وہ نازی جرمنی کے باشندے ہیں اور ان پر نازی جرمنی کے عقائد اور قوانین کی پیروی فرض ہے، اطرافِ عالم میں نازی ازم کی بنیاد رکھنے کے مماثل تھا۔

چنانچہ ہٹلر کی اس پالیسی سے نازی ازم کو روز بروز فروغ حاصل ہونے لگا اور خود جرمنی کے ہمسایہ ممالک میں نازی پارٹی کا اقتدار بڑھ گیا۔ سب سے پہلے نازیوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کا ثبوت آسٹریا میں ملا، آسٹریا کے لوگ خود کو جرمن کہا کرتے تھے خود ہٹلر بھی آسٹریا کا باشندہ تھا اور وہ آسٹریا کو جرمنی میں شامل کر لینے کے لئے بیتاب تھا، نازیوں نے پہلے آسٹریا میں کمیونسٹوں سے لڑکر اپنے قدم جمائے اور حکومت میں دخل حاصل کر لیا اس کے بعد انہوں نے ۲۵ جولائی ۱۹۳۴ء کی تاریخ مقرر کر کے وہاں عام نازی انقلاب برپا کرنا چاہا، آسٹریا کا چانسلر "ڈلفس" بھی اسی انقلاب کے نذر ہو گیا، لیکن نازیوں کو آسٹریا پر قبضہ کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اسلئے کہ آسٹریا اٹلی کے زیر اثر تھا اور اٹلی کی فوجیں اس واقعہ کے بعد نازیوں سے مقابلہ کے لئے سرحد پر جمع ہونی شروع ہو گئیں - ہٹلر اس وقت لڑائی کے لئے تیار نہ تھا اپنی ہار کا اعتراف کر کے آسٹریا سے دستبردار ہو گیا۔

ہمسایہ ممالک میں نازیوں کی یہ پہلی انقلابی کوشش تھی جو ناکام رہی لیکن دول یورپ کو ہٹلر کی اس جارحانہ سیاست سے کھٹکا پیدا ہوا اور انہوں نے آئندہ ہمسایہ ممالک میں نازیوں کے اقدامات کو روکنے کی تدابیر سوچنی شروع کر دیں

اٹلی کا فاشسٹ لیڈر مسولینی نازیوں کی مخالفت میں پیش پیش تھا وہ اپنی سرحد کے قریب نازی فتنے کو ابھرنے نہیں دینا چاہتا تھا اسی کی دعوت پر اپریل ۱۹۳۵ء میں ("Stresa") کانفرنس ہوئی جیس نازیوں کی جارحانہ سیاست کے مقابل برطانیہ، فرانس، اور اٹلی نے ایک متحدہ محاذ بنایا، اس کانفرنس میں ان

تینوں سلطنتوں نے ایک زبان ہو کر ہٹلر کے جبری بھرتی کے قانون اور جنگی تیاریوں کی مذمت کی تھی اور اسے متنبہ کیا تھا کہ اگر اس نے اپنی اس اشتعال انگیز پالیسی کو نہ چھوڑا تو یہ تینوں ممالک متحد ہو کر اس پر اثر ڈالیں گے۔

لیکن ابھی اس کانفرنس کو مشکل سے دو ہی مہینے گذرے تھے کہ اس کانفرنس کے سب سے بڑے رکن برطانیہ نے جون ۱۹۳۵ء میں جرمنی سے ایک بحری معاہدہ کر لیا جس میں ہٹلر کو یہ اجازت دی گئی تھی کہ وہ جرمنی کے لئے برطانوی بحری بیڑے کا ایک تہائی بیڑہ تعمیر کر سکتا ہے، اس معاہدے کا نتیجہ یہ ہوا کہ "اسٹریسا" کانفرنس کی دھمکی بے معنی ہو گئی اور ہٹلر کو یقین ہو گیا کہ جرمنی کی طاقت بڑھانے میں خود برطانیہ اس کے ساتھ ہے۔

برطانیہ کی اس حرکت کا اثر اٹلی پر یہ پڑا کہ وہ برطانیہ سے برگشتہ ہو گیا اور فرانس پر یہ ہوا کہ اس نے برطانوی جرمن دوستی کے جواب میں اٹلی کے ساتھ اپنی پینگیں بڑھانی شروع کر دیں[۵]۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بنیٹو مسولینی اپنے ملک کی اندرونی تنظیم مکمل کر کے "رومن امپائر" کے خواب دیکھ رہا تھا، مدت سے اسکی نظریں حبش پر تھیں یہ زرخیز علاقہ چونکہ اٹلی کے شمالی اور مشرقی نو آبادیات سے ملا ہوا تھا اسلئے اٹلی کے

---

[۵] جنوری ۱۹۳۵ء میں فرانس اور اٹلی کے درمیان ایک دوستی کا معاہدہ ہوا تھا لیکن اس معاہدے میں جان برطانیہ اور جرمنی کے بحری معاہدے کے بعد پڑی، جولائی ۱۹۳۵ء میں فرانس کے کمانڈر انچیف اٹلی کے جنرل اسٹاف سے تبادلہ خیال کرنے روم گئے اور ستمبر ۱۹۳۵ء میں اٹلی کے کمانڈر انچیف مارشل بدوگلیو فرانس آئے، یہ ملاقاتیں آئندہ جرمنی کے حملہ کی مدافعت کے سلسلہ میں ہوئی تھیں۔

(مولف)

نوآبادکاروں کے مطلب کا تھا، وہ اس قدیم سلطنت کو اپنے زیر اثر لینا چاہتا تھا، سلطنتِ اٹلی نے اس سے پہلے بھی حبشہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن غیور حبشیوں نے اطالوی فوجوں کو اڈوا کے میدان میں مار بھگایا تھا، اس شکست کا اطالویوں پر بڑا اثر تھا اور وہ اپنی اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے موقع اور وقت کے منتظر تھے، بنٹو مسولینی کی قیادت میں یہ موقع انھیں جلد ملگیا۔

فرانس مسولینی کی طرف متوجہ تھا، مسولینی نے اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور حبشہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی، ابتدائً شاہ حبشہ سے مسولینی نے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اٹلی کی قیادت قبول کریں اور حبشہ کے اہم شعبے جن میں فینانس، فوج اور محکمۂ خارجہ بھی شامل تھا، اٹلی کی نگرانی میں دیدیں، لیکن شاہِ حبشہ نے اٹلی کے اس مطالبہ کو منظور نہیں کیا، برطانیہ ان کا دوست تھا اور اُنہیں یقین تھا کہ اگر اٹلی سے اُن کی بگڑ گئی تو برطانیہ اُن کی مدد کریگا، چنانچہ جب شاہِ حبشہ کے انکار کو عذر بنا کر مسولینی نے ستمبر ۱۹۳۵ء میں حبشہ پر حملہ کر دیا تو شاہِ حبشہ نے فوراً مجلس اقوام اور برطانیہ سے مدد مانگی [۵] لیکن اس وقت صورت حال یہ تھی کہ برطانیہ حبشہ کی فوجی مدد نہیں کر سکتا تھا، البتہ اس نے حبشہ کا معاملہ مجلس اقوام میں پیش کر دیا، اور کوشش کی کہ مجلس اقوام اٹلی کے اس جارحانہ اقدام کے خلاف مؤثر آواز اُٹھائے اور سزائً اٹلی کی اقتصادی ناکہ بندی کی تجویز منظور کرے۔

---

[۵] حبش ۱۹۲۳ء سے مجلس اقوام کا ممبر تھا اور اٹلی ہی کی مدد سے یہ مجلس اقوام میں شامل ہوا تھا، اٹلی کا خیال تھا کہ حبش ہمیشہ احسانمند اور اٹلی کے زیر اثر رہیگا، لیکن جب اٹلی نے دیکھا کہ حبش میں برطانیہ کا اثر بڑھنے لگا تو وہ حبشہ سے بگڑ گیا، اور بالآخر اس پر حملہ کر دیا۔ (مؤلف)

اس سے قبل بھی مجلس اقوام چین پر جاپان کے غاصبانہ حملے کے جواب میں کوئی موثر کارروائی نہیں کر سکی تھی لیکن اب کہ اس نے بڑی رد وکد کے بعد برطانوی اثر کے باعث اٹلی کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی تجویز کو مان لیا مگر اسکو اس قدر بے اثر بنا دیا کہ یہ "ناکہ بندی" اٹلی کے ساتھ ایک مضحکہ خیز قسم کی چھیڑ بن کر رہ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اٹلی کے پیشقدمی پر تو اس ناکہ بندی کا مطلق اثر نہ پڑا البتہ اٹلی اور برطانیہ کے تعلقات خراب ہو گئے۔

اگرچہ ناکہ بندی کی تجویز میں بظاہر فرانس بھی برطانیہ کے ساتھ تھا لیکن فرانس نے نہایت ہوشیاری سے اس ناکہ بندی کی تجویز پر دستخط کر دینے کے باوجود اٹلی سے اپنے تعلقات استوار رکھے اور برابر اس کی کوشش کرتا رہا کہ اس ناکہ بندی کا اثر اٹلی کی تجارت اور اقتصادی حالت پر نہ پڑنے پائے۔ فرانس کے اس طرز عمل کے باعث اٹلی کے خلاف ناکہ بندی کی تجویز محض برطانیہ اور اٹلی کی ذاتی چپقلش بن کر رہ گئی اور بعض ذمہ وار فرانسیسیوں نے علانیہ یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ برطانیہ اور اٹلی کی ذاتی لڑائی ہے جس میں فرانس دخل نہیں دینا چاہتا۔

اٹلی کے خلاف اس ناکہ بندی کی تجویز میں برطانیہ نے جرمنی کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا تھا اسے خیال تھا کہ ہٹلر جو مسولینی کی اسٹریا والی کارروائی سے بگڑا ہوا ہے اس موقع پر بڑی خوشی سے برطانیہ کے ساتھ ہو جائے گا لیکن برطانیہ کا یہ خیال غلط نکلا ہٹلر نے نہ صرف اس موقع پر برطانیہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا بلکہ حبشہ پر اطالوی حملہ کی حمایت کی اور مجلس اقوام کی طرف سے ناکہ بندی کی جو تجویز منظور ہوئی اس کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔ مسولینی کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ہٹلر کی یہ چال کامیاب رہی۔ اور ہٹلر اور مسولینی کے تعلقات خوشگوار ہو گئے۔

ہٹلر جب سے جرمنی میں برسر اقتدار آیا تھا وہ برابر مسولینی سے تعلقات

پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اس تمنا میں وہ ۱۹۳۴ء میں مسولینی سے ملنے اٹلی بھی آیا تھا لیکن مسولینی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکا تھا وہ ہٹلر کو قابو چی لیڈر اور سستے قسم کا ایجی ٹیٹر کہا کرتا تھا اور اس سے تعلقات قائم کرنے میں ہمیشہ پرہیز کرتا رہا تھا۔

لیکن ہٹلر مسولینی کے اس طرزِ عمل سے بد دل نہیں ہوا، وہ برابر اس کوشش میں لگا رہا کہ مسولینی سے تعلقات بڑھانے کی کوئی مناسب صورت نکالے اسلئے کہ یورپ میں ہٹلر کے جو عزائم تھے ان کی تکمیل میں صرف مسولینی ہی اسکی مدد کر سکتا تھا۔ برطانیہ اور فرانس اس معاملہ میں ہرگز ہٹلر کا ساتھ نہ دیتے چنانچہ حبشہ کے معاملہ میں اٹلی کے خلاف جب ناکہ بندی کی تجویز اُٹھی تو ہٹلر کو مسولینی پر ایک خواہ مخواہ کا احسان کرنے کا موقع ہاتھ آگیا اور اس سے اس نے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔

ہٹلر اپنی چال میں پوری طرح کامیاب رہا۔ مسولینی برطانیہ سے دل برداشتہ اور فرانس کے طرز عمل سے غیر مطمئن ہو کر جرمنی کی طرف جھکا اور ہٹلر سے تعلقات دوستانہ ہوتے گئے۔ ان دونوں کی اسی دوستی کے بعد یورپ کی تاریخ میں ایک ہنگامہ خیز باب کا اضافہ ہوا اور یورپین سیاست میں انقلاب برپا ہو گیا۔

باب ۱۳

روس کے خلاف متحدہ محاذ اور اسپین کی خانہ جنگی

دول یورپ کی آپس کی کھینچا تانی کے باعث اڈولف ہٹلر کی جارحانہ سیاست ہر قدم پر کامیاب تھی اور ہر کامیابی سے اسمیں نیا عزم اور حوصلہ پیدا ہوتا جاتا تھا اپنے برسرِ اقتدار آنے کے بعد دو تین ہی برس کے اندر جرمن قوم کی تنظیم سے متعلق اپنے پروگرام کے ایک حصے کی وہ بڑی کامیابی سے تکمیل کرچکا تھا، اور اب وہ اپنے پروگرام کے دوسرے جزو جرمن امپائر کے قیام کی طرف متوجہ تھا، اس مطلب کے لئے وہ جرمنی کی سرحدات کے اندر اور جرمنی سے باہر بھی جہاں جہاں جرمن آباد تھے انہیں جرمن باشندہ قرار دیکر رفتہ رفتہ جرمنی کے نئے قوانین اور ضوابط کا پابند بناتا اور یورپ اور امریکہ میں نازی ازم کا جال بچھاتا چلا جارہا تھا۔ ہٹلر کی ان چالوں کو سویٹ روس نہایت اچھی طرح سمجھ رہا تھا لیکن وہ اکیلا اس کا تدارک نہیں کرسکتا تھا اور دول یورپ اس معاملہ میں اسکا ساتھ دینے کو تیار نہیں تھے۔

واقعہ یہ تھا کہ ہٹلر نے نہایت چالاکی سے نازی ازم پر کمیونزم کی مخالفت کا پردہ ڈال رکھا تھا تاکہ یورپ کی نظریں اس پردے پر جمی رہیں اور اس کے قومی عزائم کی تکمیل میں مانع نہ ہوں۔ اسے اسمیں کامیابی ہوئی اور اس کامیابی میں اسکی مدد خود سویٹ روس کے حالات اور واقعات نے بھی کی۔ سویٹ روس اس وقت اسٹالن

اور ٹراسکی کے حمایتیوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا اور اسٹالن۔ اپنے نظامِ حکومت کو بچانے کے لئے سویٹ روس کے مشہور جنرلوں اور پارٹی کے لیڈروں کو بے تکلف موت کے گھاٹ اتارتا چلا جا رہا تھا۔ اسٹالن کے اس طرزِ عمل کا دول یوروپ پر بہت برا اثر پڑا اور جو ممالک روس کی طرف کچھ متوجہ ہو چلے تھے وہ بھی سوئٹ روس کی اس پالیسی کو دیکھ کر اس سے برگشتہ ہوتے جاتے تھے۔

سوئٹ روس سے اس عام بیزاری کے بعد ہٹلر کو بے کھٹکے اپنے قومی عزائم کی تکمیل کا موقع مل گیا اور اس نے بے جھجک ہو کر اس موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا

جنوری ۱۹۳۵ء میں استصواب رائے عامہ کے بعد "سار کا علاقہ جرمنی کو واپس مل چکا تھا۔ مئی ۱۹۳۵ء میں فرانس، چیکوسلاویکیا اور روس کے درمیان جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کرنیکا معاہدہ ہوا، اگر ہٹلر چاہتا تو وہ اس معاہدہ کے خلاف آواز اٹھاتا اسلئے کہ اس معاہدہ کی زد بظاہر جرمنی ہی پر پڑتی تھی۔ لیکن وہ موقع اور وقت کے انتظار میں روس اور فرانس کے اس معاہدہ کو طرح دے گیا اسلئے کہ یہ معاہدہ آسٹریا کانفرنس کے بعد ہوا تھا اور ابھی آسٹریا کے دو اور ممبروں کا خیال اسپر ظاہر نہ ہوا تھا۔

جون ۱۹۳۵ء میں برطانیہ نے جرمنی سے بحری معاہدہ کر لیا۔ آسٹریا کانفرنس کا رکن اعظم ٹوٹ گیا۔ ستمبر ۱۹۳۵ء میں اٹلی نے حبشہ پر چڑھائی کی برطانیہ نے اس کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی تجویز منظور کرا دی۔

اس تجویز میں فرانس نے بھی برطانیہ کا ساتھ دیا۔ اور آسٹریا کانفرنس کی باقی دو طاقتوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

ہٹلر نے جب دیکھا کہ ایک ہی برس کے اندر وہ محاذ ٹوٹ گیا جو آسٹریا میں اس کے خلاف قائم ہوا تھا تو اس نے نہایت چالاکی سے اٹلی کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی مخالفت کر کے اپنے ایک قدیم دشمن کو رام کر لیا اور یورپین قوتوں کے اس انتشار سے فائدہ اُٹھا کر فوراً ۷ مارچ ۱۹۳۶ء کو رہائن لینڈ پر فوجی قبضہ کر لیا عذر یہ تھا کہ فرانس نے جرمنی کے خلاف روس سے معاہدہ کا سودا کر لیا ہے۔

رہائن لینڈ کے متعلق ابتداءً معاہدۂ ورسائی کے ذریعہ اور بعد میں لوکارنو کے معاہدے کی رو سے یہ طے ہوا تھا کہ جرمنی اس علاقہ کو قلعہ بند نہ کرے گا۔ معاہدہ ورسائی کی خلاف ورزی فرانس سے ہوئی جب اس نے تاوانِ جنگ کی وصولی کا عذر کر کے اپنی فوجیں اس علاقہ میں بھیجی تھیں۔ اور لوکارنو کی خلاف ورزی جرمنی نے کی۔ لیکن اس اقدام کے متعلق ہٹلر کا عذر یہ تھا کہ روس اور فرانس نے جو معاہدہ آپس میں کیا ہے وہ خود لوکارنو کے خلاف تھا اسلئے جرمنی اپنی حفاظت کی خاطر رہائن لینڈ پر قبضہ کرنے میں آزاد ہو گیا۔ ہٹلر کی اس تاویل کو معاہدۂ لوکارنو کے ضمانتی برطانیہ اور اٹلی دونوں نے تسلیم کر لیا اور غریب فرانس دل مسوس کر رہ گیا ؏۵

اسی سال یعنی ۱۸ جولائی ۱۹۳۶ء کو اسپین میں خانہ جنگی ہو گئی، نازی ازم کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کی خاطر پہلے فرانس میں (۱۹۳۵ء) "پاپولر فرنٹ" کے نام سے مختلف سیاسی پارٹیوں کا جن میں کمیونسٹ بھی شریک تھے ایک متحدہ محاذ تیار ہوا

؏۵ جرمنی کی طرف سے معاہدہ لوکارنو کی شکست کے فوراً بعد برطانیہ فرانس اور بلجیم نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا، اس معاہدے سے فرانس کی اشک شوئی اور بلجیم کی طمانیت ہو گئی تھی۔ (مولف)

اسکے بعد اسپین سے نازی خطرے کو دور رکھنے کی کوششیں شروع ہوئیں، اسپین میں شاہ الفانسو کے فرار (۱۹۳۱ء) کے بعد سے جمہوری طرز کی حکومت قائم ہوئی تھی لیکن مدت تک اس حکومت کو شاہ پرستوں سے دست و گریبان رہنا پڑا تھا، اسلئے اسے پوری طرح استقامت حاصل نہ ہوسکی تھی۔

جنرل فرینکو ایک شاہ پرست قسمت آزما سپاہی جمہوریہ اسپین کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اس نے اسپین میں کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کو بہانہ بناکر جمہوریہ اسپین کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا، سوال عقیدے کا پیدا ہوگیا تھا، ایک طرف ہٹلر اور مسولینی دونوں نے جنرل فرینکو کو فوجی مدد دینی شروع کردی، اور دوسری طرف جمہوریہ اسپین کو روس سے مدد ملنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسپین دو حریف سیاسی پارٹیوں کا اکھاڑا بن گیا۔

اسپین کی خانہ جنگی کی یہ شکل بالکل غیر متوقع تھی، برطانیہ اور فرانس کو اس سے عالمگیر جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا انہوں نے اس جنگ کے اثرات کو یورپ کے دوسرے ملکوں تک پھیل جانے سے روکنے کے لئے ایک "نان انٹروینشن" کمیٹی بنائی اور اسپین کے دونوں لڑنے والوں کی نگرانی کا کام اس کے سپرد کیا لیکن یہ کمیٹی محض برائے بیت تھی، اس کمیٹی نے روس کی امداد پر تو پابندیاں عائد کریں لیکن ہٹلر اور مسولینی کی امداد کو وہ نہ روک سکی۔

دراصل اسپین کی اس خانہ جنگی کے متعلق خود برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں اور سرمایہ داروں کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف تھا، برطانوی شہنشاہیت کا مفاد تو اسی میں تھا کہ جنرل فرینکو کی جیت نہ ہونے پائے اسلئے کہ جنرل فرینکو کی جیت سے "جبرالٹر" کی برطانوی چوکی کو خطرہ تھا اور جبرالٹر کے ساتھ برطانیہ کی مشرقی بحری شاہراہ بھی خطرے میں پڑجاتی تھی، لیکن برطانوی سرمایہ داروں کا فائدہ اسی میں تھا کہ اسپین میں

کمیونزم نہ پھیلنے پائے تاکہ یہاں جو سرمایہ برطانوی سرمایہ داروں کا لگا ہوا ہے وہ محفوظ رہے، بالکل یہی حالت فرانس کی تھی حکومتِ فرانس نہیں چاہتی تھی کہ فرینکو کی فتح ہو، لیکن فرانسیسی سرمایہ داروں کا طبقہ دل سے فرینکو کی جیت کا حامی تھا، اسی اندرونی کشمکش کا نتیجہ تھا کہ "نان انٹروینشن" کمیٹی محض بے اثر رہی۔ ہٹلر اور مسولینی علانیہ فرینکو کو مدد دیتے رہے اور فرینکو برابر جمہوریہ اسپین پر فتح پاتا چلا گیا ؎ ۵

اسپین کے مسئلہ پر ہٹلر اور مسولینی کا یہ پہلا اتحاد تھا، ہٹلر اس سے آئندہ مستقل طور پر کام لینا چاہتا تھا لیکن مسولینی کے مقابل اب تک ہٹلر کی حیثیت دوسرے نمبر کی تھی مسولینی سے مساویانہ اتحاد کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ہٹلر مسولینی کو بھی اپنی اہمیت کا احساس دلاتا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مشرقِ بعید میں جاپان سخت اقتصادی مشکلات میں مبتلا تھا اور ان مشکلات کا حل اس کے نزدیک صرف یہ رہ گیا تھا کہ وہ چین پر اپنا اقتصادی

ع ۵ اسپین کی خانہ جنگی کے دوران میں مسولینی نے اپنے بحری بیڑے سے بہت کام لیا بحیرہ روم میں اٹلی کی تباہ کن کشتیوں نے ہنگامہ مچا دیا جمہوریہ اسپین کے جہازوں کے علاوہ غیر جانبدار ممالک کے جہازوں کو بھی انہوں نے ڈبونا شروع کر دیا اسی ہنگامے میں روس کے بھی دو جہاز ڈوب گئے، روس اور اٹلی کے تعلقات میں اس واقعہ سے کشیدگی پیدا ہوگئی، روس کے جہاز درۂ دانیال کے ذریعہ بحرِ اسود میں آتے جاتے تھے اسلئے روس و اٹلی کی کشیدگی کا اثر ترکی پر بھی پڑا، درہ دانیال ۱۹۳۶ء تک آزاد بین الاقوامی گذرگاہ تھی لیکن ۱۹۳۶ء میں کمال اتاترک نے یوروپ کے حالات کے پیش نظر درہ دانیال پر قبضہ مانگا چنانچہ "مونٹرے" کی کانفرنس میں درۂ دانیال پر ترکی کو قبضہ دیا گیا اب جو اٹلی اور روس کی کشیدگی بڑھی تو ترکی نے لڑائی روکنے کے لئے یہ طے کیا تھا کہ وہ درۂ دانیال بند کر دیگا لیکن حالات خود بخود درست ہوگئے اور ترکی کو اس فیصلہ پر عمل کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ (مولف)

اثر قائم کرے لیکن چین اس وقت قوم پرستوں، اور کمیونسٹوں کے درمیان بٹا ہوا تھا، کمیونسٹوں کو روس سے تقویت پہنچ رہی تھی اور اُن کا اثر سارے چین پر بڑھتا جارہا تھا۔ اسکے علاوہ جاپان کی نئی ریاست منچکو سے روس کی مشرقی سرحد ملتی تھی جس سے جاپان کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا ان حالات میں جاپان بے تکلف چین پر چڑھائی نہیں کرسکتا تھا اس لئے کہ چین پر چڑھائی کرنے کے معنی یہ ہوتے کہ وہ روس کو لڑائی کی دعوت دیتا۔ اور روس سے ٹکر لینے کی وہ اکیلا ہمت نہیں کرسکتا۔

ہٹلر نے اس مشکل میں جاپان کا ہاتھ پکڑا، پانچ برس کے لئے جرمنی اور جاپان کے درمیان کمیونزم کے بڑھتے ہوئے اثرات کے خلاف ایک معاہدہ تجویز کیا جسکی رو سے یہ قرار پایا کہ کمیونزم کے اثر کو روکنے میں یہ دونوں ملک آپس میں مل جل کر کام کریں گے۔ اور آپس کے مفاد کی حفاظت کے سلسلہ میں ضرورت پڑا ایک دوسرے کی پوری پوری مدد کریں گے (یہ معاہدہ جرمنی اور جاپان کے درمیان ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء کو طے پایا)

ہٹلر اور سویٹ روس کی دشمنی تو پہلے ہی مسلم تھی اس نئے معاہدے سے جاپان کو بڑی تقویت پہنچی، روس چونک پڑا، یورپ کی جمہوریتوں کو تشویش ہوئی، مسولینی مرعوب ہو گیا! اپنی ایک ہی چال میں ہٹلر نے یورپ اور ایشیا میں تہلکہ ڈالدیا، جاپان اس کا بندۂ بے دام بن گیا اور مسولینی جو ہٹلر کو محض سستا ایجی ٹیٹر کہا کرتا تھا اسکی ڈپلومیسی کا دم بھرنے لگا۔

جرمنی اور جاپان کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اٹلی نے خود اپنے مفاد کے پیش نظر اسے پسند کیا ۱۹۳۷ء میں خود مسولینی برلن گیا اور اینٹی کومنٹرن پیکٹ پر دستخط کر آیا۔

اس معاہدے کے بعد ہٹلر کی پوزیشن مرکزی تھی اور اٹلی اور جاپان اس مرکز کے دو بازو تھے

جاپان کے ساتھ معاہدہ کرنے میں ہٹلر کی ایک مصلحت یہ تھی کہ روس یورپ کی سیاست میں اپنا پورا وزن استعمال نہ کرسکے گا اور دوسری، مصلحت یہ تھی کہ جاپان کے بحری بیڑے کو وہ مشرقِ بعید میں برطانیہ، فرانس اور امریکہ کی نوآبادیوں پر اثر ڈالنے کے لئے استعمال کرسکیگا۔ جاپان کے پاس اگرچہ بری اور فضائی فوج کی اچھی تعداد موجود تھی۔ لیکن جاپان کی اصلی طاقت بحری تھی اور ہٹلر اس طاقت سے اس طرح کام لینا چاہتا تھا کہ برطانیہ اور فرانس کے مفاد کو مشرق بعید میں اس بحری بیڑے سے دھمکی دے اور یورپ میں اپنے عزائم کی تکمیل کرتا چلا جائے۔ لیکن ساتھ ہی جاپان کو بھی اس معاہدہ سے فائدہ پہنچتا تھا۔ روس مشرقِ بعید کے معاملات میں سرگرمی سے حصہ نہیں لے سکتا تھا اور نہ چین کی پوری طرح مدد کرسکتا تھا۔ روس کی توجہ اسطرح ہٹ جانے سے نہ صرف منچکو کی سرحد محفوظ ہوجاتی، بلکہ جاپان کو چین میں

سلہ جاپان کی بحری طاقت کو بڑھتا ہوا دیکھ کر برطانیہ نے پانچ بحری قوتوں، امریکہ، برطانیہ، فرانس، اٹلی اور جاپان کی ایک کانفرنس طلب کی تھی جس میں بڑی طویل گفت و شنید کے بعد جنگی جہازوں کا زیادہ سے زیادہ وزن اور ان پر جو توپیں چڑھائی جاتی ہیں اُنکا قطر معین کیا تھا۔ اس کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ جنگی جہازوں کا وزن ۳۵ ہزار ٹن سے زیادہ نہ ہوگا اور توپوں کا قطر ۱۴ انچ رکھا جائیگا۔ چنانچہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور اٹلی نے تو اس معاہدہ پر ۲۵ مارچ ۱۹۳۶ء کو دستخط کر دیئے لیکن جاپان نے اس معاہدہ پر دستخط کرنے سے انکار کردیا۔ بعد میں جب ان قوتوں کو یہ علم ہوا کہ جاپان ۴۰ ہزار ٹن کے جنگی جہاز تیار کر رہا ہے تو ان چاروں قوتوں نے اپنے معاہدے میں جہازوں کے وزن کو بڑھا کر ۴۵ ہزار ٹن کردیا۔ (مؤلف)

پیشقدمی کرنے میں آسانی ہوجاتی جو جاپان کا اصلی مقصد تھا۔

اور مسولینی نے جو اس معاہدے پر دستخط کئے اسکا مقصد صرف یہ تھا کہ برطانیہ پر اس معاہدے کا اثر ڈال کر بحیرۂ روم اور سوئز میں اٹلی کے لئے مراعات حاصل کرے اور فرانس کو دبا کر بحیرۂ روم کے کچھ جزیرے چھین لے اور افریقہ کی نوآبادیوں میں حصہ بٹالے، غرض یہ مقاصد تھے جن کے ماتحت ان تینوں کا معاہدہ ہوا تھا لیکن یہ مقاصد اب بھی زیر نقاب ہی رکھے گئے، اور ظاہر یہی کیا جاتا رہا کہ ان تینوں قوتوں کا اصلی مقصد کمیونزم کے خلاف ایک متحدہ محاذ تیار کرنا ہے!

باب ۱۴

چین پر حملہ، نو آبادیات کی دھمکی، اور آسٹریا پر قبضہ

جرمن اور جاپان کے معاہدے کا اثر بہت جلد دنیا پر ظاہر ہو گیا۔ ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو اس عذر کے ماتحت کہ چینی سپاہیوں کے ایک دستے نے منچکو کی جاپانی چوکی پر گولیاں چلا دیں، جاپان نے شمالی چین پر حملہ کر دیا، یہ حملہ اسقدر سخت اور منظم تھا کہ صرف ایک ہفتہ کے اندر اندر جاپان نے چین کے دو شمالی صوبوں پر قبضہ کر لیا چینی جب اس غیر متوقع جاپانی حملے کے اثر سے بیدار ہوئے اور انہیں احساس ہو گیا کہ اب کے جاپان اُن سے محض شرائط منوانے نہیں چاہتا بلکہ سارے چین پر اپنا تسلط چاہتا ہے تو قوم پرستوں کے لیڈر مارشل چیانگ کائی شک نے ایک طرف چین کے کمیونسٹوں سے جن سے اُن کی ہمیشہ لڑائی رہتی تھی صلح کر لی اور جاپان کے مقابل چینی قوم پرستوں اور کمیونسٹوں کی متحدہ فوج لا ڈالی اور دوسری طرف ان ممالک سے مدد کے لئے اپیل کی جنکا مفاد چین سے وابستہ تھا، ان ممالک میں سوویٹ روس، برطانیہ، فرانس اور امریکہ شامل تھے۔ اس کے علاوہ چین نے نام نہاد مجلس اقوام سے بھی شکایت کی لیکن مجلس اقوام آج تک کسی لڑائی میں بیچ بچاؤ نہیں کرا سکی تھی چین کی کیا مدد کر لیتی۔ تاہم اس نے جاپان سے جواب مانگا، جاپان نے مجلس اقوام کی اس جسارت ”کو عذر بنا کر مجلس اقوام سے استعفیٰ دیدیا۔

البتہ انفرادی طور پر روس، برطانیہ، فرانس اور امریکہ کی طرف سے چیانگ کائی شیک کو روپے اور اسلحہ سے مدد ملنے لگی اور اس نے پوری جی داری سے جاپان کا مقابلہ شروع کردیا ان ممالک کی امداد چونکہ چین کے مقابلہ میں جاپان کو فوجی مشکلات میں مبتلا کر رہی تھی اس نے اپنے لیڈر جرمنی کے اشارے سے اسکا جواب یہ دیا کہ چین میں ہر جگہ جہاں اسکا قبضہ ہو گیا اس نے فرانسیسی اور برطانیہ باشندوں سے انتہائی ذلت آمیز سلوک کیا اُن کے مفاد کو جان جان کر نقصان پہنچایا اور ان پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کرکے اُنھیں بری طرح دق کرنا شروع کردیا، جاپان کی یہ حرکتیں نہتے فرانسیسیوں اور انگریزوں کے خلاف بعض صورتوں میں اسدرجہ ناقابل برداشت ہوتی گئیں کہ برطانیہ کے لئے صرف یہی چارہ کار باقی رہ گیا تھا کہ وہ جاپان کے خلاف اعلانِ جنگ کردے۔

اور یہی ہٹلر اور مسولینی چاہتے بھی تھے، مشرق بعید کیطرف برطانیہ کی توجہ ہٹا کر وہ یوروپ میں اپنے عزائم کیلئے راستہ صاف کرلینا چاہتے تھے لیکن برطانیہ اُن کی اس چال میں نہیں آیا، اس نے جاپان کی حرکتوں کا جواب کسی اور وقت کے لئے اُٹھا رکھا اور اپنی پوری توجہ یوروپ پر مرتکز رکھی جہاں ہٹلر اور مسولینی نئے فتنے جگانے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہٹلر کا یہ اصول تھا کہ چاہے وہ کسی مسئلہ پر جرمنوں کو مخاطب کرے، کسی نہ کسی پیرایہ میں معاہدۂ ورسائی کی ذلتوں کا ضرور ذکر کرتا، جرمنی کے ان یورپین علاقوں اور نوآبادیات کی ضرور یاد دلاتا جو جنگِ عظیم کے بعد اس سے چھین لی گئی تھیں، اس طرح وہ جرمنوں کی عزتِ قومی کو برابر حرکت میں رکھتا۔ اور اپنے نئے اقدام کے لئے راستہ صاف کرتا جاتا۔

اس کام میں ڈاکٹر گوئبلز اسکے پروپیگنڈے کا وزیر اسکا مددگار رہتا، اس کا کام ہی یہ

تھا کہ نئے نئے انداز سے جرمنوں کو گریٹ اور دول یورپ کو اپنے پروپیگنڈے سے بے چین رکھے چنانچہ اسوقت بھی جبکہ جاپان مشرق بعید میں برطانیہ اور فرانس کے تجارتی مفاد پر ضرب لگا رہا تھا ہٹلر کی پروپیگنڈا مشین جرمنی کے یورپین علاقوں اور جرمن نو آبادیات کے لئے پوری قوت سے حرکت میں آگئی اور عین اسوقت بنٹو مسولینی نے بھی جو برطانیہ کی مخالفت کے علے الرغم حبشہ فتح کر چکا تھا "بحیرۂ روم اور نہر سوئز میں برطانیہ کے مساوی اقتدار کا مطالبہ درمیان میں رکھ کر ایک نئے زاویے سے برطانیہ پر شہ ڈالنی شروع کر دی۔

ڈکٹیٹروں کے اس متفقہ حملے کا برطانیہ پر بہت گہرا اثر پڑا، برطانیہ کا وہ سرمایہ دار گروہ جو ہر قیمت پر یورپ میں امن قائم رکھنے پر تُلا ہوا تھا، حکومتِ برطانیہ میں بھی اپنی اکثریت رکھتا تھا اس نے یہ طے کر لیا کہ ان بگڑے ہوئے ڈکٹیٹروں کو کچھ دے دلا کر منا لینا ہی بہتر ہے، برطانیہ کی اس رائے سے فرانس بھی متفق ہو گیا اور ان دونوں نے متفقہ طور پر ہٹلر اور مسولینی کو علیحدہ علیحدہ منانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر نیوایل چیمبرلین اس (اپیزمنٹ) پالیسی کے مصنف تھے، یہ پالیسی اختیار کرنے کے متعلق ان کا عذر یہ تھا کہ یورپ کے موجودہ "نظام توازن" (Balance of Power) کو توڑنے اور امن عالم میں خلل ڈالنے والے کے خلاف متحدہ بین الاقوامی محاذ تیار کرنے کی ساری تدبیریں ناکام رہی تھیں اور انگلستان اور فرانس یعنی یورپ کی سب سے بڑی جمہوریتیں عالمگیر جنگ شروع کرنے کے لئے تیار نہیں تھیں نہ اُن کے پاس جرمنی اور اٹلی کے مقابلے کے لئے جدید اسلحہ تھے نہ تربیت یافتہ فوجیں تھیں، اور نہ فضائی قوت اُن کی اسقدر مضبوط تھی کہ وہ جرمنی سے ٹکر لے سکیں۔ لیکن مسٹر چیمبرلین کی وزارت میں چند ممبر ایسے بھی تھے جو چیمبرلین کی اس پالیسی کے سخت خلاف تھے۔ وہ اس عذر کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ انگلستان اور فرانس لڑائی کے لئے تیار نہیں ہیں، ان کا

بیان تھا، کوئی ملک لڑائی سے پہلے تیار نہیں ہوتا، لڑائی کے دوران میں تیار ہوا کرتا ہے اس اعتبار سے انگلستان اگر ان ڈکٹیٹروں کے آئندہ اقدامات کا سدِّباب کرنا چاہتا ہے تو اس کے پاس ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ان ڈکٹیٹروں کی اینٹ کا جواب پتھر سے دے اس پالیسی کے علم بردار مسٹر انتھونی ایڈن تھے اور یہ چمبرلین کی کیبنٹ میں وزارتِ خارجہ کے اہم عہدے پر فائز تھے، ان کی وجہ سے مسٹر چمبرلین کو اپنی پالیسی پر عمل کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی اور ان ڈکٹیٹروں نے بھی مسٹر ایڈن کی موجودگی میں برطانیہ سے کسی قسم کی گفت وشنید کرنے سے انکار کر دیا، اس وقت چمبرلین کیبنٹ میں اکثریت مسٹر چمبرلین کے ہم خیالوں کی تھی۔ مسٹر ایڈن اور اُن کے ہم خیال ساتھیوں کو مجبوراً کیبنٹ سے مستعفی ہونا پڑا، مسٹر ایڈن کے استعفیٰ سے ڈکٹیٹروں کی بن آئی یہ ایک کانٹا تھا جو ان کی راہ سے دور ہو گیا۔

چنانچہ مسٹر ایڈن کے جانشین لارڈ ہیلی فیکس نے وزارت خارجہ کا عہدہ سنبھالتے ہی ہٹلر سے اور خود مسٹر چمبرلین نے مسولینی سے گفت وشنید شروع کر دی لیکن ابھی برطانیہ اور ڈکٹیٹروں کے درمیان یہ گفت وشنید کسی نوبت پر نہ پہنچنے پائی تھی کہ ۱۱ر مارچ ۱۹۳۸ء کو ایک عجیب اور سخت حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ ہٹلر نے نہایت خاموشی سے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر آسٹریا پر قبضہ کر لیا۔!

ہٹلر کا مدت سے آسٹریا پر دانت تھا، پہلے اس نے ۱۹۳۳ء میں کوشش کی ڈلفس آسٹریا کا چانسلر اس کے لئے ورنی دشمن ثابت ہوا اس کے بعد ۱۹۳۴ء میں ڈلفس کو قتل کرا کے آسٹریا پر قبضہ کرنا چاہا، اٹلی فوراً بیچ میں کود پڑا اور اسکی فوجیں آسٹریا کی سرحد پر جمع ہو گئیں لیکن اب آسٹریا کو ہٹلر کے چنگل سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

چانسلر شوشنگ کا آسٹریا پر وہ اثر نہیں تھا جو ڈلفس نے حاصل کر لیا تھا، اٹلی حبشہ سے نمٹ چکا تھا لیکن اسپین اور بحیرہ روم میں بری طرح پھنسا ہوا تھا اس کے علاوہ اقتصادی ناکہ بندی کی مخالفت اور حبشہ کی فتح کو تسلیم کر کے ہٹلر نے مسولینی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ روس ابھی تک اپنے اندرونی جھگڑوں میں گھرا ہوا تھا، فرانس میں فاشسٹوں اور کمیونسٹوں میں حکومت کے لئے رسہ کشی ہو رہی تھی اور انگلستان مشرق بعید میں اور بحیرۂ روم میں اٹلی کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کی تدابیر سوچنے میں مصروف تھا اس سے بہتر موقع ہٹلر کو حاصل نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ اس نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور آسٹریا کو جرمنی میں شامل کر لیا۔

آسٹریا کو جرمنی میں شامل کرنے سے پہلے ہٹلر کئی مرتبہ آسٹریا کی آزادی کو برقرار رکھنے کا بھی وعدہ کر چکا تھا۔ ۱۱ر جولائی ۱۹۳۶ء کو ہٹلر نے آسٹریا کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کئے تھے۔ جس میں یہ وعدہ کیا تھا کہ آسٹریا کی آزادی کا احترام کیا جائیگا۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۳۷ء کو اس نے ریشاغ کے آگے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ۱۹۳۶ء میں اس نے آسٹریا سے جو معاہدہ کر لیا ہے وہ اس پر قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہیگا۔ انتہا یہ ہے کہ ۱۲ر فروری ۱۹۳۸ء کو بھی اس نے چانسلر شوشنگ کو یہ یقین دلایا تھا کہ بہر حال آسٹریا کی آزادی برقرار رکھی جائے گی لیکن اس آخری وعدے کو ایک مہینہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ ہٹلر کی فوجیں آسٹریا میں گھس آئیں، چانسلر شوشنگ پہلے مستعفی ہوا اس کے بعد گرفتار کر لیا گیا، آسٹرین فوجوں نے بے لڑے بھڑے ہتھیار ڈالدیئے اور جرمن فوجوں نے تین دن کے اندر اندر سارے آسٹریا پر نہایت سرعت کے ساتھ قبضہ جما لیا۔

آسٹریا پر جرمن قبضہ کی خبر دول یورپ نے سنی لیکن اسطرح کہ کسی کو اس پر ہٹلر سے بازپرس کرنے کی ہمت نہیں پڑی، برطانیہ کی امن پسند حکومت یہ کہہ کر طرح دے گئی کہ آسٹریا

کے لوگ بہر حال جرمن ہی ہیں اُنہیں ہر وقت حق حاصل ہے کہ وہ جرمنی کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اٹلی کو بے شک اس خبر سے رنج پہنچا لیکن مسولینی پہلے ہی " انٹی کمیونسٹ پیکٹ " کے ذریعہ بندھ چکا تھا۔ فرانس کو بھی تشویش ہوئی اس لئے کہ آسٹریا کو ہضم کر کے جرمنی بہت زیادہ طاقتور ہو چکا تھا اور اس کے لئے طاقتور جرمنی سے نمٹنا آسان نہیں رہا تھا، اور روس میں اس واقعہ سے سب سے زیادہ اضطراب پیدا ہو گیا اس لئے کہ طاقتور جرمنی خود بالشویک روس کے لئے خطرناک تھا، علاوہ اس کے آسٹریا کے جرمنی میں شامل ہو جانے کے بعد وسطی یوروپ کی چھوٹی سی جمہوری ریاست " چکوسلاویکیا " جرمنی سے گھر گئی تھی اور اسکی سلامتی بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ چونکہ روس اور فرانس دونوں نے مل کر اس ریاست کو یہ ضمانت دی تھی کہ اس پر اگر کسی حکومت کا حملہ ہوا تو یہ دونوں اس کی مدد کریں گے۔ اسلئے یوروپ میں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ جرمنی نے اگر چکوسلاویکیا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو کہیں روس، فرانس، اور جرمنی میں جنگ نہ چھڑ جائے، کم سے کم روس چکوسلاویکیا کے لئے لڑائی میں کود پڑنے کو تیار معلوم ہوتا تھا چنانچہ اس نے آسٹریا کی فتح کے ساتھ ہی دول یوروپ کی ایک کانفرنس بُلانے کی تجویز پیش کر دی تاکہ ہٹلر کو نئے اقدامات سے روکنے کی متفقہ کوشش کی جا سکے لیکن حکومت برطانیہ نے روس کی یہ تجویز ٹھکرا دی، عذر یہ تھا کہ اس تجویز پر عمل کرنے سے یوروپ کی طاقتیں دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جائیں گی جس سے خواہ مخواہ یوروپ کا امن خطرے میں پڑ جائیگا اور چکوسلاویکیا کی سلامتی کے متعلق جو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اسکو برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چمبرلین نے ۲۴ مارچ ۱۹۳۸ء کو دارالعوام میں یہ اعلان کر کے دور کر دیا کہ وہ فیلڈ مارشل گوئرنگ نے ہر ہٹلر کی طرف سے ۱۱ مارچ کو برلن میں چک وزیروں کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ جرمنی اُن کی آزادی کو برقرار رکھے گا، اور ۱۲ مارچ کو جرمنی کے وزیر خارجہ فان نوزانے بھی چک حکومت کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ جرمنی ۱۹۲۵ء کے ثالثی

معاہدے پر قائم رہیگا اور چکوسلاویکیا کی آزادی پر دست درازی نہ کریگا۔"
برطانیہ کے اس عذر کے بعد روسی وزیر خارجہ لٹو ینیاف کی یہ تجویز کہ ہٹلر کے آئندہ اقدامات کو روکنے کے لئے دول یورپ کی کانفرنس بلائی جائے پیش ہوتے ہی فضا میں تحلیل ہوگئی اور غریب چکوسلاویکیا کو اپنی قسمت پر چھوڑ دیا گیا۔

باب ۱۵

میونک کا سانحہ

چکوسلاویکیا کی ریاست جو ۱۹۱۸ء کے بعد آسٹریا ہنگری کے صوبوں کو علیحدہ کر کے قائم کی گئی تھی اس میں ایک کروڑ چک اور سلویک تھے تقریباً ۳۲ لاکھ جرمن تھے چھ لاکھ ہنگرین تھے اور تقریباً ۸۰ ہزار پولش تھے۔ چک اور سلویک کے ساتھ یہ اقلیتیں ۱۹۱۹ء کے بعد سے ۱۹۳۳ء تک نہایت آرام و اطمینان کے ساتھ بسر کرتی رہیں، لیکن ۱۹۳۳ء میں ہٹلر کے عروج کے بعد سے چکوسلاویکیہ کی جرمن اقلیت میں حرکت پیدا ہوئی اور نازی پروپگنڈے کی بدولت سوڈیٹن لینڈ میں بھی "ہنلن" کی قیادت میں ایک نازی پارٹی بن گئی جس نے سلاویکیا کی جرمن اقلیت کی "جائز شکایتوں" کی نگرانی کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ لیکن جرمن اقلیت کی "جائز شکایتیں" ۱۹۳۸ء تک منظر عام پر نہیں آئیں، البتہ ۱۹۳۸ء میں یکایک سوڈیٹن جرمنوں پر چکوں کی مظالم کی طویل داستانیں فرانسیسی اخباروں میں گشت کرنے لگیں اور برلن کے اخباروں نے چکوسلاویکیا کو دھمکیاں دینی شروع کردیں کہ اگر وہ سوڈیٹن جرمنوں کو مطمئن نہ کریں گے تو جرمن رائش ان جرمنوں کی حفاظت کا خود انتظام کرے گی۔ جرمنی کے اخباروں کی ان دھمکیوں سے روس اور فرانس کو بڑی تشویش ہوئی، لیکن چکوسلاویکیا کی حکومت نے سوڈیٹن جرمنوں کے مسئلہ کو وقت کے وقت یہ کہہ کر سنبھال لیا کہ اگر وہ چکوسلاویکیا کے اندر ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے رہنا پسند کریں گے تو چکوسلاویکیا کی حکومت ان سے گفت و شنید کرنے کو تیار رہے

لیکن قبل اس کے کہ آپس میں گفتگو شروع ہوتی ۲۲ مئی ۱۹۳۸ء کے الکشن کے موقع پر سوڈیٹن جرمنوں نے سرحدی علاقوں میں شورش پیدا کردی، چکوسلاویکیا کی حکومت نے سختی سے اس شورش کو دبایا۔ جرمنی فوجیں جو سرحد پر پڑی ہوئی تھیں اس شورش کو بہانہ بنا کر حرکت میں آجانے کے لئے تیار تھیں لیکن چک بھی غافل نہیں تھے انہوں نے جرمن حملے کو روکنے کی پہلے ہی تیاری کرلی تھی اسلئے جرمنی نے اپنا حملہ ملتوی کردیا۔

الکشن کے بعد چکوسلاویکیا کی حکومت اور سوڈیٹن جرمنوں میں نئے دستور کے سلسلہ میں گفت وشنید شروع ہوگئی، چکوں نے توقع کے خلاف سوڈیٹن جرمنوں کو چکوسلاویکیا کے اندر اپنا آزاد صوبہ قائم کرنے اور سوڈیٹن جرمنوں کے ذریعہ اسکا انتظام کرنے کی اجازت دینے پر آمادگی ظاہر کردی۔ بہ ظاہر چکوسلاویکیا کی حکومت اور سوڈیٹن جرمنوں میں گفت وشنید امید افزا طریقہ پر جاری تھی کہ سرحدی علاقہ میں سوڈیٹن جرمنوں کے ایک ڈپٹی کا کسی چک افسر سے جھگڑا ہو پڑا اور اس افسر نے جرمن ڈپٹی کے ایک تھپڑ رسید کردیا یہی تھپڑ بارود میں چنگاری کا کام دے گیا، سوڈیٹن جرمنوں اور چکوسلاویکیا کی حکومت میں گفت وشنید کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور برلن کے اخباروں نے پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ چکوسلاویکیا کے خلاف پروپیگنڈا شروع کردیا۔

برطانیہ کی حکومت آسٹریا کی طرح چکوسلاویکیا کے معاملہ میں بھی "بالکل غیر جانبدار" تھی اس سارے ہنگامے میں جو جرمنوں کی طرف سے چکوسلاویکیہ کے خلاف برپا تھا، برطانیہ نے عملاً کوئی دلچسپی نہیں لی بلکہ روایت ہے کہ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین نے ۱۰ مئی ۱۹۳۸ء کو ایک لنچ کے موقع پر چکوسلاویکیا کے مسئلہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے یہ کہا تھا۔

"برطانیہ فرانس یا روس اگر چاہیں تب بھی چکوں کی حفاظت کے لئے جنگ نہیں کرسکتے ——— چکوسلاویکیا اپنے موجودہ حدود کے ساتھ باقی

نہیں رہ سکتا، سرحدات کی تجدید مناسب ہے" (ہٹلرس وار صلاتے)

لیکن مسٹر چمبرلین کا یہ بیان انگریز عوام آسانی سے ہضم نہ کر سکے اس بیان سے پہلی مرتبہ انگریزوں کو اپنی حکومت کی کمزور پالیسی کا احساس ہوا اور خود مسٹر چمبرلین کو بھی پہلی مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ برطانیہ کے عوام "اپیزمنٹ پالیسی" میں اُن کے ساتھ نہیں ہیں خصوصاً برطانیہ کی مزدور پارٹی نے مسٹر چمبرلین کی پالیسی کے خلاف سختی سے آواز اُٹھائی اور عوام کی حمایت کی وجہ سے اس آواز میں کافی زور پیدا ہو گیا۔

مسٹر چمبرلین نے مزدور پارٹی کی اس آواز کو دبانے کے لئے صرف یہ کیا کہ اپنے ایک ماہرِ اقتصادیات "لارڈ رنسی مین" کو جو اسی زمانہ میں امریکہ سے گفت وشنید کر کے آئے تھے دریافتِ حال کے لئے چکوسلاویکیا بھیج دیا، لیکن قبل اس کے کہ لارڈ رنسی مین کی رپورٹ پر چمبرلین کی حکومت کو "آرام واطمینان" سے غور کرنے کا موقع ملتا، حالات نے پلٹا کھایا چکوسلاویکیا کی سرحد پر جھگڑا ہوا اپنی حکومت سے سوڈیٹن جرمنوں کی گفت وشنید ٹوٹ گئی۔ اور جرمنی اور چکوسلاویکیا کے تعلقات خراب ہو گئے۔

ستمبر میں ہٹلر اپنی فوجوں کے معائنہ کے موقع پر چکوسلاویکیا کے متعلق ایک تقریر کرنے والا تھا، مسٹر چمبرلین کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو اس تقریر سے یورپ میں آگ لگ جائے اور روس اور فرانس چکوسلاویکیا کی حمایت میں جنگ میں کود پڑیں ع۵ کیونکہ اگر روس اور

ع۵ - روس فرانس اور چکوسلاویکیا کے درمیان ۱۹۳۵ء میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا جو معاہدہ طے ہوا تھا اس کی ترتیب میں روسی وزیر خارجہ ام لٹو نیاف نے بڑی دانائی سے یہ دلچسپ نکتہ رکھا تھا کہ اگر چکوسلاویکیا پر کوئی ملک حملہ آور ہو اور فرانس نے چکوسلاویکیہ کی حمایت میں اعلانِ جنگ کر دیا تو روس بھی چکوسلاویکیا کی مدد کو میدانِ جنگ میں آجائے گا، اس معاہدہ پر دستخط کرتے وقت یہ نکتہ فرانس کے علم میں ہو یا نہ ہو لیکن اس موقع پر جبکہ چکوسلاویکیا جرمنی کی زد میں آچکا تھا، چکوسلاویکیا کی مدد میں پہل کرنے کی (بقیہ صفحہ ۱۰۶ پر)

فرانس کی جرمنی سے ٹھن گئی تو پھر برطانیہ کو بھی جنگ میں شامل ہونا پڑیگا اور برطانیہ ابھی جنگ کے لئے تیار نہیں تھا ۔ !

مسٹر چیمبرلین کے دماغ میں یہ اندیشہ پیدا ہوا ہی تھا کہ انہوں نے خود جرمنی جاکر ہٹلر سے بالمشافہ گفتگو کی ٹھان لی، برطانوی وزیر اعظم کے لئے کسی مسئلہ کو سلجھانے کے سلسلہ میں یہ انوکھا اقدام تھا ! لیکن یورپ کے امن کو بحال رکھنے میں اگر وہ کامیاب ہوجاتے تو انہیں اعزاز بھی انوکھا حاصل ہوتا ۔ اسلئے مسٹر چیمبرلین ہٹلر سے ملنے پہلی مرتبہ "برک ٹس گے ڈن" (Berchtesgaden) گئے، اس کے کچھ ہی دنوں بعد تکمیل گفتگو کے لئے "گارڈز برگ" (Gadesberg) پہنچے اور تیسری مرتبہ انہوں نے فرانسیسی وزیر اعظم "دلادیر" کی معیت میں "میونک" کا سفر کیا اور یہیں وہ سانحہ پیش آیا جو دوسری جنگِ عظیم کا اصلی محرک سمجھا جاتا ہے ۔ !

مسٹر چیمبرلین اور ہٹلر کی ابتدائی دو ملاقاتوں میں چکوسلاوکیا کے متعلق وہ مسائل طے ہوگئے جنہیں بنیاد بنا کر میونک کانفرنس میں گفتگو ہوئی تھی ۔ اس کانفرنس میں برطانیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) ساری ذمہ داری فرانس پر آپڑی تھی اور فرانس اگرچہ جرمنی کو دھمکانے کے لئے یہ برابر اعلان کر رہا تھا کہ اگر چکوسلاوکیا کی آزادی پر ہاتھ ڈالا گیا تو وہ میدان جنگ میں کود پڑیگا لیکن فی الحقیقت فرانس اس کے لئے تیار نہ تھا ، فرانسیسی وزارت میں نہ تو اتحادِ خیال پایا جاتا تھا اور نہ فرانسیسی فوجوں کی تیاری مکمل تھی یہی وجہ تھی کہ اس معاملہ میں خود پہل کرنے اور روس کو اپنے ساتھ لینے کے بجائے فرانس برطانیہ کے پیچھے ہوگیا اور روس کو نظر انداز کرکے ہٹلر سے میونک میں سمجھوتہ کر آیا ۔

(مولف)

اور فرانس ایک طرف تھے اور جرمنی اور اٹلی دوسری طرف اور عجیب بات یہ تھی کہ اس کانفرنس میں نہ روس کو طلب کیا گیا اور نہ خود چکوسلاویکیا کے نمائندے کو شرکت کی دعوت دی گئی حالانکہ یہ چکوسلاویکیا کا اپنا ذاتی معاملہ تھا اور روس کو اس معاملہ سے اتنی ہی دلچسپی تھی جتنی فرانس یا برطانیہ کو ہو سکتی تھی، اصل میں ان دونوں ملکوں کو اس کانفرنس میں شریک کرنے کے متعلق اٹلی اور جرمنی رضامند نہیں تھے اور برطانیہ اور فرانس نے اسوقت یہی مناسب سمجھا کہ ان دونوں ڈکٹیٹروں کو "بے وجہ" بگڑنے کا موقع نہ دیں ۔

بہرحال میونک کانفرنس ان چاروں کے درمیان بہ خیر وخوبی[ع۵] ختم ہو گئی ۔ سوڈیٹن لینڈ کا سارا علاقہ چکوسلاویکیا سے علیحدہ کرکے جرمنی کو دیدیا گیا اور اسکے معاوضہ میں ہٹلر اور مسولینی نے یہ تحریر مسٹر چیمبرلین کے حوالے کردی کہ آئندہ ہر قضیہ کا تصفیہ آپس میں مل بیٹھ کر کیا جائیگا اور کسی اختلاف کو وجہ بنا کر جنگ شروع نہیں کی جائے گی ۔

ع۵ میونک کانفرنس سے ایک دن پہلے تک جرمن ہائی کمانڈ کو تشویش تھی اسلئے کہ برطانوی بحری بیڑہ بحر شمالی میں جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا اور فرانس اور روس برابر اپنے انداز سے یہ ہی ثابت کر رہے تھے کہ وہ چکوسلاویکیہ کی حمایت میں جنگ شروع کردیں گے ، اور جرمن فوجیں ان تینوں کا مقابلہ کرنے کو تیار نہیں تھیں چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ ۲۸ ستمبر کو مارشل گوئرنگ نے ہٹلر سے صاف صاف کہدیا تھا کہ "کانفرنس میں کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ ہمیں جنگ کرنی پڑے ، ہم جنگ کے لئے تیار نہیں ہیں " اسکا جواب ہٹلر نے یہ دیا تھا کہ " مجھے صرف دو دن کی مہلت اور دیدو چیمبرلین اور دلادیر مجھ سے اسقدر متاثر ہو گئے ہیں کہ وہ میری شرائط تسلیم کرلیں گے لیکن اگر مجھے اپنے شرائط منوانے میں ناکامی ہوئی تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گا " ہٹلر کا اندازہ صحیح نکلا چیمبرلین ، اور دلادیر نے ہٹلر کی شرائط مان لیں اور جرمن ہائی کمانڈ فوری جنگ کے خطرے سے بچ گیا ۔ (مولف)

مسٹر چیمبرلین خوش تھے، بالآخر جنگِ عظیم ہمیشہ کے لئے رُک گئی، برطانیہ کا امن پسند گروہ مسرور تھا کہ بالآخر مسٹر چیمبرلین اپنے انتہائی شریفانہ اور اہم مقصد میں کامیاب ہوئے فرانس نے اطمینان کا سانس لیا کہ آئی بلا ٹل گئی، لیکن چیک ملول تھے کہ برطانیہ اور فرانس نے انہیں ہٹلر کے ہاتھ بیچ دیا اور روس سخت ناراض تھا کہ میونک کانفرنس میں اُسے مدعو نہ کر کے یورپ کی جمہوریتوں نے پھر ایک مرتبہ اسکی توہین کی۔

لیکن ابھی یہ مختلف احساسات اچھی طرح نمایاں بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ہٹلر کی فوجیں "پراگ" (چیکوسلاویکیا کے پایۂ تخت) میں داخل ہو گئیں اور سارے چیکوسلاویکیا پر آناً فاناً میں قبضہ کر لیا[1]۔ عذر یہ تھا کہ میونک کانفرنس میں جو نئی سرحدات چیکوسلاویکیا کے لئے طے کی گئی تھیں وہ چیکوں کی قلعہ بند لائن سے پیچھے تھیں اور چیک اپنے قلعہ بند علاقہ سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہتے تھے۔!

واقعہ یہ ہوا کہ ہٹلر نے ۱۴ر مارچ سنہ ۱۹۳۹ء کو چیکوسلاویکیا کے پریسیڈنٹ "ڈاکٹر ہاکا" اور وزیر خارجہ چاکووسکی کو برلن طلب کیا اور رسمی باتوں میں وقت ضائع کئے بغیر ایک کاغذ دستخطوں کے لئے اُن کے آگے رکھ دیا۔ جس میں بوہیمیا اور موراویا کو جرمن رائش کی نگرانی میں دیدینے کی تجویز تھی اور سلاویکیا کے چھوٹے سے حصہ کو آزاد چھوڑ دیا گیا تھا، پریسیڈنٹ ہاکا اس غیر متوقع مطالبہ سے بوکھلا گیا، وہ کچھ عذر کرنا چاہتا ہی تھا کہ ہٹلر نے

---

[1] - چیکوسلاویکیہ سے ہنگری اور پولینڈ کا بھی کچھ مطالبہ تھا، ہٹلر نے ان دونوں کی آواز سے فائدہ اُٹھایا لیکن جب خود چیکوسلاویکیا پر قابض ہو گیا تو پولینڈ کا کوئی مطالبہ اس نے تسلیم نہیں کیا البتہ ہنگری کو "روتھینیا" کا علاقہ اپنی ریاست میں شامل کرنے کی اجازت دے دی۔ (مولف)

فیصلہ کن لہجہ میں کہا کہ جو اس تجویز کی مخالفت کریگا وہ پیروں تلے روند دیا جائیگا، جرمن فوجیں صبح ۹ بجے تک پراگ کو راکھ کا ڈھیر بنا دیں گی ۔"

پریسیڈنٹ نے اب بھی اس کاغذ پر دستخط نہیں کئے ہٹلر بگڑ کر کمرے سے چلا گیا اس کے جانے کے بعد رات بھر ہٹلر کے ساتھی پریسیڈنٹ کو روکے بیٹھے رہے اور طرح طرح سے اسپر دباؤ ڈالتے رہے، ان کی اس زیادتی کے باعث غریب پریسیڈنٹ دو مرتبہ بے ہوش ہو ہو گیا، لیکن ہر مرتبہ جرمن ڈاکٹر جو برابر کے کمرے میں موجود رکھا گیا تھا اُسے ہوش میں لاتا رہا ۔

بالآخر جب پریسیڈنٹ ہاکا کو یقین ہو گیا کہ جرمن فوجیں چکوسلاوکیا میں داخل ہو گئیں اور اگر وہ اس کاغذ پر دستخط نہ کریگا تو صبح کو ہزاروں بے گناہ چکوں کا خون بہہ جائیگا تو اس نے مجبور ہو کر چکوسلاوکیا کے فرمانِ قضا پر دستخط ثبت کر دیئے اور جرمن فوجیں چند ہی دنوں میں سارے چکوسلاوکیا پر قابض ہو گئیں ۔

چکوسلاوکیا کی فتح سے جرمنوں کو اسلحہ اور آلاتِ جنگ بے حساب ملا، اسلحہ ڈھالنے والی دو فیکٹریاں ہاتھ آئیں، دو ہزار اعلیٰ درجے کے ہوائی جہاز حاصل ہوئے اور اس سامانِ جنگ کے علاوہ کئی لاکھ پونڈ کا زرد سونا ان کے ہاتھ لگا جرمن فوجیں جو پہلے جدید آلاتِ جنگ سے پوری طرح مسلح نہیں تھیں چکوسلاوکیا کے ذخیرۂ جنگ سے مسلح بنائی گئیں، چکوسلاوکیا کے کارخانے جرمن ضروریات کے بیزی سے ہتھیار ڈھالنے لگے ۔ اور جرمن فوج ان سب تیاریوں کے بعد ایک اور جنگ عظیم کے لئے بالکل تیار ہو گئی ۔

میونک کے سمجھوتے کی ناکامی کے بعد روس یورپ کے معاملات سے دست بردار ہو گیا، اٹلی اور زیادہ جرمنی کی طرف جھک گیا ۔ برطانیہ اور فرانس میں

فوجی تیاریاں شروع ہو گئیں کیونکہ چکوسلاوکیا پر قبضہ کرنے کے بعد اب ہٹلر کے آئندہ اقدام کے متعلق اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا تھا۔

مسٹر چیمبرلین کی "اپیزمنٹ پالیسی" قطعاً ناکام رہی تھی اور اس ناکامی کے بعد حکومت پر مسٹر چیمبرلین اور ان کے ساتھیوں کی جو گرفت تھی وہ ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی۔ برطانیہ کے عوام اور مزدور پارٹی کے لیڈر جلد سے جلد اور نہایت تیز رفتاری سے جنگی تیاریوں پر مصر تھے۔ چیمبرلین کی حکومت نے عوام کے اس مطالبہ سے متاثر ہو کر آلاتِ جنگ کی تیاری کا ایک طویل پروگرام تو ضرور بنا کر تیار کر لیا لیکن اعتقاد ابھی تک اسے "اپیزمنٹ پالیسی" پر باقی تھا، اس نے ہٹلر کو چھوڑ کر مسولینی کی طرف توجہ کی اور اس کوشش میں مصروف ہو گئی کہ کسی طرح مسولینی کو راضی کر کے ہٹلر سے توڑ لے اور اس طرح ہٹلر کو اکیلا کر کے سب طرف سے گھیرے لیکن مسولینی مسٹر چیمبرلین کے لئے بہت زیادہ سیانا ثابت ہوا وہ ایک طرف برابر مسٹر چیمبرلین کو بہلاتا رہا اور دوسری طرف بحیرۂ روم میں فوجی تیاریاں مکمل کرتا رہا، اسلئے کہ اب ہٹلر کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی اور مسولینی نہیں چاہتا تھا کہ کسی طرح وہ ہٹلر سے پیچھے رہجائے بحیرۂ روم سے اٹلی کو قریبی تعلق تھا اور مسولینی مدت سے اس پر اپنا اقتدار جمانے کے خواب دیکھ رہا تھا اس خواب کی بہترین تعبیر کا اس سے بہتر وقت اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ ادھر ہٹلر چکوسلاوکیا سے فارغ ہو کر میمل کی طرف بڑھا اور لتھونیا کی چھوٹی سی ریاست کو یہ دھمکی دیکر کہ اگر فی الفور میمل جرمنی کے حوالے نہیں کیا گیا تو لتھونیا کا پایۂ تخت بموں سے اڑا دیا جائے گا۔ میمل پر قابض ہو گیا۔ ادھر مسولینی نے اپنی چھوٹی سی ہمسایہ ریاست البانیہ پر بغیر کسی وجہ کے فوج کشی کر دی۔ اور اس کے جائز بادشاہ کو ملک سے نکال کر اس پر اپنا قبضہ کر لیا۔ البانیہ کے بعد مسولینی کا ارادہ یونان کی طرف پیش قدمی کا ہوا اسلئے کہ مدت سے اس کی نظریں سلونیکا پر جمی ہوئی تھیں۔ سلونیکا نہ صرف زرخیز علاقہ

تھا بلکہ اسکی بندرگاہ اٹلی کا زبردست بحری مرکز بن سکتی تھی۔ جس پر قبضہ کرکے مسولینی ایک طرف ترکی کو دھمکا سکتا تھا اور دوسری طرف برطانیہ کے بحری اقتدار کو چیلنج اور بحرِ روم میں چیلنج کر سکتا تھا لیکن مسولینی کی سلونیکا تک پہنچنے کی اسکیم کامیاب نہ ہو سکی اس لئے کہ یونان نے اٹلی کی نیت کو بھانپ کر فوراً فوجی مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور یونانیوں کے پیچھے مسولینی کو برطانیہ کا چہرہ نظر آنے لگا۔ مجبوراً مسولینی کو البانیہ ہی پر قناعت کرنی پڑی اور سلونیکا اور یونان کے خیال سے فی الحال اسے دست بردار ہونا پڑا۔

باب ۱۶

ڈانٹ سک اور کور یڈار کا قبضہ

چکوسلاویکیا اور میمل پر قبضہ کر چکنے کے بعد ہٹلر کے آئندہ ارادوں کا اندازہ لگا لینا مشکل نہ رہا تھا۔ اس لئے کہ میمل پر قبضہ کے ساتھ ہی ہٹلر کی ہوس نے ڈانٹ سک (DANTZIG) اور پولش کوریڈور کے نعرے لگانے شروع کر دئیے تھے، اور دانٹ سک کا آزاد شہر[1] جرمنوں کا مسکن بننے لگا تھا۔

---

[1] ڈانٹ سک بحیرۂ بالٹک کی نہایت قدیم بندرگاہ ہے اور صدیوں سے جرمنوں اور پولوں کے درمیان باعث نزاع بنی ہوئی ہے۔ ۱۹۱۴ء میں یہ بندرگاہ پروشیا کے قبضہ میں تھی جنگ کے خاتمہ کے بعد پیرس کانفرنس نے اسے جرمنوں سے لیکر پولوں کی نگرانی میں دیدیا لیکن ڈانٹ سک شہر کو آزاد قرار دیا اور وہاں کی حکومت وہیں کے باشندوں کو سونپ دی، فوجی قلعہ بندی کی ممانعت کر دی تھی اور دوسرے ممالک سے آزاد تعلقات قائم کرنا ناجائز قرار دیا تھا۔ ڈانٹ سک کی چنگی اور ریلوں پر پولینڈ کی نگرانی رکھی تھی، اور بندرگاہ کے انتظام میں بھی ڈانٹ سک کے باشندوں اور پولینڈ کو برابر کے حقوق دئے گئے۔ جس علاقہ کو جرمن کوریڈور کہتے ہیں، اسکے متعلق بھی جرمنوں اور پولوں کے درمیان نزاع تھی، جرمنوں کا دعویٰ تھا کہ اس علاقہ میں ان کی اکثریت تھی، اور پول دعویدار تھے کہ اس جگہ وہ اکثریت میں ہیں، پیرس کانفرنس نے یہ علاقہ پولینڈ کے حوالے کر دیا تھا اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد (باقی صفحہ ۱۱۳ پر)

اگرچہ ڈانٹ سگ اور کوریڈور کا معاملہ مجلس اقوام کے فیصلے کے بعد خود جرمنی اور پولینڈ کے درمیان ۱۹۳۴ء میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے ایک معاہدے کے ذریعہ طے ہو چکا تھا اور ۲۰ مئی ۱۹۳۵ء کو خود ہٹلر نے اس معاہدے کی تجدید کرتے ہوئے یہ اقرار کیا تھا کہ جرمن آزاد شہر ڈانٹ سگ اور پول حکومت کے حقوق کا احترام کریں گے۔ اس کے بعد ۷ مارچ ۱۹۳۶ء کو اپنی پارٹی کی پالیسی پر روشنی ڈالتے ہوئے اس شہر کے متعلق ہٹلر نے صاف لفظوں میں یقین دلایا تھا کہ اس کی پارٹی اس آزاد شہر کا احترام کریگی۔ اور ۲۰ فروری ۱۹۳۸ء کو اس نے ریشاغ میں تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ حکومت جرمنی اپنے ہمسایہ پولینڈ کے ساتھ جو معاہدہ کر چکی ہے اس کو برقرار رکھے گی، اور آخر میں ۳۰ جنوری ۱۹۳۹ء کو اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم نے ابھی ابھی اپنی ہمسایہ ریاست پولینڈ سے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنیکا جو معاہدہ کیا تھا اس کی پانچویں سالگرہ منائی ہے اور آج بھی ہم دونوں ملکوں کے درمیان کوئی ایسا اختلاف نہیں پایا جاتا جس سے اس معاہدہ کی قیمت کم ہو سکے"۔

لیکن اس آخری اعلان کو پورے دو مہینے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ہٹلر کی طرف سے ڈانٹ سگ اور کوریڈور کا سوال اُٹھایا گیا اور اس کو پروپیگنڈے کے ذریعہ اسقدر پیچیدہ بنا دیا گیا کہ گفت و شنید کے ذریعہ اسکا حل ہو جانا ناممکن ہو گیا۔ یہ صورت سارے یوروپ کے لئے تشویشناک تھی۔ ایک طرف پولش حکومت نے نہایت تیزی سے احتیاطی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیں اور دوسری طرف فرانس اور برطانیہ کی حکومتوں نے جواب ہٹلر کے وعدوں پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں تھیں فوراً ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) پولینڈ نے یہاں کی پول آبادی میں بہت اضافہ کر لیا تھا، اب یہ علاقہ پولینڈ کا ایک باقاعدہ صوبہ تھا۔ (مولف)

اعلان کر دیا جس میں انہوں نے جرمن حملے سے پولینڈ کو بچانے کی ۓ طمانیت پیش کر دی، برطانیہ کی طرف سے یہ اعلان ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء کو ہوا اور اسی دن فرانس نے بھی اس کی تائید میں اعلان کر دیا ؏

البتہ روس نے ان حالات پر اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ چکوسلاویکیا پر جرمن قبضہ کے بعد روس کی خارجہ پالیسی بدلگئی تھی لٹوینوف اپنے عہدے سے علیحدہ کر دیا گیا تھا اور اس کے بجائے روس کا وزیر اعظم موسیو مولوٹاف ہی وزیر خارجہ مقرر ہوا تھا اور اور مولوٹاف نے وزیر خارجہ ہوتے ہی یورپین معاملات میں ہر قسم کی مداخلت بند کر دی تھی۔

برطانیہ اور فرانس کا یہ خیال تھا کہ پولینڈ کو ہٹلر کی دستبرد سے بچانے کے لئے، فرانس اور برطانیہ کی یہ دھمکی کارگر ہو گی اور ہٹلر ایک ذرا سے علاقے کی خاطر ایک اور جنگِ عظیم کی ذمہ داری اپنے سر نہ لیگا۔ لیکن اس اعلان میں ایک اصولی غلطی یہ ہو گئی تھی کہ برطانیہ اور فرانس نے پولینڈ کو بطور خود یہ طمانیت دی تھی، سویٹ روس سے اس کے متعلق ان دونوں حکومتوں نے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا، حالانکہ جنگ کی صورت میں جرمنی کے خلاف برطانیہ اور فرانس پولینڈ کی براہ راست امداد نہیں کر سکتے تھے اگر فوجی مدد پولینڈ کی ہوسکتی تھی تو صرف روس کے ذریعہ ہو سکتی تھی، اس اصولی غلطی کے باعث برطانیہ اور فرانس کا اعلانِ طمانیت بے اثر ہو گیا۔ اور ہٹلر نہ صرف اسی سرگرمی سے پولینڈ کے خلاف اپنے مطالبہ پر اڑا رہا بلکہ اس نے برطانیہ اور فرانس کے

؏ اس اعلان کے کچھ ہی دنوں بعد اپریل ۱۹۳۹ء میں برطانیہ نے جرمن حملے کے خلاف اسی طرح کی طمانیت یونان اور رومانیہ کو بھی دیدی، رومانیہ کی طمانیت سے مشرقی اور یونان کی طمانیت سے جنوبی یوروپ کو بچانا مقصود تھا جہاں اٹلی کے اتحاد سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ (مولف

اعلان کا فوراً یہ جواب دیا کہ ۱۹۲۸ء میں برطانیہ اور جرمنی کے درمیان کیلوگ پیکٹ کی روشنی میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا جو معاہدہ ہوا تھا اسکی شکست کا اعلان کر دیا اور اس کے فوراً ہی بعد اپریل ۱۹۳۹ء میں اس نے اٹلی سے ایک جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ طے کر لیا، جسکی رو سے ہٹلر کی آئندہ سرگرمیوں میں مسولینی بھی برابر کا شریک ہو گیا۔

برطانیہ اور فرانس کے اعلانِ طمانیت کا اثر الٹا ہوا، جنگ بجائے ٹلنے کے اور زیادہ سرعت سے سرپر آ گئی، اس نوبت پر برطانیہ اور فرانس کے پاس اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی تیاریاں کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا تھا۔ مجبوراً ان دونوں ملکوں نے ایک طرف نہایت تیزی سے اپنی فوجی تیاریوں کی تکمیل پر توجہ دی اور دوسری طرف یورپ کے دوسرے ممالک کو اپنے جتھے میں شامل کرنے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی، اسی کے ساتھ انھوں نے پولینڈ سے فوجی بات چیت اور پولینڈ کی امداد کے لئے روس سے گفت وشنید بھی شروع کر دی، لیکن بدقسمتی سے نہ پولینڈ کی فوجی بات چیت کا کوئی مفید نتیجہ نکل سکا اور نہ روس سے گفت وشنید میں کامیابی ہو سکی۔ پولینڈ کی فوجی گفتگو جو بے نتیجہ رہی اُسکی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ پولینڈ کے پاس مدافعت کے لئے سامانِ جنگ کافی نہ تھا اس نے سامانِ جنگ کی خریداری کے لئے برطانیہ سے روپیہ قرض مانگا، برطانیہ اسے روپیہ قرض نہ دے سکا اس کا پولینڈ کی حکومت پر ناگوار اثر ہوا، دوسرے پولینڈ کی فوجوں کا کمانڈر انچیف، نہایت نالائق آدمی تھا اس نے برطانیہ کے جنرل اسٹاف کے مشورہ سے پولینڈ کے مدافعت کی کوئی مناسب اسکیم تیار کرنے کے بجائے خود اپنی سوچی ہوئی اسکیم برطانوی جنرل اسٹاف کے آگے رکھدی اور اس پر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ روس کی فوجی مدد کے امکان پر جب پولینڈ کی حکومت اور برطانیہ کے جنرل اسٹاف کے

سکان پر سب پولینڈ کی حکومت اور برطانیہ کے جنرل اسٹاف میں بات چیت ہوئی تو پولینڈ کی حکومت اس بات کی روادار نہ ہوئی کہ روسی فوجیں پولینڈ کی سرحد میں داخل ہو کر جرمنوں کا مقابلہ کریں چنانچہ اس نوبت پر پولینڈ اور برطانوی جنرل اسٹاف کی گفتگو بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے کے ختم ہو گئی۔

یہی حشر سوویٹ روس اور برطانیہ کی گفت و شنید کا ہوا، برطانیہ اور فرانس کی طرف سے جو مشن گفت و شنید کے لئے ماسکو بھیجا گیا تھا اس سے سوویٹ روس کچھ خوش نہیں ہوا اسلئے کہ اس مشن میں برطانیہ اور فرانس کے بہت معمولی افسر شامل تھے جنہیں اس مسئلہ میں ذمہ داری کے ساتھ سوویٹ حکومت سے گفتگو کرنے کا اختیار حاصل نہ تھا۔ انہیں صرف یہ ہدایت تھی کہ وہ پولینڈ کو اس قسم کی طمانیت کے متعلق سوویٹ روس کی شرائط معلوم کر کے اپنی اپنی حکومتوں کو بھیجدیں، اور لندن اور پیرس سے جو ہدایتیں انھیں بھیجی جائیں ان کی تعمیل کریں۔ چنانچہ اس مشن سے جب ماسکو میں گفت و شنید شروع ہوئی تو اس میں تسلسل قائم نہ رہا، کئی کئی دن کا بیچ میں وقفہ پڑتا رہا اور پھر اس دفعہ کے بعد بھی سوویٹ روس کے شرائط کے متعلق جو رویہ لندن اور پیرس نے اختیار کیا اس سے اس گفت و شنید کا کامیابی کے ساتھ جاری رہنا مشکل ہو گیا۔

جمہوریتوں کے ساتھ سوویٹ روس اپنے فوجی معاہدے کی قیمت میں بحیرۂ بالٹک پر اپنا اثر اور ریاستہائے بالٹک پر اپنا اقتدار تسلیم کرانا چاہتا تھا اور بلقان کو بلا شرکت غیرے اپنے حلقہ اثر میں رکھنے کا خواہشمند تھا، اسی کے ساتھ

وہ جمہوریتوں سے یہ طمانیت بھی چاہتا تھا کہ اگر جرمن اسپریا اسکے زیر اثر کسی ملک پہ حملہ آور ہوا تو فرانس اور برطانیہ دونوں ملکر اس کی مدد کریں ۔ اس کے علاوہ سوویٹ روس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ روسی فوجیں اپنی سرحدوں میں نازی جرمنی کا مقابلہ نہیں کریں گی ۔ بلکہ پولینڈ میں آگے بڑھ کر وہ جرمنوں سے لڑیں گی ۔ اور پولینڈ اس معاملہ میں سوویٹ روس کو ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائے گا ۔

برطانیہ اور فرانس کے نزدیک سوویٹ روس کی یہ شرطیں بہت سخت تھیں جنہیں وہ بجنسہ قبول نہیں کر سکتے تھے لیکن ابھی انہوں نے سوویٹ روس کی شرائط کو رد بھی نہیں کیا تھا ۔ اور ان پر برابر غور و خوض اور گفت و شنید کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ دفعتاً سوویٹ روس کی پالیسی نے پلٹا کھایا ، ان ہی دنوں جرمنی کا بھی ایک اقتصادی مشن سوویٹ روس سے گفت و شنید میں مصروف تھا ۔ یہ مشن روس سے ایک اقتصادی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اس اقتصادی معاہدہ کے دو دن بعد جرمنی کا وزیر خارجہ فان ربن ٹروپ ماسکو پہنچا اور اس سے زیادہ بڑی قیمت جو سوویٹ روس نے برطانیہ اور فرانس سے طلب کی تھی صرف جرمنی اور سوویٹ روس کے درمیان ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے کے عوض پیش کردی ، یہ اتنی بڑی قیمت تھی کہ سوویٹ روس اتحادیوں کے ساتھ جنگ میں شامل ہوکر بھی کبھی حاصل نہیں کرسکتا تھا ، اس نے فوراً نازی جرمنی کے اس "سنہرے ہدیہ" کو قبول کرلیا ۔ برطانوی مشن نے بغیر کسی عذر کے گفت و شنید توڑ دی اور سوویٹ روس نے نازی جرمنی کیساتھ دس سال کے لئے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کردیے ۔

باب ۱۷

روس اور جرمنی کا معاہدہ اور اسکے اثرات

۲۳ اگست سنہ ۱۹۳۹ء کو سویٹ روس اور جرمن رائش کے درمیان حملہ نہ کرنے کے جس معاہدے پر ماسکو میں دستخط ہوئے اسکی دفعات اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں

(۱) دونوں حکومتیں جن کے اس معاہدے پر دستخط ہیں یہ اقرار کرتی ہیں کہ تنہا یا کسی اور حکومت کے ساتھ ملکر ایک دوسرے پر حملہ نہ کرینگی

(۲) اگران دونوں میں سے کسی فریق پر کوئی تیسری قوت حملہ آور ہو تو فریق ثانی اس حملہ آور فریق کی مدد نہ کریگا۔

(۳) آئندہ سے دونوں حکومتیں ایسے مسائل میں جن کا مفاد مشترک ہو آپس میں مشورہ کرتی رہیں گی۔

(۴) اس معاہدے کا کوئی فریق دوسری قوتوں کے کسی ایسے جتھے میں شامل نہ ہوگا جو بالواسطہ یا بلا واسطہ فریق ثانی کے خلاف قائم کیا گیا ہو

(۵) کسی مسئلہ پر اختلاف کی صورت میں دونوں فریق آپس کے مشورے سے اسے دور کریں گے یا اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اس مقصد کے لئے ثالث کمیٹی بنائی جائیگی۔

(۶) یہ معاہدہ دس برس کے لئے ناطق سمجھا جائے گا لیکن اگر اس معینہ مدت سے ایک برس پہلے کسی فریق نے اسے ختم کر دینے کا نوٹس نہ دیا تو یہ

مزید پانچ برس کے لئے نافذ سمجھا جائیگا۔

(۷) فریقین اس معاہدہ کی بغیر کسی تاخیر کے تصدیق کریں گے اور فریقین کی تصدیق کے ساتھ ہی یہ معاہدہ نافذ قرار دیا جائے گا [۱]

بظاہر جرمنی اور سوویٹ روس کے درمیان یہ "نہایت معصومانہ" معاہدہ معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت یہی معاہدہ دوسری جنگ عظیم کی بنیاد ہے قیصر جرمنی کو ۱۹۱۴ء کی جنگ میں محض اسلئے شکست ہوئی تھی کہ جرمن فوجوں کو دو محاذوں پر لڑنا پڑا تھا اور نازی جرمنی پھر اس غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتی تھی اسلئے قرینہ یہ تھا کہ اگر اس موقع پر روس جو سیاسی عقائد کے اعتبار سے ہمیشہ سے نازی جرمنی کا مخالف رہا تھا جرمنی کو اس معاہدے کے ذریعہ مطمئن نہ کرتا تو نہ ہٹلر پولینڈ پر حملے کی جرأت کر سکتا اور نہ دوسری جنگ عظیم کی طرح پڑتی۔ لیکن سوویٹ روس اور جرمن رائش میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدہ پر دستخط ہونے کے بعد ہٹلر کو دوسرے محاذ پر مقابلہ کا خطرہ جاتا رہا اور اس خطرے کے دور ہونے کے ساتھ ہی اس کے خیال میں اپنی کامیابی کا قرینہ بھی بڑھ گیا جس سے وہ دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔

جرمنی اور روس کے اس معاہدے کا ہٹلر کے ان ساتھیوں پر جنہیں اس نے

---

[۱] یہ معاہدہ تو ظاہرہ تھا اسکے علاوہ ایک خفیہ معاہدہ بھی جرمنی اور روس میں ہوا تھا جس میں پولینڈ کا نصف حصہ روس کو دیا گیا تھا اور فنلینڈ ریاستہائے بالٹک، ریاستہائے بلقان وسطی ایشیا اور مشرق بعید میں روسی اثر کے احترام کی ضمانت کی گئی تھی چنانچہ بعد کے حالات سے اس خفیہ معاہدہ کا پوری طرح ثبوت ملگیا۔ (مولف)

"انٹی کمونٹرن پیکٹ" کے رشتہ میں منسلک کر رکھا تھا یہ اثر پڑا کہ جاپان نے فوراً جرمنی کا ساتھ چھوڑ دیا، بیرن ہرانوما کی حکومت جو جرمنوں کی طرفدار تھی اور جس نے جرمن اشاروں پر مشرق بعید میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا، مستعفی ہو گئی اور اس کے بجائے "تو بویوکی ایبے" کی قدامت پسند حکومت برسر اقتدار آگئی اور حکومت کے اس ادل بدل کیساتھ مشرق بعید میں جاپان کی پالیسی میں یک لخت تبدیلی ہو گئی، انگریزوں اور فرانسیسیوں پر سے ہر قسم کی پابندی اٹھالی گئی اور ان قوموں سے جاپان پھر دوستانہ تعلقات بڑھانے لگا۔

اسپین پر، جو ابھی خانہ جنگی سے فارغ ہوا تھا یہ ہوا کہ جنرل فرینکو نے اس عذر کو درمیان میں رکھ کر کہ جرمنی نے ان کمیونسٹوں سے معاہدہ کر لیا ہے جن سے وہ ابھی اسپین میں مقابلہ کرتا رہا تھا اس معاہدے کے آئندہ نتائج سے بے تعلقی کا اعلان کر دیا، اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا اور فرانس کو یہ اطمینان دلا دیا کہ اسپین روس اور جرمنی کے معاہدہ میں اپنے آپ کو شریک نہ کریگا۔

البتہ مسولینی نے ابتداً روس اور جرمنی کے اس معاہدہ کا سرگرمی سے خیر مقدم کیا، لیکن یہ دیکھ کر کہ اٹلی کا شاہی خاندان اٹلی کو جرمنی کے ساتھ نتھی کرنے کا روادار نہیں ہے اور پاپائے روم جسکا اٹلی میں کافی اثر ہے روسی عقیدے کا مخالف ہے اور خود اطالوی عوام اس معاہدے سے متاثر نہ ہو سکے اور ان سب پر مستزاد یہ کہ برطانیہ اور فرانس اور زیادہ شدت سے جرمنی اور روس دونوں کے خلاف تیاریوں میں مصروف ہیں تو مسولینی پر اوس پڑ گئی اور اس نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔

برطانیہ اور فرانس پر بھی ابتداً روس اور جرمنی کے معاہدے کا بُرا اثر پڑا لیکن

برطانیہ کا عزم فوراً اس اثر پر غالب آگیا اور بجائے اس کے کہ اس معاہدہ سے ڈر کر وہ پولینڈ پر سے اپنا ہاتھ اٹھا لیتے جیسی کہ جرمن اور روس کو توقع تھی انہوں نے اعلان کر دیا کہ اس معاہدہ کے بعد بھی وہ پولینڈ کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں گے اور ساتھ ہی انہوں نے اٹلی کو جرمنی سے توڑنے اور ترکی کو اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

بلقان میں صرف بلغاریہ ہی ایک ایسی ریاست تھی جس نے روس جرمن معاہدہ کا خیر مقدم کیا اس کے نزدیک اس معاہدہ کے باعث اسکا قدیم علاقہ "دہروجا" رومانیہ سے واپس لینے کا اسے موقع مل سکتا تھا۔

بالٹک کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں، اسٹھونیا، لتھونیا اور لٹویا کو اس معاہدہ کے بعد اپنی اپنی فکر پڑ گئی تھی، بالٹک کے کنارے کی ان ریاستوں پر جرمن اثر غالب تھا، جرمن سرمایہ یہاں کام کر رہا تھا اور صنعت وحرفت بھی یہاں کی جرمنوں کے ہاتھ میں تھی روس اور جرمن معاہدے کے معنی یہ تھے کہ جرمن ان ریاستوں پر سے اپنا اثر ہٹالے اور روس کو ان علاقوں پر اپنا اثر قائم کرنے میں مدد دے۔

لیکن حیرت یہ ہے کہ پولینڈ جو غریب سب سے پہلے اس معاہدہ کا شکار بننے والا تھا اپنی روایتی حوصلہ مندی کا ثبوت دے رہا تھا جرمن روسی معاہدے کا بظاہر اسپر کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا وہ پوری مستعدی سے اپنے بچاؤ کی تیاریوں میں مصروف تھا البتہ پولینڈ کے بہادروں کو لیڈر اچھے نہیں ملے تھے یہی ان میں کمزوری تھی جو اپنے بچاؤ کے انتظامات کے ساتھ ساتھ برابر ظاہر ہوتی جا رہی تھی۔

خود جرمنی میں اس معاہدے کا شدید رد عمل ہوا جب سے نالتی ازم برسر اقتدار آیا تھا سوویٹ روس کی مخالفت کو اس نے اپنے "ایمان" کا ایک جزو بنالیا تھا

لیکن اس موقع پر نازی جرمنی کی "بنیادی" پالیسی نے جس حیرت انگیز طریقہ پر پلٹا کھایا اس نے خود نازیوں کی ذہنیتوں پر بہت بڑا اثر ڈالا اور ان میں پھوٹ کے آثار نظر آنے لگے۔

اسی طرح روس میں بھی اس معاہدہ کا ردِ عمل ہوا وہ کمیونسٹ جنہیں برسوں یہ تلقین کی جاتی رہی تھی کہ ان کا سب سے بڑا دشمن نازی جرمنی ہے۔ جب اس کی تباہی کا قرینہ پیدا ہوا تو اس سب سے بڑے دشمن سے مصالحت کر لینے کی "مصلحت" ان کی سمجھ میں نہ آئی۔!

کمیونسٹوں اور نازیوں کے سیاسی عقائد ہی میں اختلاف نہ تھا بلکہ ان دونوں ریاستوں کے "مطمح نظر" میں بھی تضاد پایا جاتا تھا نازی اپنی سلطنت قائم کرنی چاہتے تھے اور اس مقصد کے لئے ملک گیری ان کا مطمح نظر تھا۔ لیکن کمیونسٹوں کا مطمح نظر تو یہ تھا کہ نہ اپنی ایک انچہ زمین وہ کسی کو دیں گے اور نہ ایک انچہ زمین کسی کی لیں گے۔ نازی آرین اور غیر آرین میں فرق کرتے تھے، کمیونسٹ بین الاقوامیت کے قائل تھے، نازی دوسری قوموں کو غلام بنا لینا چاہتے تھے۔ کمیونسٹوں کا مطمح نظر غلاموں کو آزاد کرانا تھا۔!

اسقدر متضاد سیاسی عقائد اور اس قدر مختلف مطمح نظر کے باوجود سویٹ روس اور جرمن رائش میں کسطرح سمجھوتہ ہو سکا؟ یہ سوال تھا جس نے کمیونسٹوں کی صف میں رخنہ ڈالدیا اور وہ اپنی حکومت کی دانائی اور اصول پرستی کے کچھ زیادہ قائل نہیں رہے۔

آخر یہ معمہ کیا تھا؟

نازی اور کمیونسٹ عقائد میں اس تضاد کے قطع نظر جس نے مدت سے ان دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل صف آرا رکھا تھا، چین پر جاپان کے حملے کے بعد سے سوویٹ روس ہمیشہ کمزوروں کی حمایت اور جرمنی اور جاپان اور اٹلی کے جارحانہ اقدامات کی مخالفت کرتا رہا اور یہ مخالفت اس نے اس وقت تک جاری رکھی جب تک برطانیہ اور فرانس ڈکٹیٹروں کو راضی رکھنے کی پالیسی پر عامل رہے لیکن جیسے ہی برطانیہ اور فرانس نے "اپیزمنٹ" پالیسی کو ترک کر دیا اور ہٹلر کے جارحانہ اقدامات کو جو اب یورپ کے امن کے لئے خطرناک ہوتے جارہے تھے ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کی خاطر جنگ پر آمادگی ظاہر کی، سوویٹ روس کی "بنیادی" حکمت عملی میں یک لخت تبدیلی واقع ہو گئی اور دفعتاً اسے کمزور کے بجائے طاقتور سے اور مظلوم کے بجائے ظالم سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔!

سوویٹ روس کی حکمت عملی میں اسقدر زبردست انقلاب کیوں ہوا؟ ایسے کیا حالات پیدا ہو گئے جو سوویٹ روس اپنے جانی دشمن کو گلے لگانے پر مجبور ہو گیا؟

یقیناً سوویٹ روس کو یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا تھا کہ جرمن پولینڈ فتح کر کے سوویٹ روس پر چڑھائی کر دے گا اسلئے کہ برطانیہ اور فرانس کے اس اعلان سے

بعد کہ اگر جرمنی پولینڈ پر حملہ کریگا تو برطانیہ اور فرانس متحدہ طور پر اس سے جنگ کریں گے، ہٹلر اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا تھا کہ سویٹ روس سے اٹک کر دو محاذوں کی جنگ کی مصیبت اپنے سر لیتا، خصوصاً ایسی حالت میں کہ جنگ میں اس کے جیتنے کا قرینہ کیا اسی وقت پیدا ہو سکتا تھا جب وہ ایک محاذ پر لڑتا تا!

رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے برطانیہ اور فرانس جرمنی کو محض دھمکا رہے ہوں اس سے لڑنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں اس نوبت پر اسلئے صحیح نہیں تھا کہ اس شبہ کے بعد کہ فرانس اور برطانیہ اُسے محض دھونس دے رہے ہیں اس سے لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے، ہٹلر کو سرے سے سویٹ روس سے کسی معاہدہ کی درخواست کرنے ہی کی ضرورت نہیں تھی جس طرح وہ اس سے پہلے بغیر کسی جھجک کے رائین لینڈ، آسٹریا اور چکوسلاویکیا میں اپنی فوجیں بھیج چکا تھا اسی طرح پولینڈ کو چپ چاپ فتح کر لیتا اور سویٹ روس کی اس ٹٹی کو بدستور باقی رکھتا جس کی آڑ میں وہ اب تک شکار کھیلتا رہا تھا!

علاوہ اس کے اگر فی الحقیقت برطانیہ اور فرانس ہٹلر سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوتے بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا کہ ہٹلر کی توجہ مغرب کے بجائے مشرق کی طرف پھر جائے تو انہیں پولینڈ کو کسی قسم کی طمانیت دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی، پولینڈ کو فتح کرنے کے بعد جب ہٹلر مغرب میں "امن وچین" پاتا تو قدرتی طور پر اس کی نظریں سویٹ روس کی طرف اُٹھ جاتیں، اور ایسی صورت میں جب کہ برطانیہ اور فرانس کی ہمدردیاں بھی اس کے ساتھ ہوتیں روس کو اس کے حملے سے کون بچا سکتا تھا!

اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ سویٹ روس نے جرمنی سے یہ معاہدہ صرف اپنے بچاؤ کے لئے نہیں کیا تھا اور نہ اس معاہدے کے وقت صرف اپنے بچاؤ کا مسئلہ سویٹ روس کے پیش نظر تھا اسلئے کہ سویٹ روس کو اگر اس موقع پر صرف

اپنی مغربی سرحدات کی حفاظت ہی کا خیال ہوتا تو وہ بجائے جرمنی کے برطانیہ اور فرانس سے سمجھوتہ کر لیتا کیونکہ پولینڈ اور رومانیہ کی حفاظت کا وعدہ کر کے برطانیہ اور فرانس نے خود ہی بالواسطہ روس کی مغربی سرحدات کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی تھی اور روس ان کے ساتھ اپنی شمولیت سے اس محاذ کو اور زیادہ مضبوط بنا سکتا تھا۔

بہرحال اس معاہدے کے متعلق یہ ثابت ہو گیا کہ یہ صرف اپنی حفاظت کے لئے نہیں تھا بلکہ اس سے اپنی حفاظت کے علاوہ کچھ اور مقصد سوویٹ روس کے پیش نظر تھا اور یہ مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ برطانیہ اور فرانس کا ہوا دکھا کر جرمنی سے اپنی غیر جانبداری کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کی جائے، کیونکہ جس زمانہ میں سوویٹ روس سے برطانیہ اور فرانس کی گفت وشنید ہو رہی تھی اسی زمانہ میں سوویٹ روس اور جرمنی کے نمائندوں میں بھی اس معاہدے کے متعلق گفتگو جاری تھی لیکن فرق یہ تھا کہ فرانس اور برطانیہ سے سوویٹ روس کی گفتگو علانیہ ہو رہی تھی اور جرمن نمائندوں سے بالکل خفیہ طریقہ پر کی جا رہی تھی چنانچہ اس گفتگو کے دوران میں جب ایک مرتبہ برلن سے یہ آواز اٹھی کہ جرمنی اور سوویٹ روس کے درمیان بہت جلد ایک اہم معاہدہ طے پانے والا ہے تو سوویٹ روس نے اس افواہ کی فوراً تردید کر دی تاکہ برطانیہ کو اس کے متعلق کوئی شبہ نہ ہو جائے اور کہیں بنا بنایا کھیل نہ بگڑ جائے۔ ظاہر ہے کہ محض ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدہ میں کوئی ایسی بات ۔۔ ۔۔ نہیں تھی کہ سوویٹ روس کو اسے برطانیہ سے چھپانے کی ضرورت ہوتی بلکہ اہمیت اس معاہدے کی ان شرائط کو حاصل تھی ۔۔ جنہیں وہ طے ہونے تک برطانیہ سے چھپانا چاہتا تھا، لیکن ساتھ ہی برطانیہ سے جو گفت وشنید

ہو رہی تھی وہ اسے الم نشرح کر دیا کرتا تھا تاکہ جرمنی پر اسکا خاطر خواہ اثر پڑے اور جلد سے جلد اس سے معاملہ طے ہو جائے چنانچہ سوویٹ روس اپنی اس چال میں کامیاب رہا۔ برطانیہ اور فرانس سوویٹ روس کی پیش کردہ شرائط پر غور ہی کرتے رہے اور جرمنی نے اس گفتگو سے گھبرا کر کچھ اضافہ کے ساتھ ان شرائط کو منظور کر کے یہ گفت و شنید کا قصہ ہی ختم کر دیا۔ ؎۱

اصل میں انگلستان اور فرانس کو یہ مغالطہ تھا کہ نازسی جرمنی اور سوویٹ روس کے سیاسی عقائد میں اس درجہ تضاد ہے کہ اصولاً یہ "ضدین" بہ حالات موجودہ بھی ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں گے اس غلط فہمی کا یہ نتیجہ تھا کہ گفتگوئے مصالحت میں جرمن پیشقدمی کی اطلاع کے باوجود انگلستان اور فرانس اس دھوکے میں مبتلا رہے کہ روس اس

؎۱ اس سے پہلے بھی سوویٹ روس نے اسی قسم کی حرکت کی تھی، مارچ ۱۹۲۱ء میں سوویٹ روس اور جرمنی کے درمیان ایک تجارتی معاہدے کے لئے گفت و شنید شروع ہوئی، اس گفت و شنید کے دوران ہی میں سوویٹ نمائندوں نے مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم برطانیہ سے جنیوا (اٹلی) کے مقام پر جہاں وہ "بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس" میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے خفیہ طور پر گفتگو شروع کر دی اس توقع میں کہ شاید برطانیہ ان سے اچھے شرائط پر معاملہ کرے اور جرمنی سے گفتگو روک دی لیکن جب برطانیہ کا وزیر اعظم معاملہ میں جرمنوں سے زیادہ سخت ثابت ہوا تو سوویٹ روس پھر جرمنی کی طرف متوجہ ہوا اور خلاف توقع انہیں پچھلی شرائط پر جو جرمنوں نے سوویٹ کے آگے پیش کی تھیں۔ نومبر ۱۹۲۱ء کو ایک تجارتی اور دوستانہ معاہدے پر دستخط کر دئے یہ معاہدہ تاریخ میں "معاہدۂ ریپالو" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(مولّف)

"مقصد مشترک" کی خاطر یورپ کے جمہوریت پسندوں کی طرف جھکنے پر مجبور ہے اور اُسے نازیوں کے خلاف جمہوریت پسندوں کی پیش کردہ شرائط پر جنگ میں لایا جا سکتا ہے۔

سوویٹ روس اور نازی جرمنی کے سیاسی تعلقات کی متعلق انگلستان اور فرانس کو یہ مغالطہ بے وجہ نہیں تھا نازی تحریک کی بنیاد ہی سوشلسٹ طرز حکومت کی مخالفت پر تھی اور جب سے نازی جرمنی میں برسر اقتدار آئے تھے سوویٹ روس کے خلاف خفیہ اور علانیہ سازشوں کا جال بچھانے میں مصروف تھے اور خود سوویٹ روس نازیوں کی ان سازشوں سے مقابلہ کے لئے اندرونی اصلاح اور حربی اہتمام میں لگا ہوا تھا۔

مختصر یہ کہ سوویٹ روس کے لئے یورپ میں سب سے بڑا خطرہ نازی جرمنی تھا جس نے مدت سے روس کو بیکل بنا رکھا تھا اور اس خطرے کو دور کرنا سوویٹ روس کے وجود کی ضمانت کے لئے ازبس ضروری ہو گیا تھا اور در اصل یہی وہ بے نقاب حقیقت تھی جو برطانیہ اور فرانس کے اس یقین کی وجہ بن گئی تھی کہ سوویٹ روس اپنے سب سے بڑے دشمن کو پامال کر دینے کے اس موقع کو ہاتھ سے نہ دیگا اور بغیر کسی حیل حجت کے جمہوریت پسندوں کے ساتھ شامل ہو جائے گا۔

بادی النظر میں جمہوریت پسندوں کا یہ خیال غلط نہیں کہا جا سکتا اس خطرے کے مقابلہ میں جو نازی جرمنی کی طرف سے سوویٹ روس کو لاحق تھا، روس کا اس موقع سے فائدہ اٹھانے پر مجبور ہو جانا بالکل قدرتی امر ہو سکتا تھا لیکن اسٹالن اس کھلے ہوئے نتیجہ سے گریز کر گیا، جمہوریتوں سے درمیان ہی میں گفتگو توڑ دی اور اپنے سیاسی حریف اور دشمن نازی جرمنی سے نیا رشتہ جوڑ لیا۔

اس معاملہ میں اسٹالن کا زاویہ نظر بہت دلچسپ ہے، وہ نازی جرمنی کو بیشک

اپنا دشمن سمجھتا ہے لیکن جمہوریتوں کو بھی وہ اپنا دوست نہیں سمجھتا، نازی خطرہ ہر وقت اس کے دل و دماغ پر مستولی رہتا ہے لیکن مطمئن وہ جمہوریتوں کی حکمتِ عملی سے بھی نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اگر نازی روس کو اپنی فوجی طاقت سے کچلنا چاہتے ہیں تو جمہوریتیں اپنی "سیاسی تدبیروں" سے روس کے سوشلسٹ طرزِ حکومت کے درپے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ نازی اور جمہوریتیں دونوں سوشلسٹ طرزِ حکومت کی مخالف ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی سویٹ روس کا صحیح معنوں میں دوست نہیں ہو سکتا۔

اس وقت اتفاق سے یہ دونوں یوروپ میں سیاسی اور اقتصادی اثر واقتدار کے لئے ایک دوسرے سے دست وگریبان ہیں فتح ان میں سے چاہے کسی کی ہو سویٹ روس کو اس فتح سے براہ راست کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا، اس اعتبار سے اس لڑائی میں کسی خاص فریق کی طرف سے حصہ لینے کے یہ معنی ہوتے کہ سویٹ روس اپنے ایک دشمن کے مقابلہ میں دوسرے کو ترجیح دے اور اُسے تقویت پہنچائے۔

اسٹالن اپنے کسی دشمن کو اس لوبت پر ترجیح نہیں دینا چاہتا تھا لیکن وہ اس سنہرے موقع کو بھی ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہیں تھا جو اسکے دونوں دشمنوں کے آپس میں گتھ جاتے کے باعث اُسے حاصل ہو گیا تھا۔

سوئٹ روس کے استحکام اور مستقبل میں نازی یا جمہوریتوں کے امکانی حملوں سے روسی سرحدات کی حفاظت کا مسئلہ مدت سے اُس کے پیش نظر تھا اور اس اہم مقصد کو حاصل کرنے کا اس سے بہتر وقت کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ اسٹالن نے فریقین کے آگے بے تکلف اپنی "قیمت" کا اعلان کر دیا

برطانیہ اور فرانس اس کو سن کر جھجکے جرمنی فی الفور "یہ قیمت" ادا کرنے پر تیار ہو گیا

اسٹالن اپنے اندازے میں کامیاب رہا اس کی ایک ہی چال میں نازی جرمنی اور یورپ کی جمہوریتوں دونوں کو شکست ہوئی اور آئندہ جنگ میں بے لڑے بھڑے زیادہ سے زیادہ مالِ غنیمت سویٹ روس کے حصّہ میں آنے کی مکمل ضمانت ہوگئی۔

نازی جرمنی سے فی الفور مصالحت کرلینے میں روس کا فائدہ ہی فائدہ تھا، اور فرانس اور برطانیہ سے سمجھوتہ کرنے میں نقصان کا اندیشہ زیادہ تھا اور کسی خاص فائدے کی توقع کم تھی اسلئے کہ برطانیہ اور فرانس جنگ میں سویٹ روس سے مدد چاہتے تھے اور جرمنی صرف یہ چاہتا تھا کہ روس اس کو خام اشیاء سے مدد دیتا رہے اور لڑائی کے معاملہ میں بالکل غیر جانبدار ہو جائے۔ اور سویٹ روس کی اس غیر جانبداری کے عوض جرمنی بحیرۂ بالٹک کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں روس کا اثر تسلیم کرنے کو تیار تھا فن لینڈ، پولینڈ اور یوکرین کا وہ حصّہ جو "برسٹ لٹووسک" کے معاہدے کی رُو سے مارچ ۱۹۱۸ء میں روس سے چھین لیا گیا تھا سویٹ کو واپس دینے پر آمادہ تھا۔

جنوب مشرق میں ایران افغانستان تک روس کا اثر مان لینے کو تیار تھا۔ بلقان میں روس کے بڑھتے ہوئے اثر کی ضمانت کرلی تھی اور ساتھ ہی روس اور جاپان میں عارضی مصالحت کرا دینے کی بھی حامی بھر لی تھی۔

محض غیر جانب داری کی اتنی بڑی قیمت اسٹالن کس طرح چھوڑ سکتا تھا؟ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ برطانیہ اور فرانس سویٹ روس کو اپنے ساتھ جنگ میں شامل کرنے کے بعد بھی اسے اس سے آدھی قیمت بھی دینے کو تیار نہیں تھے!

رہا اصول کا سوال، کمیونسٹوں کے اطمینان کے لئے یہ عذر اسٹالن کے پاس موجود تھا کہ اس نے جرمن کے ساتھ شریک ہوکر جمہوریتوں سے

جنگ کرنے کا معاہدہ نہیں کیا ہے بلکہ ان دونوں سرمایہ دار ملکوں کی کشمکش سے "علیحدہ رہنے" کی قیمت وصول کی ہے

اور موقع ملنے پر سرمایہ دار ملکوں پر اس طرح کی ضرب لگانا کمیونزم کا بنیادی عقیدہ ہے۔!

باب ۱۹

اتمامِ حجّت

سویٹ روس اور نازی جرمنی کے معاہدے کے بعد نازی پریس پوری شدت اور قوت کے ساتھ حرکت میں آگیا روزانہ نئے نئے انداز سے نازیوں پر پولوں کے مظالم کی داستانیں گھڑی جانے لگیں اور طرح طرح سے پولوں کو اپنے "مظالم" کے عواقب اور نتائج سے ڈرایا جانے لگا۔

یہ نازیوں کی پرانی چال تھی وہ چڑھائی کرنے سے پہلے ہمیشہ اپنے شکار کو پروپگینڈے کے زور سے ادھ موا کر دیا کرتے تھے، آسٹریا اور چیکوسلاویکیا کے ساتھ بھی انہوں نے یہی کیا تھا اور پولینڈ کے خلاف بھی وہ اپنے اسی حربے سے کام لے رہے تھے ظاہر ہے کہ اس نوبت پر جرمنی اور برطانیہ کے درمیان پولینڈ کے معاملہ میں کسی قسم کی مصالحت کا امکان نہیں ہوسکتا تھا لیکن برطانیہ اب بھی مایوس نہیں تھا اس کی کوشش اب بھی یہی تھی کہ جرمنی اور پولینڈ کے اختلافات جنگ کے بجائے گفت وشنید ہی سے طے کرا دیئے جائیں۔

لیکن ہٹلر اب "گفت وشنید" کے لئے تیار نہیں تھا وہ پولینڈ کو اب صرف اس صورت میں بخش سکتا تھا کہ پولینڈ اس کے "مجوزہ شرائط" پر بے حیل و حجت دستخط کر دے اور اپنے آپ کو نازی جرمن کے حوالے کر دے چنانچہ برطانیہ کے اصرار پر ہٹلر نے یہ تجویز پیش کی کہ پولینڈ کا وزیر خارجہ کرنل بک خود برلن آئے اور ہٹلر کے مجوزہ شرائط پر دستخط

کر جائے لیکن یہ توہین آمیز تجویز نہ پولینڈ منظور کر سکتا تھا اور نہ برطانیہ اُسے منظور کرنے کا مشورہ دے سکتا تھا۔ جب ہٹلر کی یہ تجویز رد کر دی گئی تو اس نے اس ناکامی کا الزام بھی برطانیہ پر لگایا کہ پولینڈ نے اس تجویز کو محض برطانیہ ہی کے بل پر ٹھکرا دیا، ورنہ وہ آسانی سے ہٹلر کی شرطیں منظور کر کے جنگ سے اپنے آپ کو بچا سکتا تھا۔

پولینڈ نے ہٹلر کی تجویز کو رد کرتے ہوئے اپنی طرف سے جو تجویز پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ اختلافی مسائل ایک ثالثی بورڈ کے سپرد کر دئے جائیں اور یہ بورڈ جو فیصلہ کرے پولینڈ اور جرمنی دونوں اس کو تسلیم کر لیں۔ پولینڈ کی تجویز یقیناً معقول تھی لیکن ہٹلر اس نوبت پر جبکہ پولینڈ پر حملے کی ساری تیاریاں مکمل کر چکا تھا ایسی معقول تجاویز پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، اس کی فوجیں پولینڈ میں داخل ہونے سے صرف اس طرح رد کی جا سکتی تھیں کہ پولینڈ بلا کسی شرط کے خود بخود اپنے آپ کو نازیوں کے حوالے کر دے اور یہ پولینڈ کر نہیں سکتا تھا۔

بہرحال اسی معاہدے کے بعد کامل ایک ہفتہ جرمنی اور پولینڈ کے درمیان یہی کشمکش رہی اور برطانیہ اس دوران میں برابر اپنے سفیر سر نوریل ہنڈرسن کے ذریعہ ہٹلر کو متنبہ کرتا رہا کہ اگر اس نے گفت و شنید کے بجائے پولینڈ پر حملہ کرنا پسند کیا تو برطانیہ اور فرانس قطعی طور پر اپنی ذمہ داریاں پوری کریں گے اور جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے۔ یہ اطلاع سر نوریل ہنڈرسن نے اس ایک ہفتہ میں اتنی مرتبہ خود ہٹلر کو بالمشافہ دی تھی اور مسٹر چیمبرلین اور لارڈ ہیلی فیکس نے سرکاری اعلانات کے ذریعہ اس تک پہنچائی تھی کہ اسے برطانیہ اور فرانس کے ارادوں کے متعلق ہرگز کوئی شبہ نہیں رہا تھا لیکن ہٹلر اس مرتبہ فی الواقعی جنگ کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے برطانیہ کے اس مشورے کی کوئی پرواہ نہیں کی اور بڑے پیمانہ پر اپنی فوجی

تیاریاں جاری رکھیں ؎۱

۳۱ اگست ۱۹۳۹ء کو دنیا کے دکھانے کے لئے ہٹلر نے ایک نئی چال چلی (۱۶) دفعات پر مشتمل ایک معاہدے کا مسودہ بطور اتمام حجت براڈ کاسٹ کر دیا اور اس مسودہ کی ایک کاپی اس ہدایت کے ساتھ پولینڈ کے سفیر متعینہ برلن کے حوالے کر دی کہ آج رات کے بارہ بجے تک پولینڈ اس مسودے پر اپنی رضامندی کا اظہار کرے اختصار کے ساتھ وہ ۱۶ دفعات یہ تھیں ۔

(۱) ڈانٹ سک کا آزاد شہر فوراً جرمنی میں شامل کر دیا جائے ۔

(۲) کوریڈور کا فیصلہ استصواب رائے عامہ پر رکھا جائے ۔

(۳) ۱۹۱۸ء سے جو جرمن اس علاقے میں رہتے ہیں پولوں کے ساتھ اس علاقے کے لئے رائے دیں اگر یہ رائیں جرمنی کے حق میں ہوں تو فوراً یہ علاقہ جرمنی میں شامل کر دیا جائے ۔ اس اطمینان کے لئے کہ استصواب رائے عامہ صحیح طریقہ پر ہو رہا ہے، اٹلی، سویٹ روس، برطانیہ اور فرانس کی ایک کمیٹی نگرانی کے لئے مقرر کی جائے ۔

(۴) اس علاقہ کی پولش بندرگاہ "گڈینہ" Gdynia کا مسئلہ جرمنی اور پولینڈ میں گفتگو سے طے ہو سکتا ہے اور اگر ضرورت ہوئی تو اسے

؎۱ اس موقع پر ہٹلر سے صلح اور آشتی کی اپیل صرف برطانیہ ہی نے نہیں کی بلکہ امریکہ کے پریسیڈنٹ روم کے پوپ اعظم کے علاوہ اٹلی، بلجیم، ڈنمارک، ناروے اور سوئڈن کے حکمرانوں نے ایک ایک کر کے ہٹلر سے اپیل کی کہ اس اختلاف کو وجہ بنا کر جنگ شروع نہ کرے اور سب سے آخر میں میڈ مسولینی نے اس قضیہ کو بین الاقوامی کمیشن کے ذریعہ طے کرا دینے کی ذمہ داری لی لیکن یہ ساری کوششیں بیکار گئیں ہٹلر نے جنگ کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ اپنا فیصلہ بدلنا نہیں چاہتا تھا ۔ (مولف)

بین الاقوامی ثالثی کے حوالے کیا جاسکتا ہے ۔

(۵) کوریڈور کے متعلق استصواب رائے عامہ اس معاہدے سے بارہ مہینے بعد شروع ہوگا

(۶) اس دوران میں جرمنی کو اس علاقہ سے گذر کر اپنے علاقہ میں جانے کے لئے سڑکیں اور ریلیں بنانے کی اجازت دیدی جائے گی ۔

(۷) رائے عامہ کی اکثریت کا فیصلہ محض رائے شماری سے کیا جائے گا ۔

(۸) اگر رائے عامہ کا نتیجہ جرمنی کے خلاف ہوا تو جرمنی کی ان سڑکوں کی جو ڈانٹ سک اور پرشیا کو ملاتی ہے حفاظت کی ضمانت کی جائے گی اور اگر جرمنی کے حق میں ہوا تو جرمنی اور سڑکیں بنائے گا لیکن اس کی تعمیر میں اس بات کا خیال رکھا جائیگا کہ ان سے پولینڈ کے مفاد کو نقصان نہ پہنچے

(۹) کوریڈور اگر جرمنی کو مل گیا تو پولینڈ کے مشورے سے حتی الامکان جرمن اور پول آبادی کا تبادلہ کر لیا جائیگا ۔

(۱۰) ڈانٹ سک میں پولوں کے گڈنیہ میں جرمنوں کے خاص حقوق، آپس میں گفتگو سے طے کئے جائیں گے ۔

(۱۱) ڈانٹ سک اور گڈنیہ صرف تجارتی مرکز رہیں گے یہاں قلعے نہیں بنائے جائیں گے ۔ اور نہ فوجیں رکھی جائیں گی ۔

(۱۲) ڈانٹ سک اور گڈنیہ ہی نہیں بلکہ وہ سارا علاقہ جس میں یہ دونوں بندرگاہیں واقع ہیں غیر قلعہ بند رہیگا ۔

(۱۳) جرمنی کو پولینڈ سے اور پولینڈ کو جرمنی سے بہت سی شکایتیں ہیں۔ یہ شکائتیں بین الاقوامی کمیشن کے آگے پیش ہونگی اور ۱۹۱۸ء سے اب تک کے حالات کا جائزہ لیکر کمیشن جس سے جو نقصان دلائے گی قبول کر لیا جائیگا

(۱۴) جرمنی میں رہنے والے پولوں کی اور پولینڈ میں رہنے والے جرمنوں کے قومی حقوق کے حفاظت کی ضمانت کی جائے گی اور جنگ کی صورت میں انہیں انکی مرضی کے خلاف جبراً فوج میں بھرتی نہیں کیا جائے گا۔

(۱۵) ان تجاویز کو طرفین جیسے ہی اصولاً تسلیم کریں گے دونوں طرف سے فوجیں ہٹالی جائیں گی۔

(۱۶) اس معاہدے کے نفاذ کے سلسلہ میں اور جو تدابیر مناسب معلوم ہونگی وہ آپس کے مشورے سے طے کر لی جائینگی۔

معاہدہ کا یہ مسودہ تھا جو ہٹلر کی طرف سے ۳۱ اگست ۱۹۳۹ء کی شام کو براڈکاسٹ ہوا اور اسی وقت پولینڈ کے سفیر متعینہ برلن کے حوالے کیا گیا اور اسے ہدایت کی گئی کہ اسپر پولینڈ کی رضامندی آج ہی رات بارہ بجے تک حاصل ہونی چاہئے
اس مسودے کی کوئی نقل برطانیہ کو نہیں دی گئی اور نہ نشر کرنے سے پہلے اس مسودے کی برطانیہ کو اطلاع ہونے پائی۔

پولش سفیر اس "الٹی میٹم" کو سن کر گھبرا گیا اور اسی وقت اس نے ٹیلیفون پر اپنی حکومت سے گفتگو کرنی چاہی۔ لیکن معلوم ہوا کہ جرمنی اور پولینڈ کے درمیان سارے ٹیلیفون کے تار کاٹ دیئے گئے ہیں اور پولش سفیر کا کوئی پیغام اس کی حکومت تک نہیں پہنچ سکتا۔

پہلی ستمبر کی صبح کو پو پھٹتے ہی جرمن فوجیں پولینڈ کی سرحد میں داخل ہو گئیں اور اسی دن ہٹلر نے برلن میں ایک اعلان شائع کیا جس میں یہ بتلایا گیا تھا کہ:-

"جنگ کو روکنے کے لئے انتہائی رواداراز شرائط جرمنی نے پولینڈ کے آگے پیش کیں لیکن پولینڈ نے انہیں منظور کرنے سے انکار کر دیا ——— اب اس پاگل پن کا علاج ہمارے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ قوت کا جواب قوت سے دیں۔"

ہٹلر نے پولینڈ پر چڑھائی کر دی، اب برطانیہ اور فرانس کو بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی تھیں۔ برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں نے اپنے اپنے سفیروں کی مدد سے ہٹلر کو یہ آخری نوٹ بھیج دیا کہ:-

"جرمن چانسلر کے اعلان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جرمنی پولینڈ پر حملہ کرنے والا ہے ——— جرمنی کی یہ حرکت پولینڈ کے خلاف صریح زیادتی ہو گی اور اس سے برطانیہ اور فرانس پر وہ ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی جو پولینڈ کی آزادی کی حفاظت کے لئے قبول کی گئی تھیں ——— تاوقتیکہ جرمن حکومت پولینڈ میں اپنی جارحانہ پیش قدمی نہ روکے۔ اور اپنی فوجوں کو واپس نہ بلائے برطانیہ اور فرانس بے تامل پولینڈ کی مدد کا اعلان کر دیں گے۔"

اس نوٹ کا بھی جیسا کہ یقین تھا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ جرمن حکومت نے اس پر مطلق توجہ نہیں دی، برطانیہ اور فرانس کے سفیروں نے اپنی اپنی حکومتوں کی ہدایت کے بموجب جرمن حکومت سے اپنی رخصت کا پروانہ طلب کر لیا اور ادھر وزیر اعظم برطانیہ نے ۲ ستمبر ۱۹۳۹ء کو دارالعوام میں ہٹلر کی امن سوز حرکتوں کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہوئے پولینڈ کے خلاف اس کی تازہ یورش کا ذکر کیا، اور پولینڈ کی

حمایت میں جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

اسی دن فرانسیسی حکومت نے بھی پولینڈ کی حمایت کا اعلان کر دیا اور اس طرح پچیس[۲۵] برس کے اندر دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی۔

باب ۲۰

پولینڈ پر جرمنی اور روس کا حملہ اور مالِ غنیمت کی تقسیم

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو سورج نکلنے سے پہلے پہلے پولینڈ پر جرمنوں کا حملہ شروع ہو گیا جرمن بمباروں نے آگے بڑھ کر بڑے بڑے شہروں پر بم برسائے اور جرمنوں کی موٹر سوار فوج اور ٹینکوں کے دستوں نے اکٹھے پانچ مقامات سے پولینڈ کی سرحدوں میں داخل ہو کر ایک ساتھ نہایت تیزی سے وارسا کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔

پولینڈ کے سپاہی اپنی فطری جی داری سے ہر محاذ پر جرمنوں کے مقابل ڈٹ گئے اور دو دن تک جرمنوں کو سرحدی مورچوں سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ ۳ ستمبر کو اُنہیں یہ اطلاع ملی کہ برطانیہ اور فرانس نے ان کی حمایت میں جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ اس خبر نے اُن کے حوصلے اور بڑھا دیئے لیکن اپنے سے کئی گنے زیادہ جرمن ٹڈی دل کو جو لوہے اور فولاد کے سیلاب کی طرح سب طرف سے اُن پر اُمنڈا چلا آ رہا تھا محض اپنی بہادری کے بل پر زیادہ عرصہ تک روکے رکھنا ان کے لئے ناممکن ہو گیا اور وہ وارسا کی طرف پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

پولینڈ کے پاس سامان جنگ کی بہت کمی تھی، نہ اُس کے پاس قابل ذکر تعداد میں ہوائی جہاز تھے اور نہ ٹینک شکن توپیں تھیں نہ موٹر سوار فوجی دستے تھے اور نہ مسلح گاڑیاں اسقدر تعداد میں تھیں کہ دشمن کی پیش قدمی کو روک سکتیں

پولوں کے پاس صرف ان کی روائتی بہادری تھی لیکن نہتی بہادری اور تباہ کن اسلحہ کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ نیتجہ اس لڑائی کا وہی ہوا جس کا خطرہ تھا، بہادر پول لڑتے ہوئے پسپا ہوئے اور جرمنوں نے پسپا ہوتے ہوئے پولوں کے گرد نہایت تیزی سے اپنا حلقہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔

پولوں کا خیال تھا کہ وہ پیچھے ہٹ کر پولینڈ کے مشرقی میدانوں میں دریائے وسچولہ کے کنارے اپنا نیا مورچہ بنالیں گے اور یہاں اپنے قدم جما کر جرمنوں کا مقابلہ کریں گے لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ جرمنی کی "میکانائزڈ" فوجیں اس قدر تیزی سے پولوں کے گرد اپنا حصار تنگ کرتی چلی گئیں کہ پولش فوجوں کو اپنی تنظیم قائم رکھنی مشکل ہو گئی۔ پسپا ہوتے ہوئے پولش دستے اپنے مرکز سے جدا ہو گئے اور انہیں اسکا بھی پتہ نہ رہا کہ ان کا ہائی کمانڈ کس جگہ ہے اور ان سوالات میں اس کی ہدایات کیا ہیں۔

جنگ شروع ہونے کے صرف پندرہ دن کے اندر اندر وارسا گھر چکا تھا پولینڈ کی حکومت وارسا سے فرار ہو کر رومانیہ کی سرحد پر ایک قصبے "کیوتی" میں پناہ گزیں تھی، پولش ہائی کمانڈ بے اثر ہو چکا تھا، اوّل تو اس کے احکام پولش فوجوں تک پہنچ ہی نہیں سکتے تھے اور جو پہنچ بھی جاتے تھے تو پول ان کی تعمیل نہیں کر سکتے تھے۔ غرض حالات نہایت تیزی سے بگڑ رہے تھے اور پول اُن کے علاج سے معذور نظر آ رہے تھے جب پولینڈ کی حکومت نے دیکھا کہ اس کی فوجیں سب طرف سے گھر گئیں، اور ملک میں اس درجہ انتشار بڑھ گیا ہے کہ وہ کسی طرح اُسے دور نہیں کر سکتیں تو ۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء کی صبح کو حکومتِ پولینڈ کے بہت سے افسر جن میں پولینڈ کا کمانڈر انچیف "جنرل اسمگلی رائز" بھی شامل تھا "کیوتی" سے

بھاگ کر رومانیہ کی سرحد میں داخل ہوگئے اور رومانیہ نے انہیں نظر بند کر دیا پولینڈ کی حکومت کے فرار ہوتے ہی پولش فوجوں کی مدافعت کا خاتمہ ہوگیا، بہت سے فوجی افسر بھی پولینڈ چھوڑ چھوڑ کر ہمسایہ ملکوں میں بھاگ گئے اور پولش فوجوں نے میدان چھوڑنا شروع کر دیا۔ عین اسی وقت مشرق سے روس نے پولینڈ پر حملہ کر دیا اور بچی کھچی ریزرو پولش فوجوں نے بھی اس تازہ دم دشمن کے حملے کی تاب نہ لاکر ہتھیار ڈالدیئے ۔

پولینڈ پر روس کا حملہ غیر متوقع نہیں تھا، ۲۳ اگست ۱۹۳۹ء کو جرمن روسی معاہدے کے بعد ہی یہ اندازہ کر لیا گیا تھا کہ پولینڈ کے مالِ غنیمت میں روس بھی جرمنی کا برابر کا شریک ہوگا۔ چنانچہ یکم ستمبر کو جب جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا تو روس نے اس حملہ پر اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی اور ۱۶ ستمبر کو جب پولینڈ کی مدافعت کی لائن ٹوٹ گئی تو سوویٹ روس کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ موسیو مولوٹوف نے پولینڈ کے سفیر کو طلب کرکے یہ تحریر اس کے حوالے کر دی :۔

"جرمن پولش جنگ میں پولینڈ کی حکومت ہر اعتبار سے دیوالیہ ہو چکی ہے وارسا اب پایۂ تخت باقی نہیں رہا اور نہ موجودہ پولینڈ کی حکومت ملک میں باقی ہے اسلئے پولینڈ نے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا جو معاہدہ (۲۵ جولائی ۱۹۳۲ء کو) کر رکھا تھا وہ ساقط ہوگیا ۔

روس ان حالات میں پولوں کو جنگ کی آگ سے باہر نکالنے اور روسیوں کی مدد کے لئے جو تجاویز مناسب سمجھے گا اختیار کریگا"

پولینڈ کے سفیر نے موسیو مولوٹاف کی یہ تحریر قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن اس سے سوویٹ روس کے ارادوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دوسرے دن صبح سویرے یعنی

۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء کو روسی فوجوں کا ٹڈی دل لاکھوں کی تعداد میں پولینڈ کی سرحد میں داخل ہو گیا اور ۲۱ ستمبر ۱۹۳۹ء تک اس نے پولینڈ کا اس سے زیادہ مشرقی علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا جو ۱۹۱۸ء میں برسٹ لٹوِوسک کے معاہدے کی رُو سے اُسے چھوڑنا پڑا تھا۔

۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء کو اسی برسٹ لٹوِوسک میں جہاں ۲۱ برس پہلے جرمنوں اور روسیوں میں معاہدہ ہوا تھا ایک نیا معاہدہ روس اور جرمنی کے درمیان طے ہوا جس میں روسی اور جرمن سرحدوں کا تعین کیا گیا، لیکن سرحدوں کے اس تعین میں چونکہ جرمنی کو کافی نقصان رہا تھا اور روس آدھے سے زیادہ پولینڈ پر مع اس کے زرخیز علاقوں کے شامل ہو گیا تھا اسلئے ۲۹ ستمبر ۱۹۳۹ء کو اس معاہدہ پر دوبارہ غور کیا گیا اور دوبارہ کسی قدر ردّ و بدل کے ساتھ نئی سرحدیں متعین کی گئیں اس معاہدے کی رو سے پولینڈ کو تقریباً نصف نصف کر دیا گیا آدھا جرمنی کے حصّہ میں آیا اور آدھے پر روس نے قبضہ کر لیا۔

اس سلسلہ میں دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ پولینڈ کی قوتِ مدافعت کو توڑنے میں جرمنی کو تو بہت کچھ جانی اور مالی قربانیاں کرنی بھی پڑیں لیکن سویٹ روس پسینے کا "ایک قطرہ" بہائے بغیر آرام سے مالِ غنیمت میں آدھے کا شریک ہو گیا!

یہ اس معاہدے کی قیمت میں "پہلی قسط" تھی جو ہٹلر نے اسٹالن کو ادا کی۔

جرمن روسی معاہدہ کی نوعیت کے متعلق اگر کوئی شبہ باقی رہ گیا تھا تو پولینڈ پر روسی حملے اور مالِ غنیمت میں نصف کی شرکت کے بعد وہ بھی رفع ہو گیا، اور یہ ظاہر ہو گیا کہ ملک گیری کی ہوس میں سویٹ روس اور نازستی جرمنی برابر کے شریک ہیں۔ اپنا یہ اصول جسکا سویٹ روس نے بڑا چرچا کیا تھا کہ "نہ ایک انچ زمین

اپنی دیں گے نہ ایک انچ زمین کسی کی لیں گے "۔ محض ایک نقاب تھی جو موقع اور وقت کے انتظار تک سویٹ روس نے اپنے چہرہ پر ڈال رکھی تھی!

بہرحال سویٹ روس کے اس اقدام سے دنیا کے غیر جانبدار ممالک کو جن میں امریکہ بھی شامل تھا ایک دھکا سا ضرور لگا لیکن اس سے برطانیہ اور فرانس کے عزم میں کوئی فرق نہ آیا۔ سب سے پہلے برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر چیمبرلین نے دارالعوام میں اس حادثہ کا ذکر کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ برطانیہ اب بھی اپنی بات پر قائم ہے اور جو طمانیت اس نے پولینڈ کو دی تھی۔ وہ اُسے بہرحال پورا کرنے کو تیار رہے۔

یہاں یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ پولینڈ کا وجود تو باقی نہ رہے لیکن اس کے وجود کی "طمانیت" بدستور باقی رہے! لیکن فی الحقیقت یہ بات اسقدر عجیب اور ناقابل فہم نہیں ہے۔

برطانیہ اور فرانس نے دراصل فوجی قوت کے بل پر اپنے اختلافات کو طے کرنے کے اصول کو ماننے سے انکار کیا تھا اور یہی طمانیت پولینڈ کو دی تھی کہ اگر جرمنی نے گفت و شنید کے ذریعہ اپنے اختلافات کو دُور کرنے سے گریز کیا اور پولینڈ پر اپنی فوجوں سے حملہ کر دیا تو برطانیہ اور فرانس جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں گے۔ اس اعتبار سے چاہے پولینڈ باقی رہے یا نہ رہے لیکن فوجی قوت کے بل پر اپنے اختلافات کو طے کر لینے کا اصول بدستور باقی تھا اور جب تک یہ باقی رہے برطانیہ اور فرانس اصولاً اپنی زبان سے نہیں پھر سکتے تھے۔!

باب ۲۱

دوسری جنگِ عظیم کا آغاز اور ہٹلر کی درخواستِ صلح

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو پہلے برطانیہ نے اور اس کے بعد فرانس نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، جاپان، اٹلی اور اسپین کی ہمدردیاں اگرچہ جرمنی کے ساتھ تھیں، لیکن مصلحتاً ان تینوں نے جنگ میں حصہ لینے سے گریز کیا، ہنگری یوگوسلاویہ اور رومانیہ سے جرمنی کے تجارتی معاہدات تھے لیکن ان ممالک نے بالکل غیر جانب دار رہنے کا فیصلہ کیا، اسی طرح بلجیم، ہالینڈ، ڈنمارک، ناروے، سویڈن اور فن لینڈ نے بھی اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا، البتہ ترکی کی ہمدردیاں برطانیہ اور فرانس کے ساتھ تھیں اور اس سے ایک جارحانہ اور مدافعانہ سمجھوتے کی گفت و شنید ہو رہی تھی۔

برطانیہ کے ساتھ اس کی ساری نو آبادیات، کنیڈا، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا نیوزی لینڈ اور ہندوستان نے اور فرانس کے ساتھ اسکی نو آبادیات مراکش، الجزائر وسطی افریقہ اور انڈوچائنا وغیرہ نے بھی جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس طرح یہ جنگ شروع ہوئی جس میں ایک گروہ برطانیہ اور فرانس اور ان کے متعلقین کا تھا اور دوسرا جرمنی، اس کے ہمدرد اور "وسائلِ جنگ" کا۔ امریکہ کی قطعی رائے کا ابھی اظہار نہ ہو سکا تھا وہاں یورپین جنگ سے علیحدہ رہنے کا خیال

جڑ پکڑ گیا تھا اور امریکہ کے لوگ اس کے لئے بالکل آمادہ نہیں تھے کہ کسی یورپین گروہ کے ساتھ جنگ میں شریک ہو جائیں۔ البتہ برطانیہ اور فرانس کے ساتھ محض اسلئے انہیں ہمدردی تھی کہ یوروپ کی یہ دونوں سلطنتیں طرزِ حکومت کے اعتبار سے امریکہ سے قریب تر تھیں۔ اور ان سلطنتوں اور اُن کے مقبوضات سے امریکہ کے نہایت اچھے تجارتی تعلقات قائم تھے۔

اعلان کے ساتھ ہی برطانیہ اور فرانس کی طرف سے جرمنی کے خلاف فوراً کوئی فوجی کارروائی کا آغاز نہیں ہوا اسلئے کہ برطانیہ اور فرانس جارحانہ پیش قدمی کے بجائے مدافعانہ جنگ لڑنی چاہتے تھے۔ چنانچہ فرانسیسی فوجوں کے کمانڈر انچیف "جنرل گملان" نے اسی اصول کے پیش نظر اپنی فوجیں "ماژینو لائن" پر اکٹھی کرنی شروع کردیں اور اپنی طرف سے صرف جرمنی کی "میگنیفرڈ لائن" کے کمزور مقامات کی تلاش میں کچھ فرانسیسی دستے گشت کے لئے بھیجتے رہنے پر اکتفا کرلیا۔ لیکن جرمنی کی طرف سے اس قدر ڈھیل نہیں دی گئی۔ جرمنی کی سب میرین اور یو بوٹ کشتیاں جو اعلانِ جنگ سے پہلے ہی بڑی تعداد میں بحرۂ شمالی اور بحرۂ اٹلانٹک میں موقع بہ موقع متعین کردی گئی تھیں۔ اعلانِ جنگ کے فوراً ہی بعد برطانیہ کے تجارتی اور غیر تجارتی جہازوں کے خلاف حرکت میں آگئیں ان کشتیوں کا پہلا ہی شکار ایک مسافر جہاز "اتھینیا" بنا جو اعلانِ جنگ کے صرف آٹھ گھنٹہ بعد ایک ہزار ایک سو چار مسافروں کو لیکر (جو زیادہ تر امریکن تھے) کنیڈا جارہا تھا، یہ جہاز آئرلینڈ سے صرف ڈھائی سو میل کے فاصلہ پر تھا جب جرمن سب میرین نے تارپیڈو مار کر اُسے ڈبو دیا اس حادثہ میں اس جہاز کے (۱۱۲) مسافر کام آئے باقی مسافروں کو برطانیہ کے جہازوں نے جو فوراً موقع پر پہنچ گئے تھے بچالیا۔

اس حادثہ سے جرمنی اور برطانیہ کے درمیان بحری جنگ کا آغاز ہوا
جرمن یو بوٹ اور سب میرن کشتیوں کے خلاف برطانوی بحری بیڑے نے سرگرمی
دکھانی شروع کر دی اور برطانوی تجارتی جہازوں کی سلامتی کا نیا اور موثر طریقہ
اختیار کیا جانے لگا۔[۵۱]

برطانیہ نے یو بوٹ کے حملوں کی روک تھام کے علاوہ جرمنی کی بحری ناکہ بندی
کا بھی اعلان کر دیا اور ان سب جہازوں کو جو اٹلانٹک اور بحیرۂ شمالی سے گزریں اپنی
تلاشی دینے پر مجبور کر دیا اس کے جواب میں جرمنی نے سمندر کے بعض خاص راستوں اور
بندرگاہوں پر بارود کی سرنگیں بچھانی شروع کر دیں ان سرنگوں سے بہت سے تجارتی
جہاز جن میں غیر جانب دار ملکوں کے جہاز زیادہ ہوتے تھے ٹکرا ٹکرا کر غرق ہونے لگے۔

یہ صورتِ حال غیر جانب دار ملکوں کے لئے بہت تکلیف دہ اور نقصان رساں
تھی ان کی تجارت پر اس بحری "داروگیر" کا بہت اثر پڑ رہا تھا ان ملکوں نے برطانیہ
اور جرمنی دونوں سے اسکی شکایت کی لیکن یہ شکایتیں بے نتیجہ تھیں نہ برطانیہ اپنی بحری
ناکہ بندی سے دست بردار ہو سکتا تھا اور نہ جرمنی اس ناکہ بندی کو توڑنے کی تدابیر
سے باز آ سکتا تھا۔

جس طرح بحری بیڑے کے مقابلے میں برطانیہ کی روش مدافعانہ تھی اسی طرح

---

[۵۱] جرمن جنگی جہاز آبدوز کشتیوں اور یو بوٹوں میں جنہیں برطانیہ کے بحری بیڑے نے اپنا نشانہ
بنایا "گرافس پی" جرمنی کا سب سے بڑا جہاز تھا اس کو برطانیہ کے چار جہازوں نے جنوبی
امریکہ کی ایک بندرگاہ "مونٹی ویڈیا" میں گھیر لیا جب اسکا نکل بھاگنا ناممکن ہو گیا تو اس
جہاز نے ہٹلر کے حکم سے "خودکشی" کر لی۔ (مولف)

فرانس کے محاذ پر بھی فرانسیسی اور انگریز فوجیں مدافعانہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

اگرچہ بعض فرانسیسی دستوں نے "ماژنو لائن" سے قدرے آگے قدم بڑھا کر جرمنی کی سرحد پار اپنے نئے مورچے قائم کر لئے تھے اور جرمنی کے ایک سرحدی شہر، "سار بروکن" کو بھی اپنے گھیرے میں لے لیا تھا لیکن اس کے باوجود فرانسیسی فوجیں سرگرمی کے ساتھ جرمنی میں اپنی پیش قدمی جاری رکھنے پر مائل نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ "ماژنو لائن" سے آگے بڑھ کر نئے مورچے بھی انہوں نے محض اپنی حفاظت کے لئے بنائے تھے ورنہ حملہ میں وہ "پہل" نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

فرانسیسی ہائی کمانڈ کی اس پالیسی کے باعث کئی دن تک فرانسیسی فوجیں اپنے نئے مورچوں پر "سستاتی" رہیں اور سیگفریڈ لائن کی جرمن فوجیں صرف انہیں روکے رکھنے کے کام میں مصروف رہیں ہٹلر اس دوران میں پولینڈ کی جنگ کو نہایت تیزی اور کامیابی کے ساتھ ختم کر کے پلٹا اور انہیں جرمن فوجوں کو جنہوں نے پولینڈ فتح کیا تھا فرانسیسی محاذ پر بھیج دیا۔

اصل میں فرانسیسی کمانڈر انچیف جنرل گملان کو یہ غلط فہمی تھی کہ جرمنی کا انداز جنگ وہی ہوگا جو ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں اس نے اختیار کیا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی فوجوں کو اسی اصول پر مدافعت کے لئے تیار کیا تھا اور نئے مورچوں پر اپنی فوجیں ڈال کر اس اطمینان سے ہو بیٹھے تھے کہ پولینڈ کی فوجیں کم سے کم چھ مہینے تک جرمنوں سے بھگتتی رہیں گی اور اس عرصہ میں فرانسیسی فوجیں "سیگفریڈ لائن" میں کوئی رخنہ دریافت کر کے جرمنی پر حملہ کر دیں گی۔ لیکن جس تیزی سے جرمنوں نے پولش فوجوں کے گرد حلقہ ڈال دیا اور اپنے ہوائی جہاز اور ٹنکوں کی مدد سے پولش مدافعت کو روند دیا۔

اس سے فرانسیسی ہائی کمانڈ پر جرمنوں کا نیا اندازِ جنگ ظاہر ہوا جس کی مدافعت کے لئے جنرل گملان کو اپنی فوجی ترتیب پر نظرِ ثانی کرنی پڑی۔

بہرحال پولینڈ فتح ہونے کے بعد برطانیہ اور فرانس سے جرمنی کا براہِ راست مقابلہ تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نہ جرمنی فی الفور فرانسیسی محاذ پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور نہ برطانیہ اور فرانس کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی پہل کرنے پر آمادہ تھے، طرفین اپنے اپنے مورچوں کی درستی اور مدافعت میں مصروف رہے اور اُن کی یہ مصروفیت برابر کئی مہینے جاری رہی۔

اسی دوران میں پولینڈ کی فتح کے بعد ہٹلر کی طرف سے برطانیہ اور فرانس کے آگے صُلح کی ایک تجویز بھی پیش کی گئی جس میں ہٹلر نے یہ اعلان کیا تھا کہ آئندہ وہ یوروپ میں کوئی اقدام نہیں کرے گا اسکا آخری مطالبہ جو ڈانٹ سک اور کوریڈور کے متعلق تھا وہ پورا ہو گیا اب وہ امن و امان کے ساتھ جرمنوں کی اصلاح و ترقی کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ یہ تجویز پیش کرتے ہوئے ہٹلر کی دلیل یہ تھی کہ برطانیہ اور فرانس نے جس ریاست کے تحفظ کی ضمانت کی تھی وہ ریاست ہی چونکہ باقی نہیں رہی اسلئے برطانیہ اور فرانس کے پاس جرمنی کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کا بظاہر کوئی سبب نہیں رہا۔ اگر پولینڈ کی موجودہ تقسیم کو برطانیہ تسلیم کرے تو پھر برطانیہ اور جرمنی، اور فرانس اور جرمنی میں کوئی مخاصمت باقی نہیں رہتی، ہٹلر کی اس تجویز کی اسٹالن کی طرف سے بھی تائید ہوئی تھی اور اسٹالن یہ ضمانت دینے کو بھی تیار تھا کہ اگر پولینڈ کی تقسیم پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا تو ہٹلر یوروپ میں کوئی نیا اقدام نہ کریگا۔ لیکن برطانیہ اور فرانس نے نہ ہٹلر کی پیش کردہ تجویزِ صلح پر کوئی توجہ دی اور نہ اسٹالن کی ضمانت سے وہ متاثر ہوسکے۔ ان کا عذر یہ تھا کہ ہٹلر اتنی مرتبہ اپنے معاہدوں سے پھر چکا ہے کہ اب نئے

سرے سے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، دوسرے نازی ازم کی بنیاد ہی جارحانہ سیاست پر رکھی گئی ہے جب تک یہ جرمنی میں باقی ہے اُس وقت تک ہٹلر جب چاہے تب بھی یورپ میں کسی نئے اقدام سے باز نہیں آسکتا اس کے علاوہ پولینڈ کی تقسیم محض قوت کے بل پر عمل میں آئی ہے اس تقسیم کو تسلیم کر لینے کے یہ معنی ہونگے کہ آئندہ یورپ کی چھوٹی بڑی ریاستوں کے متعلق یہ اصول نظیر بنجائے اور ان ساری ریاستوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے جنہیں "نازی فلسفہ" سے کوئی لگاؤ یا دلچسپی نہیں ہے۔

رہی سوویٹ روس کی یہ طمانیت کہ یورپ میں آئندہ امن و امان قائم رکھا جائے گا اسلئے درخور اعتنا نہیں کہ سوویٹ روس خود، قوت کے بل پر پولینڈ کی تقسیم کے معاملہ میں ایک فریق ہے۔ جرمنی کے ساتھ مل کر ایک چھوٹی سی ریاست کے وجود کو ختم کرنے میں اسکا بھی حصہ ہے اور برطانیہ اور فرانس کے نزدیک پولینڈ کے معاملہ میں وہ بھی اصولاً قوت کی نمائش کا اسی قدر مجرم ہے جسقدر جرمنی، اس اعتبار سے اسکی اس طمانیت کا برطانیہ اور فرانس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور نہ ایسی طمانیت کی دنیا کی نظروں میں کوئی وقعت ہو سکتی ہے۔

برطانیہ اور فرانس کیطرف سے ہٹلر کی اس درخواست صلح کے رد ہونے کے بعد جرمنی کے اخباروں نے یک زبان ہو کر برطانیہ اور فرانس کے خلاف پروپگنڈا شروع کر دیا جسمیں آئندہ جنگ عظیم کا سارا الزام برطانیہ اور اسکے ساتھی فرانس کے سر ڈالا گیا اور دنیا پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کیگئی کہ جرمنی اور سوویٹ روس دونوں امن پسند ملک ہیں وہ خود برطانیہ سے جنگ نہیں کرنا چاہتے لیکن برطانیہ خواہ مخواہ پولینڈ کا عذر درمیان میں رکھکر جرمنی اور سوویٹ روس سے لڑنا چاہتا ہے حالانکہ پولینڈ سے اُسے کسی اعتبار سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی، نہ پولینڈ کے وجود کا وہ تنہا ذمہ دار تھا، اور نہ پولینڈ کی

تقسیم سے براہ راست اسپر کوئی اثر پڑ سکتا ہے [۵]

اسی کے ساتھ ہٹلر نے ایک اور چال بھی چلی، فرانس اور برطانیہ کے اتحاد کو توڑنے کی خاطر اس نے پہلے برطانیہ کو لالچ دیا کہ اگر وہ اس موقع پر فرانس کو چھوڑ کر علیحدہ کھڑا ہو جائے تو اسکی سلطنت پر کوئی آنچ نہ آنے دی جائے گی لیکن جب برطانیہ نے ہٹلر کی یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی تو اس نے فرانس کو یہ کہہ کر برطانیہ سے برگشتہ کرنا شروع کر دیا کہ جرمنی اور فرانس کی کوئی لڑائی نہیں ہے جرمنی کا اصل دشمن صرف برطانیہ ہے اگر فرانس جرمنی کے راستہ سے ہٹ جائے اور اسے تنہا برطانیہ ہی سے نمٹ لینے دے تو جرمنی فرانس کی اور اس کے مقبوضات کی حفاظت کی پوری پوری ذمہ داری لینے کو تیار ہے۔ لیکن جب برطانیہ کی طرح فرانس بھی ہٹلر کی اس چال میں نہ آیا تو اس نے یوروپ کے غیر جانب دار ممالک اور امریکہ کو اپنے پروپیگنڈے سے متاثر کرنے کی کوشش شروع کر دی لیکن ہٹلر کو اس معاملہ میں بھی ناکامی ہوئی یوروپ کے دوسرے غیر جانبدار ممالک ایک طرف خود اٹلی بھی جرمنی کے اس پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہو سکا، پولینڈ کا سفیر بدستور اٹلی میں موجود رہا اور اٹلی کی حکومت بدستور اسے جائز حکومت [۶] کا نمائندہ سمجھتی رہی

[۵] واقعہ یہ تھا کہ پولینڈ کی تقسیم کے بعد اپنے حصہ کو ہضم کرنے کی خاطر روس بہت زیادہ جرمنی کی طرف جھکا ہوا معلوم ہوتا تھا اور برطانیہ اور فرانس کے خلاف پروپیگنڈے میں بھی روس کا پریس جرمنی کا ساتھ دے رہا تھا ہٹلر نے اس سے فائدہ اٹھایا اور سوئٹ روس کا ہوّا دکھا کر برطانیہ اور فرانس کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن جب ہٹلر کو اپنے پروپیگنڈے میں ناکامی ہوئی اور جنگ کسی طرح ٹلتی ہوئی نہ معلوم ہوئی تو اسٹالن نے سوویٹ روس کی کامل غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ اور ہٹلر کو تنہا برطانیہ اور فرانس کے مقابل آنا پڑا۔ (مولف) ۔ [۶] پولینڈ کی حکومت اپنی شکست کے بعد دارسا سے فرار ہو کر پہلے رومانیہ میں آئی اور رومانیہ سے پیرس منتقل ہو گئی ۔ پولینڈ کے پریسیڈنٹ موسکی مستعفی ہو گئے ان کے بجائے ام ۔ رز کی وز پریسیڈنٹ منتخب ہوئے اور جنرل سکورسکی وزیر اعظم اور وزیر جنگ وباقی صفحہ [۱۵]

اصل میں یوروپ کے غیر جانبدار ممالک پر یہ روشن ہو گیا تھا کہ ہٹلر یوروپ کے معاملات میں اپنی مرضی سے کام لینا چاہتا ہے اور اسمیں کسی طاقت کی مداخلت کو پسند نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ یوروپ کے غیر جانبدار ممالک روس اور جرمنی کو یوروپ میں اسقدر آزاد چھوڑ دینا پسند نہیں کر سکتے تھے اور نہ امریکہ اسے گوارا کر سکتا تھا کہ ڈکٹیٹر اپنی مرضی سے یوروپ کا سارا قدیم نظام ہی بدلدیں اور کوئی انہیں روکنے والا ہی نہ ہو چنانچہ جب ہٹلر کا یہ آخری حربہ بھی ناکام رہا اور اسپر یہ ثابت ہو گیا کہ نہ تو امریکہ برطانیہ پر زور ڈالیگا کہ وہ جرمنی سے صلح کرلے اور نہ یوروپ کے دوسرے غیر جانبدار ملک برطانیہ کے خلاف اسکا ساتھ دینے کو تیار ہیں تو اب اس کے لئے پولینڈ کے مالِ غنیمت کو ہضم کرنیکے سلسلہ میں تلوار اُٹھانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹)

مقرر کئے گئے۔ کرنل بک اور جنرل اسمگلی رائز دونوں اپنے عہدوں سے علیحدہ کئے جا چکے تھے اس حکومت نے پولینڈ کے نام پر غیر جانبدار ممالک میں اپنا کام جاری رکھا اور غیر جانبدار ممالک نے اس حکومت اور اسکے نمائندوں کو تسلیم کرلیا۔ فرانس کی شکست کے بعد پولینڈ کی حکومت پیرس سے لندن آگئی۔ اور اس وقت یہ وہیں قائم ہے۔ (مولف)

باب ۲۲

برطانیہ فرانس اور ترکی کا اتحاد

برطانیہ نے پولینڈ کی طرح رومانیہ اور یونان کے تحفظ کی طمانیت بھی دیدی تھی لیکن دقت یہ تھی کہ جس طرح روس کی امداد کے بغیر برطانیہ پولینڈ کی مدد نہیں کر سکتا تھا اسی طرح ترکی کی تائید و حمایت کے بغیر وہ رومانیہ اور یونان کو نازی حملوں سے نہیں بچا سکتا تھا، اسلئے کہ جنوب مشرقی یوروپ میں ترکی کی پوزیشن نہایت اہم اور فیصلہ کن تھی وہ نہ صرف درۂ دانیال کا محافظ تھا بلکہ بلقانی ریاستوں میں ایک زبردست فوجی قوت کا مالک بھی تھا جسے ترکوں کی جنگی صلاحیتوں نے اور زیادہ اہم بنا دیا تھا۔

برطانیہ ترکوں کی ان جنگی صلاحیتوں کا کافی تجربہ رکھتا تھا اور اب کہ پھر وہ ۱۹۱۴-۱۸ء کی طرح غلطی نہیں کرنی چاہتا تھا چنانچہ اس نے رومانیہ اور یونان کو طمانیت دیتے ہی ترکوں سے ایک دوستانہ معاہدہ کی درخواست کر دی اور خطرے کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرنے کے بنیادی اصول آپس میں طے کر لئے۔ لیکن ترک فی الفور اس معاہدہ کی تکمیل نہیں کر سکتے تھے انہیں اپنے قدیم رفیق سوویٹ روس سے بھی اس بارہ میں مشورہ کرنا تھا اور اسے یہ یقین دلانا تھا کہ ترکی اور برطانیہ کا یہ معاہدہ سوویٹ روس کے مفاد پر اثر انداز نہ ہوگا لیکن اس معاہدہ کی زد چونکہ براہ راست جرمنی پر پڑتی تھی اسلئے ہٹلر نے پہلے اپنے سفیر فان پاپن کے ذریعہ انتہائی کوشش کی کہ ترکی برطانیہ کا

ساتھ چھوڑ کر جرمنی کے ساتھ مل جائے اور اس اتحاد کے لئے اس نے بڑے بڑے لالچ بھی ترکی کو دیئے اور جب اسمیں ناکامی ہوئی تو اپنے دوست سویٹ روس سے ترکی پر دباؤ ڈلوانا شروع کیا کہ ترکی کو برطانیہ کے ساتھ اسطرح کا معاہدہ کرنے سے روک دے۔

روس نے ترکی پر دباؤ ضرور ڈالا اور کوشش بھی کی کہ برطانیہ اور ترکی میں اتحاد نہ ہونے پائے اور اس سلسلہ میں ترکی کے وزیر خارجہ سراج اوغلو کو بھی جو ترکی، برطانوی اتحاد کے بڑے حامی تھے طرح طرح کے شبہات کا نشانہ بنایا گیا لیکن یہ ساری چالیں بے اثر رہیں اسلئے کہ سویٹ روس یہ ثابت ہی نہ کرسکا کہ ترکی برطانوی اتحاد کی زد کسی زاویہ سے بھی روسی مفاد پر پڑ سکتی ہے اسطرح سویٹ روس سے اتمام حجت کے بعد ترکی نے ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء کو برطانیہ اور فرانس کے ساتھ پندرہ برس کے لئے ایک دوستانہ معاہدے پر دستخط کر دئے۔

یہ معاہدہ (۹) دفعات اور (۲) شرائط پر مشتمل ہے اور ان میں برطانیہ فرانس اور ترکی کے آپس کے اتحاد اور کسی غیر قوت کے حملے کے وقت ایک دوسرے کی فوجی امداد کی مختلف امکانی صورتوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اختصار کے ساتھ یہ معاہدہ حسب ذیل ہے۔

(۱) اگر ترکی پر یورپ کی کوئی قوت حملہ کرے گی تو فرانسیسی اور برطانوی حکومتیں ترکی کی موثر طریقہ پر اور پوری طرح مدد کریں گی

(۲) اگر بحیرۂ روم میں جہاں برطانیہ اور فرانس کا مفاد وابستہ ہے کسی قوت سے برطانیہ اور فرانس کی لڑائی چھڑ گئی تو ترکی فرانس اور برطانیہ کی پوری طرح مدد کریگا اور اگر بحیرۂ روم کے اس حصہ میں لڑائی ہوئی جس سے ترکی کا مفاد وابستہ ہے تو برطانیہ اور فرانس ہر طرح ترکی کو

مدد دیں گے۔

(۳) برطانیہ نے ۱۳ اپریل ۱۹۳۹ء کو رومانیہ اور یونان کو جو طمانیت دی ہے اس سلسلہ میں اگر برطانیہ اور فرانس کسی جنگ میں پھنس گئے تو جب تک یہ طمانیت دونوں ملکوں کے متعلق برقرار رہے گی ترکی اس کی تکمیل میں برطانیہ اور فرانس کی پوری پوری مدد کریگا۔

(۴) اگر برطانیہ اور فرانس کو کسی دوسری قوت سے جنگ کرنی پڑ جائے اسطرح کہ اس جنگ پر اس معاہدہ کی دفعہ ۲ یا ۳ منطبق نہ ہوسکے تو تینوں ملک اس خاص صورتِ حال کے متعلق فوراً آپس میں مشورہ کریں گے لیکن ایسے موقع پر ترکی غیر جانبدار ہوگا۔

(۵) اگر برطانیہ اور فرانس کو اپنے معاہدے طمانیت کی حمایت میں کسی غیر قوت سے جنگ کرنی پڑے یا کسی دو قوتوں کی جنگ سے برطانیہ فرانس یا ٹرکی کی اپنی سلامتی خطرہ میں پڑتی ہوئی نظر آئے تو یہ تینوں ملک اس خطرے کو دور کرنے کی مشترک تدابیر اختیار کرنے کے لئے آپس میں فوراً مشورہ کریں گے۔

(۶) یہ معاہدہ کسی خاص ملک کے خلاف نہیں کیا جارہا ہے بلکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ جنگ کے خطرے کی صورت میں برطانیہ فرانس، ٹرکی کو آپس میں ایک دوسرے کی مدد کا یقین ہوجائے۔

(۷) اس معاہدہ کی شرائط کے ترکی، برطانیہ اور فرانس تینوں یکساں پابند رہیں گے۔

(۸) اگر یہ تینوں فریق ایک ساتھ ہوکر کسی دوسری قوت سے جنگ کریں گے تو کوئی ایک فریق اس قوت کے ساتھ بغیر سب کی منظوری کے نہ عارضی

مصالحت کرسکیگا۔ اور نہ تنہا شرائط صلح طے کر سکیگا۔

(۹) تصدیق کے فوراً بعد یہ معاہدہ نافذ سمجھا جائے گا۔ ابتداً یہ معاہدہ پندرہ برس کے لئے کیا جاتا ہے اگر پندرہ برس ختم ہونے سے چھ مہینے پہلے کوئی فریق اس معاہدے کے دوسرے دو فریقوں کو معاہدہ ختم کردینے کا نوٹس نہ دے تو یہ معاہدہ آپس کی رضامندی سے مزید پانچ برس تک ناطق سمجھا جائیگا۔

شرط (۱)۔ ان تینوں ملکوں کی رضامندی سے یہ طے پایا کہ ان ملکوں کے نمائندوں کے دستخطوں کے فوراً بعد یہ معاہدہ نافذ سمجھا جائے گا۔

شرط (۲) ترکی نے اس معاہدے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں قبول کی ہیں وہ ذمہ داریاں اُسے روس کے خلاف لڑنے پر مجبور نہ کرسکیں گی یعنی اگر روس اور برطانیہ اور فرانس کی جنگ چھڑ گئی تو ترکی غیر جانبدار رہے گا۔

ان تینوں حکومتوں کے درمیان اتحاد کا یہ معاہدہ بادی النظر میں بہت عجیب سا معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ ترکی اور برطانیہ اور ترکی اور فرانس کے تعلقات مدت سے خراب چلے آتے تھے لیکن فی الحقیقت یہ اس سے زیادہ عجیب نہیں ہے جسقدر روس اور جرمنی کا معاہدہ ہے۔ کیونکہ ان تینوں ملکوں میں تو بہرحال کچھ دنوں سے اتحاد کے لئے گفت وشنید ہو رہی تھی لیکن روس اور جرمنی کا معاہدہ تو جب تک طے نہیں ہُوا اس وقت تک اسکا کوئی قرینہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ترکی اور برطانیہ ۱۹۱۴-۱۸ء کی جنگ میں ایک دوسرے کے حریف رہ چکے تھے اور اس جنگ کے خاتمہ کے بعد بھی ایک مدت تک ان کے آپس کے

تعلقات اچھے نہیں تھے لیکن ۱۹۳۶ء میں پے در پے دو نہایت اہم واقع ایسے پیش آگئے جن سے اُن کے تعلقات کی نوعیت میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہو گئی اور انگریزوں اور ترکوں میں دوستانہ ربط ضبط کی بنیاد پڑ گئی۔ ان میں ایک واقعہ "مونٹ رے" کانفرنس کا ہے، اور دوسرا شاہ ایڈورڈ ہشتم کی سیاحت ترکی کا۔

۱۹۳۶ء میں یورپ کا سیاسی مطلع غبار آلود ہو چکا تھا، اٹلی اور جرمنی کے ڈکیٹٹروں کی جارحانہ سیاست نے یورپ کے چھوٹے بڑے ملکوں میں کافی بے چینی پیدا کر دی تھی۔ اور ہر ملک اپنے بچاؤ کی تیاریوں میں مصروف نظر آتا تھا۔ اس موقع پر کمال اتاترک نے ترکی کی سلامتی کے سلسلہ میں درہ دانیال کی قلعہ بندی کا سوال اُٹھایا اور دولِ یورپ سے یہ مطالبہ کیا کہ ترکی کو دوبارہ درہ دانیال پر قبضہ کرنے اور اسے مسلح کرنے کی اجازت دی جائے۔ ترکی نے یہ مطالبہ اگرچہ سویٹ روس کی تائید سے "مونٹ رے کانفرنس" میں پیش کیا تھا لیکن دولِ یورپ سے منظور کرانے میں سب سے زیادہ امداد اسے برطانیہ سے ملی اور ترکی کا دوبارہ درہ دانیال پر قبضہ ہو گیا۔ ترکی مطالبہ کی برطانیہ کی طرف سے تائید کے بعد ترکی اور برطانیہ کے تعلقات میں صفائی ہو ہی گئی تھی کہ قسطنطنیہ میں شاہ ایڈورڈ ہشتم کی غیر رسمی اور بے تکلفانہ آمد سے ترکوں اور انگریزوں کی رہی سہی دِلی کدورتیں بھی دور ہو گئیں اور اس وقت سے اُن کے آپس کے تعلقات برابر خوشگوار ہوتے چلے گئے تا آنکہ ۱۹۳۹ء میں ترکی نے برطانیہ سے فوجی اتحاد کر لیا۔

یہی صورت ترکی اور فرانس کے تعلقات کی ہوئی ۱۹۱۹ء کی صلح کانفرنس میں جب عرب، عراق اور شام کے علاقے ترکی سلطنت سے علیحدہ کر دیئے گئے تو شام کے علاقہ میں اسکندرونہ کی بندرگاہ اور اس نام کا صوبہ بھی شامل کر لیا گیا۔ حالانکہ

اسکندرونہ میں ترکی کی آبادی بہت زیادہ تھی اور زبان اور تمدن کے اعتبار سے بھی یہ صوبہ ترک تھا چنانچہ جب فرانسیسیوں نے شام کو خود مختار حکومت دی تو ترکی حکومت کے مطالبہ پر اسکندرونہ پر بھی اپنی حکومت آپ قائم کرنے کا اختیار دیدیا گیا لیکن اس نئے انتظام میں ترکوں، ارمنوں اور عربوں میں جھگڑے ہونے لگے۔ ترکی حکومت نے پھر فرانس پر زور دیا کہ ترکی کے اطمینان کی حد تک ان جھگڑوں کو دور کیا جائے فرانس نے اس مطالبہ کے آگے سر خم کر دیا اور فرانس اور ترکی کے درمیان ۱۹۳۸ء میں انقرہ میں ایک معاہدہ ہوا جسکی رو سے ترکی اور فرانسیسیوں کی مساوی فوج اسکندرونہ میں انتظام کے لئے رکھی گئی لیکن جون ۱۹۳۹ء میں یہ انتظام بھی ختم کر دیا گیا، اور فرانس نے یہ سارا صوبہ مع بندرگاہ کے اس معاہدۂ اتحاد کے عوض ترکی حکومت کے نذر کر دیا اور ترکوں نے اسپر بلا شرکت غیرے اپنا قبضہ کر لیا، فرانسیسی حکومت کی دراصل یہی پیشکش تھی جس سے ترکی اور فرانس کے تعلقات استوار ہو گئے۔

لیکن ترکی کے لئے اپنی جغرافیائی پوزیشن کے لحاظ سے صرف برطانیہ اور فرانس ہی سے اپنے تعلقات استوار کر لینا کافی نہیں تھا بلکہ یہ بھی ضروری تھا کہ جو رشتہ سویٹ روس سے قائم چلا آتا ہے اسے بھی برقرار رکھا جائے چنانچہ جب برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ترکی اتحاد کا مسئلہ اٹھا تو ترکی نے فوراً اس بارے میں سویٹ روس سے مشورہ کیا اور ترکی کے وزیر خارجہ سراج اوغلو خود اس سلسلہ میں گفت و شنید کرنے ماسکو گئے۔ ابتداءً اس گفتگو کا انداز مخلصانہ تھا اور اسی کی بناء پر یہ خیال تھا کہ شاید سویٹ روس بھی ترکی کی وساطت سے برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ہو جائے یا کم سے کم ترکی پر ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے کی تجدید کرے لیکن جرمنی کے دباؤ کے باعث یہ دونوں قیاس غلط ہو گئے اور ترکی اور روس کے تعلقات میں

ہلکی سی تلخی پیدا ہو گئی۔

اصل میں سویٹ روس کے لئے ترکی، برطانیہ اور فرانس کے اتحاد میں درۂ دانیال کا مسئلہ سخت پریشانی کا باعث بنا ہُوا تھا "مونٹ رے کانفرنس" میں جب ترکی کو دوبارہ درۂ دانیال پر قبضہ دیا گیا تھا تو نئے معاہدہ میں ایک دفعہ (۱۹) یہ بھی رکھی گئی تھی کہ جنگ کی صورت میں اگر ترکی غیر جانبدار رہے یا کسی ایسے معاہدہ کی تکمیل میں امداد کا وعدہ کرے جو دو ملکوں کے درمیان کسی غیر قوت کے حملے کی صورت میں ایک دوسرے کی فوجی مدد کرنے کے متعلق طے پائے تو ترکی ان ملکوں کے جنگی جہازوں کے لئے درہ دانیال کھُلا رکھے گا۔ اس دفعہ کو خود سویٹ روس بھی تین برس پہلے مونٹ رے کانفرنس میں تسلیم کر چکا تھا لیکن اب جرمنی کے دباؤ کے باعث وہ اس دفعہ میں تبدیلی چاہتا تھا اور اسپر مصر تھا کہ ترکی جنگ کی صورت میں ان سب غیر ملکی جہازوں کے لئے درۂ دانیال بند کر دے جو سویٹ روس کے حریف سمجھے جاتے ہوں خواہ یہ جنگی جہاز کسی اور ملک کی امداد ہی کے لئے بحیرہ اسود میں کیوں نہ جا رہے ہوں۔

اوّل تو اس دفعہ میں تبدیلی مونٹ رے کانفرنس کی صریح خلاف ورزی تھی لیکن اگر اس تبدیلی کو کسی وجہ سے تسلیم بھی کر لیا جاتا تو ترکی کی حیثیت روس کے ایک بے اختیار سنتری کی سی ہو جاتی کہ روس جسکو چاہے اپنے سنتری کی معرفت درۂ دانیال میں گذرنے دے اور جس کو چاہے روک دے ظاہر ہے کہ ترکی اس صورت حال کو کسی طرح لینے لئے پسند نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ سراج اوغلو نے روس کی اس تجویز کو پیش ہوتے ہی ٹھکرا دیا اور اسپر مزید غور کرنے تک سے انکار کر دیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ روس اور ترکی کے تعلقات میں ہلکی سی تلخی پیدا ہو گئی اور ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے کی تجدید ملتوی کر دی گئی۔

ترکی نے برطانیہ اور فرانس سے اتحاد پیدا کرنے کی خاطر اپنے قدیم رفیق دوس کو کیوں ناراض کیا؟ یہ سوال ہے جو یہاں قدرتی طور پر پیدا ہوجاتا ہے لیکن اسکا جواب مشکل نہیں جن حالات کے ماتحت ترکی برطانیہ اور فرانس میں اتحاد ہوئے ہیں ان میں اس سوال کا حل بھی موجود ہے۔

ترکی جمہوریہ کے استحکام کے بعد کمال اتاترک کی رہنمائی میں اس کی خارجہ پالیسی یہ متعین کی گئی تھی کہ یورپ کے ہر ملک سے دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں خصوصاً ریاستہائے بلقان میں اتحاد پیدا کرکے ان کی ایک ایسی مضبوط لڑی بنائی جائے تاکہ آئندہ یورپ کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اپنے مفاد کی خاطر بلقان کی کسی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کو شکار نہ بنا سکے۔ اسی کے ساتھ مشرق کی چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کو بھی ایک رشتہ میں منسلک کرکے ان کا متحدہ محاذ بنا دیا جائے۔ تاکہ آڑے وقت میں یہ ساری ریاستیں ایک ہوسکیں۔ ترکی جمہوریہ کی اس حکمتِ عملی کا مفاد اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا کہ خود ترکی جمہوریہ کی سلامتی کی ضمانت ہوسکے۔ اور آئندہ کمزور ملکوں پر کسی طاقتور حریف کو چڑھ دوڑنے کی ہمت نہ پڑے۔

ترکی جمہوریہ کی اس اسکیم کا ایک جزو ان کی زندگی میں مکمل ہوگیا مشرق کی اسلامی ریاستیں، عراق، ایران، مصر اور افغانستان معاہدۂ سعد آباد کے ذریعہ ایک رشتہ میں منسلک ہوگئیں لیکن اس اسکیم کا اہم ترین جزو جو بلقان کی ریاستوں میں اتحاد پیدا کرنے کے متعلق تھا ابھی پورا نہ ہونے پایا تھا کہ ہٹلر اور مسولینی کی جارحانہ سیاست نے اس کی تکمیل کو ناممکن بنا دیا۔

ہٹلر آسٹریا، سوڈیٹن لینڈ اور چیکوسلاویکیہ کو ہضم کرکے پولینڈ کی طرف بڑھا، مسولینی نے حبشہ کے بعد بلقان کی ایک چھوٹی سی ریاست البانیہ کو ہڑپ لیا یوگوسلاویہ نے جو اندرونی اختلافات کے باعث کمزور ہورہا تھا "غیر جانبداری" کے

پردے میں پناہ لے لی ۔ بلقان کی دوسری ریاستوں بلغاریہ اور رومانیہ میں جرمنی اور اٹلی کی سازشیں زور پکڑ گئیں ۔ اور ان میں اور ترکی میں اپنے بچاؤ کی خاطر کسی اتحاد کا سوال ہی خارج از بحث ہو گیا، ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہوئی کہ روس جس پر ترکی آڑے وقت میں بھروسہ کر سکتا تھا جرمنی سے شدید اختلافات کے باوجود ان کی طرف جھک گیا ۔

ترکی پر مدت سے اٹلی اور جرمنی کا دانت تھا اٹلی اناطولیہ کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا اور ہٹلر قیصر جرمنی کی طرح ترکی کے راستے مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ میں اپنا اثر جمانا چاہتا تھا ۔ ظاہر ہے کہ ترکی تنہا ان دونوں دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اسکا پرانا رفیق روس بھی اُسکے دشمنوں کے ساتھ ہو گیا تھا اسلئے اسے اپنی آزادی اور اپنے مفاد کی حفاظت کی خود ہی فکر کرنی ضروری تھی جرمنی سے وہ رشتہ جوڑ نہیں سکتا تھا اُسلئے کہ جرمنی کا اپنا مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک وہ ترکی کی آزادی کو کچل نہیں دیتا، اٹلی سے اتحاد کرنا بے معنی تھا اسلئے کہ خود اٹلی کے عزائم ترکی کے قومی وجود سے برابر ٹکراتے رہے تھے ۔ اور البانیہ فتح کرنے کے بعد براہِ راست ترکی اور یونان پر زد پڑ رہی تھی ۔ روس پر ایسے وقت میں وہ بھروسہ کر نہیں سکتا تھا اسلئے کہ جرمنی سے "سودا" کر چکنے کے بعد اس کی توقع ہی نہ تھی کہ سویٹ روس یوروپ میں ہٹلر کے عزائم کی مخالفت کر سکیگا ایسی نازک صورت میں ترکی کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہو سکتا تھا اور وہ یہ کہ ایسی قوتوں سے ترکی اپنا رشتہ جوڑے جنکا خود اپنا مفاد جنوب مشرق یوروپ اور مشرق قریب سے وابستہ ہو اور جو بحیرۂ ایجین بحیرۂ روم اور مشرق قریب میں جرمنی اور اٹلی کے اثر کا مقابلہ کر سکیں، یہ قوتیں ظاہر ہے کہ برطانیہ اور فرانس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی تھیں یہی وجہ ہے کہ سویٹ روس

کی مرضی کے خلاف ترکی محض اپنی حفاظت کی خاطر ان دونوں ملکوں سے اتحاد کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

ترکی کے علاوہ یونان کی جغرافیائی پوزیشن بھی جرمنی اور اٹلی دونوں کے لئے یکساں اہمیت رکھتی تھی، جرمنی اور اٹلی اس پر قبضہ کر کے بحیرۂ ایجین اور بحیرۂ روم کے مشرقی کونہ پر اپنا اقتدار جما سکتے تھے اور یہیں سے بیٹھے بیٹھے وہ ترکی پر بھی شہ ڈال سکتے تھے چنانچہ مدت سے مولینی سالونیکا کو یونان سے چھین لینے کے منصوبے باندھتا رہا تھا تاکہ وہاں اٹلی کا ایک زبردست بحری مرکز قائم کر کے سلطنت اٹلی کی بنیادوں کو مضبوط کر دے اور بلقان کی ریاستوں کو بے بس بنا کر یکے بعد دیگرے اپنے قبضہ میں لیتا چلا جائے۔ اپنے اس منصوبے کو پورا کرنے کی پہلی سنجیدہ کوشش اس نے البانیہ کی فتح کے بعد کی تھی لیکن اس کوشش میں اسے یونانی نوجوں کی تیاری کے باعث سخت ناکامی ہوئی یونان جو اٹلی کے ارادوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اٹلی یا اس کے دوست جرمنی پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

علاوہ اس کے تھریس اور بحیرہ ایجین میں یونان اور ترکی کا مفاد مشترک تھا۔ اور اسی مفاد مشترک کی بنیادوں پر سنہ ۱۹۲۳ء سے ان دونوں میں ایک نہ ٹوٹنے والا دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا تھا اور اسی دوستی کی بنا پر آڑے وقت میں یونان ترکی پر اور ترکی یونان پر پورا پورا بھروسہ کر سکتے تھے۔

اسی کے ساتھ برطانیہ اور یونان کا بہت پرانا ساتھ تھا اور یونان کو بحیرۂ روم اور مشرق قریب میں برطانیہ کی طاقت پر اعتماد بھی تھا اسلئے جب برطانیہ نے اپریل سنہ ۱۹۳۹ء میں رومانیہ اور رومانیہ کے ساتھ یونان کی حفاظت کی

ضمانت کرلی تو یونان نے اسے شکرگذاری کے ساتھ قبول کرلیا اور ترکی اور برطانیہ کے سہارے اپنی آزادی کو بچانے کی خاطر جرمنی اور اٹلی کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔

اس طرح ترکی برطانیہ، فرانس اور یونان کے اتحاد سے جنوب مشرقی یورپ اور بحیرۂ روم میں جرمنی کے خلاف ایک ایسا محاذ تیار ہو گیا جسے وہ آسانی سے توڑنے کی ہمت نہ کرسکتا تھا۔

باب ۲۳

بحیرۂ بالٹک میں سویٹ غلبہ

پولینڈ کے مال غنیمت کی تقسیم کے بعد (جس میں ایک لاکھ ۹۶ ہزار مربع کلومیٹر رقبہ اور ایک کروڑ ۳۰ لاکھ کی آبادی سویٹ روس کے حصہ میں آئی) بالٹک کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں، استھونیا۔ لٹویا۔ لتھونیا کیطرف روس کی توجہ منعطف ہوگئی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد سے یہ ریاستیں اپنا آزاد وجود رکھتی تھیں اور سویٹ روس کے پڑوس میں آباد ہونے کے باوجود سویٹ طرز حکومت سے قطعی غیر متاثر، جمہور پسند نظام حکومت کی پابند تھیں، ان ریاستوں کے آزاد وجود سے سویٹ روس کو ۱۹۱۹ء کے بعد سے کسی خطرے کا احساس نہیں ہوا اور نہ ان ریاستوں کے طرز حکومت سے اُسے کوئی شکایت پیدا ہوئی لیکن نصف پولینڈ پر قبضہ کرتے ہی سویٹ روس کو یکایک اپنی بالٹک کی سرحدات کی حفاظت کا خیال آیا اور اس نے ان ریاستوں میں اپنی بحری بری اور فضائی فوج کے لئے چند مرکزوں کا مطالبہ کر دیا

اگرچہ ان ریاستوں سے سویٹ روس کا یہ مطالبہ اصولاً غلط اور غیر معقول سا تھا لیکن ان ریاستوں میں چونکہ اسقدر دم نہیں تھا کہ اپنی اس طاقتور ہمسایہ سلطنت کو چیلنج کر سکتے اس لئے ان تینوں ریاستوں کو سویٹ روس کے مطالبہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینے کے سوا چارہ نہ رہا۔

۲۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو روس اور استھونیا کے درمیان ایک معاہدہ ہُوا جس کی رُو سے روس کو خلیج ریگا کے دہانے پر دو جزیرے " ردسل " اور " ڈاگو " پر دیئے گئے۔ اور استھونیا کے اندرونی علاقہ میں دو سوئٹ ہوائی مرکز قائم کرنے اور ۲۵ ہزار سوئٹ فوج رکھنے کی اجازت دی گئی۔

۵ اکتوبر ۳۹ء کو روس اور لٹویا کا معاہدہ ہُوا اس معاہدہ کی رُو سے سوویٹ روس کو " لیباو اور ونڈو " میں بحری مرکز قائم کرنے، لٹویا کے ساحل پر مناسب مقامات پر توپیں گاڑنے اور اندرونی علاقے میں " مناسب تعداد میں " سوئٹ فوجیں رکھنے کی اجازت مِل گئی۔

اسی طرح ۱۲ اکتوبر ۳۹ء کو لتھونیا سے بھی ایک معاہدہ ہُوا اور اس معاہدے کے ذریعہ لتھونیا کے علاقے میں کئی مقامات پر ہوائی مرکز اور سوئٹ فوجی چھاؤنیاں قائم کرنے کی اجازت حاصل کر لی گئی۔

یہ مطالبات سوئٹ روس نے جسقدر جلد ان ریاستوں سے منوائے تھے اسی قدر تیزی سے اس نے اپنی فوجیں بھی ان ریاستوں میں بھیجدیں، اور مطالبات پیش کرنے کے پندرہ دن کے اندر اندر ان ریاستوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا

سوویٹ روس کا اثر قائم ہونے کے علاوہ ان ریاستوں میں ایک اچنبے کی بات بھی ہوئی وہ یہ کہ استھونیا، لٹویا اور لتھونیا میں جسقدر جرمن آباد تھا ان سب کو جرمن رائش کے حکم سے یہ ریاستیں چھوڑنی پڑیں ان ریاستوں میں جو جرمن قرنوں سے آباد تھے یہاں ان کے بڑے کاروبار، جائدادیں اور زمینداریاں تھیں یہ سارے کاروبار، زمینداریاں اور جائدادیں وہ قیمتاً فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے اور اسقدر تیزی سے اپنا کاروبار سمیٹ کر انہوں نے ان ریاستوں سے ہجرت

شروع کردی کہ سویٹ روس کی فوجوں کے ان ریاستوں میں اپنے فوجی مرکزوں پر پہنچنے تک جرمنوں سے میدان بالکل صاف ہو چکا تھا ۔

بالٹک کے ساحلی علاقوں سے جرمنوں کا اسقدر تیزی سے ہجرت کر جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ اسکے متعلق بھی سویٹ روس اور جرمن رائش میں پولینڈ کی طرح پہلے ہی سے کوئی معاہدہ طے ہو چکا تھا لیکن جرمنوں کی اس ہجرت سے چونکہ جرمنی کا کھلا ہوا نقصان تھا اسلئے یہ خیال نہیں ہو سکتا تھا کہ ہٹلر نے یہ نقصان بھی محض سویٹ روس سے معاہدے کی خاطر اُٹھایا تھا بلکہ اندازہ یہ تھا کہ بالٹک میں روس کو پھیل جانے کی اجازت دیکر کوئی اور جگہ اس نے اپنے لئے مخصوص کر لی تھی اور وہ جگہ غالباً بلقان ہو سکتی تھی جہاں کی خام پیداوار کی جنگ کو طویل عرصہ تک جاری رکھنے کے لئے ہٹلر کو بڑی ضرورت تھی ۔

استھونیا، لٹویا اور لتھونیا سے جرمنوں کو نکالکر اور وہاں اپنے فوجی مرکز قائم کر لینے کے بعد سویٹ روس کو بالٹک کے مشرقی کنارے کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا لیکن اپنی شمالی سرحد کو محفوظ رکھنے اور بحیرۂ بالٹک پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے اسے کچھ اور مقامات اور جزیروں کی ضرورت تھی اور انہیں وہ بالٹک کی ایک اور ریاست "فن لینڈ"[۵] سے حاصل کرنا چاہتا تھا ۔ چنانچہ سویٹ اخباروں نے فوراً ان مقامات

---

۵ فن لینڈ کبھی سویڈن سے ملحق تھا اس کے بعد روس کا ایک صوبہ قرار پایا ۱۹۱۷ء میں جب روس میں بغاوت ہوئی اور وہاں بالشویک حکومت قائم ہو گئی تو فنلینڈ نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا، بالشویک حکومت نے اس کے خلاف اپنی فوجیں بھیجدیں اور اسکی آزادی کو کچل دینا چاہا لیکن فن لینڈ نے جم کر بالشویک روس کا مقابلہ کیا اور جرمنوں کی مدد سے بالآخر بالشویک حملے کو

(باقی صفحہ ۱۶۵ پر)

کے لئے پروپیگنڈا شروع کر دیا اور سوئٹ حکومت نے سرکاری طور پر "دوستانہ گفت و شنید" کے لئے فن لینڈ کے نمائندوں کو ماسکو طلب کر لیا۔

سوئیٹ روس نے فن لینڈ سے خلیج فن لینڈ کے کچھ جزیرے پٹے پر لے لئے تھے، جہاں وہ اپنا بحری مرکز قائم کرنا چاہتا تھا۔ بحیرۂ منجمد کی بندرگاہ "پٹسامو" کا مطالبہ کیا تھا اور فن لینڈ کی جنوبی سرحد کا علاقہ " کرالیا" معاوضہ کے ساتھ طلب کیا تھا۔

روس کو خیال تھا کہ بالٹک کی اور ریاستوں کی طرح فن لینڈ بھی روس کے مطالبات کے آگے سر خم کر دیگا لیکن سوئیٹ روس اور فنلینڈ کے نمائندوں میں کئی دن کی گفتگو کے بعد بھی جب کوئی نتیجہ نہ نکل سکا تو سوئیٹ روس نے فن لینڈ کی حکومت کو دھمکانا شروع کر دیا جس کے بعد آپس کی گفت و شنید کا سلسلہ ہی ٹوٹ گیا اور فن لینڈ اپنے علاقہ کو اس طاقتور دشمن کی دست برد سے بچانے کی خاطر میدانِ جنگ میں اتر آیا۔

سوئیٹ روس نے فن لینڈ سے جس عذر کے ماتحت یہ مطالبے کئے تھے دولِ یوروپ اور امریکہ کے نزدیک سوئیٹ روس کا وہ عذر صحیح نہ تھا۔ اس میں شک

(بقیہ صفحہ ۱۶۴) لپسپا کر دیا۔ اس مرحلہ کے بعد سے "فن لینڈ" کی آزادی پر پھر کوئی آنچ نہیں آئی، طرزِ حکومت اس ریاست کا جمہور پسند ہے، بالشویک عقائد اور اصولوں سے نہ صرف اُسے کوئی لگاؤ نہیں بلکہ یہ ان کا مخالف ہے ناروے اور سوئڈن کی حکومتوں سے جو اسکی ہمسایہ ہیں اس کے نہایت اچھے تعلقات ہیں اور دول یورپ میں بھی اس کی ساکھ بہت اچھی ہے۔ (مولف)

نہیں فن لینڈ سیاسی عقائد کے اعتبار سے سویٹ روس کے قریب تر نہ تھا لیکن اس نے اس اختلاف کے باعث سویٹ روس کو پچھلے بیس برس میں کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا نہ اس نے کبھی سویٹ روس کے کسی علاقے کی خواہش کی اور نہ ربط ہمسائگی کو کسی انداز سے مجروح کیا، کرالیا کا علاقہ جس کی جنوبی سرحد سے "لنن گراڈ" صرف بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اس سے پہلے سویٹ روس کے وجود کے لئے کبھی خطرناک نہیں سمجھا گیا۔ اور نہ اس بیس برس کے اندر کبھی سویٹ روس نے اس علاقہ کے متعلق کوئی سوال اٹھایا، اگر سویٹ روس کو فن لینڈ کی سرحد کے اس قدر قریب واقع ہونے سے کوئی خطرہ تھا تو اسے اس قضیہ کو بہت پہلے اٹھانا چاہیے تھا۔ روس اور جرمنی کے معاہدہ کو وجہ بنا کر ایک امن پسند چھوٹی سی ریاست کو جو اس جنگ میں کسی طرف بھی شامل نہیں تھی اسطرح دبانا اور اس سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا حد درجہ قابلِ اعتراض بات تھی جسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ جب فنلینڈ اور سویٹ روس کے درمیان ان مقابات کے لئے گفت وشنید جاری تھی تو دول یوروپ اور امریکہ کی ہمدردیاں فن لینڈ کے ساتھ ہوگئیں اور سوئٹ روس کی اس قابو چیانہ حرکت کی ہر طرف سے مذمت کیگئی۔ اس سے اخلاقی طور پر فن لینڈ کو بڑی تقویت پہنچی اور سوئٹ روس کے مقابل اس کے حوصلے بڑھ گئے

سوئٹ روس کے ان مطالبات کا اثر فن لینڈ کی ہمسایہ ریاستوں سویڈن، ناروے اور ڈنمارک پر بھی پڑا اور انہیں یہ اندیشہ ہو گیا کہ اگر سوئٹ روس کے مطالبات کی رفتار یہی رہی تو وہ خود بھی اسکی زد سے نہ بچ سکیں گے چنانچہ اسی دوران میں جب کہ فن لینڈ اور روس کے درمیان گفت وشنید جاری تھی

سوئیڈن کے پایۂ تخت "اسٹاک ہوم" میں ان تینوں ریاستوں کے بادشاہ اور فن لینڈ کے پریسیڈنٹ کی ایک کانفرنس بھی ہوئی جس میں خلیج فن لینڈ کے جزائر روس کو پٹے پر دینے کی شدید مخالفت کی گئی اس لئے کہ اگر یہ جزائر روس کے قبضہ میں چلے جائیں تو اس سے سوئیڈن کو سب سے زیادہ خطرہ پیدا ہو جاتا تھا اور سوئیڈن کے بعد ناروے اور ڈنمارک پر بھی اسکی زد آتی تھی اور ان تینوں ملکوں کے تجارتی اور کلچرل تعلقات پر بھی اسکا اثر پڑتا تھا۔ اس کانفرنس میں فن لینڈ کی امداد کے سوال پر بھی بحث ہوئی لیکن اسکا کوئی مناسب حل نہ نکل سکا۔

آپس کی مصلحتیں اور دوسرے ملکوں سے ان ریاستوں کے سیاسی تعلقات اس نتیجہ پر پہنچنے میں حارج تھے، علاوہ اس کے اس وقت یورپ کی عام ذہنیت ہی یہ تھی کہ "غیر جانبداری" کے اعلان کے ساتھ اپنے آپ کو اور اپنے ملک کو جنگ کے خطرات سے بچا لیا جائے۔ چنانچہ بالٹک کے ان چاروں ریاستوں کے فرمانرواؤں کی کانفرنس بھی ۲۰ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو اس طرح پر ختم ہو گئی کہ فن لینڈ کے ساتھ اسکی ہمسایہ سلطنتوں کو ہمدردی ضرور تھی لیکن فن لینڈ کی خاطر کوئی ریاست جنگ کے خطرات میں گھرنے کو تیار نہیں تھی بلکہ اس کانفرنس کے بعد سوئیڈن اور ناروے نے اپنی "غیر جانبداری" کا اعلان کر دیا اور فن لینڈ کو اپنے طاقتور دشمن سے خود ہی بھگتنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

باب ۲۴

فن لینڈ سے روس کی جنگ — اور صلح!

جب سوئٹ روس کو گفت وشنید کے ذریعہ فن لینڈ سے اپنے مطالبات منوا لینے میں ناکامی ہوئی تو بالآخر اس نے فن لینڈ پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اس آخری کارروائی کے لئے سوئٹ روس پہلے سے تیار نہیں تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اُسے یہ توقع ہی نہ تھی کہ فن لینڈ جیسی حقیری ریاست روس جیسی زبردست فوجی قوت کو چیلنج کر سکے گی۔ لیکن جب فن لینڈ نے اس کی توقعات کے خلاف روسی مطالبات کو ٹھکرا دیا تو روس کے لئے اسقدر آگے بڑھ آنے کے بعد پیچھے ہٹ جانا ناممکن ہو گیا اسمیں سوئٹ روس کے وقار کو بھی صدمہ پہنچا تھا اور بات اُٹھنے کے بعد آئندہ روس کی مشرقی سرحدات کی حفاظت کی ضمانت بھی نہیں ہو سکتی تھی اسلئے سوئٹ روس کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ فنلینڈ کی اس خودداری کو کچل دے جو براہِ راست سوئٹ روس کے وقار کو مجروح کر رہی تھی اگرچہ فنلینڈ پر حملہ کرنے کے لئے سوئٹ روس کے پاس یہ بہانہ موجود تھا کہ اس ریاست نے اس کے مطالبات کو ماننے سے انکار کر دیا لیکن سوئٹ روس چونکہ اپنے مطالبات کی معقولیت نہیں منوا سکا تھا اسلئے اُسے فنلینڈ سے جنگ شروع کرنے کے لئے ایک اور عذر کی تلاش ہوئی اور یہ عذر ۲۶ نومبر ۱۹۳۹ء کو سوئٹ روس نے خود ہی گھڑ لیا، اس تاریخ کو کریلیا کی سرحد سے ملی ہوئی روسی سرحد پر یکایک کچھ بندوقیں چلیں، دوسرے دن سوئٹ روس نے اس حادثہ کا ذکر کرتے ہوئے فن لینڈ سے مطالبہ کیا کہ اپنے

سرحدی محافظ دستے کرالیا کی سرحد کے پرے ہٹا لے، تیسرے دن مولوٹاف نے ایک تقریر براڈ کاسٹ کی جس میں اپنی بحری بری اور فضائی فوجوں کو تیار رہنے کا حکم دیا اور چوتھے دن یعنی ۳۰ نومبر ۱۹۳۹ء کو سویٹ روس نے اسی عذر کے ماتحت فن لینڈ کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا۔

اعلان جنگ کے بعد فن لینڈ کی موجودہ حکومت میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اسٹالن نے ہٹلر کی تقلید میں یہ چال چلی کہ اپنے زیر سایہ کرالیا کے علاقہ میں ایک بدنام انقلابی "اوٹو کوسنن" کی ماتحتی میں فن لینڈ کے عوام کی حکومت کے نام سے ایک حکومت بنا ڈالی اور اعلان کر دیا کہ وہ حکومت جو "ہلسنکی" میں قائم ہے فن لینڈ کی نمائندہ حکومت نہیں ہے، سویٹ روس صرف نئی حکومت کو تسلیم کریگا اور اس حکومت کی درخواست پر فن لینڈ ملک کو "غاصبوں" سے نجات دلائے گا۔

سوئٹ روس کی اس چال کا اثر فن لینڈ کی حکومت پر تو پڑا نہیں البتہ فنلینڈ کی ہمسایہ حکومتوں میں خصوصاً سویڈن اس سے بہت متاثر ہوئی۔ یہاں عوام کے جذبات سویٹ روس کے خلاف بھڑک اٹھے اور انہوں نے اپنی حکومت کو مجبور کرنا شروع کر دیا کہ وہ اس موقع پر فن لینڈ کی حمایت کا اعلان کر دے لیکن عین اسوقت جبکہ سویڈن میں فنلینڈ سے عملی ہمدردی کا جذبہ تیزی سے بڑھ رہا تھا جرمنی نے سویڈن پر دباؤ ڈالا اور اُسے غیر جانب دار رہنے پر مجبور کر دیا یہی صورت ناروے میں پیدا ہوئی اور یہ دونوں ملک فن لینڈ کی مدد کرنے کے بجائے اپنی سرحدوں کو مضبوط کرنے میں مصروف ہو گئے البتہ سویڈن اور ناروے سے فنلینڈ کو رقمی اور والنٹیروں کی امداد ملنی شروع ہو گئی لیکن والنٹیروں کی مدد بھی کچھ دنوں بعد جرمنی کے اثر سے بند کر لی پڑی اور فن لینڈ کو سویڈن اور ناروے سے صرف رقمی امداد کا سہارا

رہ گیا۔ اس موقع پر امریکہ نے بھی فن لینڈ کی رقمی امداد کی اور وہاں کے عوام کی اخلاقی ہمدردیاں فن لینڈ کے ساتھ ہوگئیں۔ سویڈن اور ناروے کے علاوہ برطانیہ اور فرانس نے بھی فن لینڈ کی فوجی مدد کرنی چاہی لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ ناروے اور سویڈن برطانوی فوجوں کو اپنے ملک سے راستہ دینے کو تیار نہ ہوئے اور چونکہ بغیر ان دونوں ملکوں کی مدد کے برطانیہ یا فرانس کی فوجیں فن لینڈ پہنچ نہیں سکتی تھیں اسلئے یہ تجویز بھی فن لینڈ کی حمایت میں بے اثر رہی اور غریب فن لینڈ اپنے طاقتور دشمن سے نمٹنے کے لئے بالکل تنہا رہ گیا۔

یہ وقت فی الحقیقت فن لینڈ کے لئے بہت نازک تھا، روس جیسی زبردست سلطنت سے جو بے حساب فوجوں اور آلاتِ جنگ کی مالک تھی فن لینڈ جیسی چھوٹی ریاست کا جو ہر اعتبار سے کمزور تھی مقابلہ کرنا خودکشی کے مرادف تھا۔ لیکن فن لینڈ کے قوم پرست غلامی کی زندگی کے مقابلہ میں آزادی کی موت کے لئے آمادہ تھے ان کے پیشِ نظر مصلحتوں کے بجائے اپنی خودداری تھی جس کو وہ ہر قیمت پر برقرار رکھنے کے لئے تیار تھے۔

فنلینڈ کی فوجوں میں یہ جذبہ عام تھا اور اس کے محرک فنش فوجوں کے کمانڈر انچیف "بیرن فان منر ہائم" تھے جو روسی انقلاب سے پہلے زار کی فوج میں جنرل تھے اور بالشویک عقائد کے سخت مخالف تھے جب روس میں بالشویک انقلاب کامیاب ہوگیا تو بیرن روس سے چھپ کر اپنے وطن فنلینڈ بھاگ آیا یہاں اس نے فنلینڈ کی آزادی کی تحریک اٹھائی اور بالشویک فوجوں سے لڑ کر اس نے فن لینڈ کو بالشویک اثر سے آزاد کرالیا فنلینڈ کی آزادی حاصل کرنے کے بعد اس ریاست کو جمہوریت پسند لائن پر چلانے میں جنرل منرہائم نے بڑی مدد کی اور اپنی خوش تدبیری سے یورپ اور امریکہ میں فنلینڈ کی ساکھ قائم کردینے میں کامیاب ہوگیا۔

بیرن خان منرہائم نے فن لینڈ کی حفاظت کے لئے جنوب مشرق میں روسی سرحد کے بالمقابل "مازِ نو لائن" کی طرح زمین دوز قلعوں کا ایک سلسلہ بھی بنایا تھا جو منرہائم لائن "کے نام سے مشہور تھا اسی منرہائم لائن" پر روسیوں اور فنش فوجوں کا مقابلہ ہوا اور یہی جنرل اس مقابلہ میں فنش فوجوں کا کمانڈر انچیف تھا

سوویٹ روس نے جواب ہر قدم پہ ہٹلر کے اصولوں کی تقلید کرتا ہوا معلوم ہورہا تھا ایک ساتھ آٹھ مقامات سے فن لینڈ پر چڑھائی کردی اور ساتھ ہی فضائی اور بحری حملے بھی فن لینڈ پر شروع کر دئیے گئے۔ یہ لڑائی کا وہی انداز تھا جو ہٹلر نے پولینڈ میں اختیار کیا تھا لیکن فن لینڈ میں روس کو اس انداز میں کامیابی نہ ہوسکی۔ ایک تو فنش فوجیں خود نہایت جی داری سے لڑیں اور تعداد میں صرف دو لاکھ ہونے کے باوجود اپنی بہادری سے دشمنوں کے ٹڈی دل میں گھبراہٹ پھیلادی دوسرے روسی فوجیں جو ان کے مقابل تھیں وہ فوجی تربیت کے اعتبار سے ان سے بہت پست تھیں اور خود روسی افسر بھی اس قابل نہیں معلوم ہوتے تھے کہ منرہائم کی جنگی چالوں کا مؤثر جواب دے سکتے[۵] نتیجہ یہ ہوا کہ روس کو آٹھوں محاذوں پر پست ہونا پڑا اور شمالی اور جنوبی محاذ پر تو شکست پہ شکست کھانی پڑی۔ ہزاروں کی تعداد میں روسی ان حملوں میں کام آگئے کچھ فنی فوجوں کے آتشیں اسلحہ کے نذر ہوئے اور کچھ برف میں دب کر مر گئے کامل ایک مہینہ اسی طرح لڑائی کا گذر گیا اور روسی فوجیں فنی مورچوں کو نہ توڑ سکیں۔

---

[۵] روسی فوجوں میں یہ کمزوری اسلئے پیدا ہو گئی تھی کہ اسٹالن نے کچھ ہی دنوں پہلے بہت سے تجربہ کار اور آزمودہ فوجی جنرلوں کا بغاوت کے الزام میں صفایا کردیا تھا اور انکی جگہہ ایسے ناتجربہ کار افسر مقرر کرنے پڑے تھے۔ اسی کے ساتھ سپاہیوں کی تنظیم نئے "سوویٹ انداز" پر کی گئی تھی لیکن ابھی یہ تربیت مکمل نہ ہوسکی تھی اور نہ سپاہی اس انداز سے مانوس ہوئے تھے۔ (مؤلف)

روس کے مقابل فن لینڈ کی اس غیر متوقع کامیابی نے دنیا کو حیرت میں ڈالدیا
روس کے وقار اور فوجی قابلیت پر ایک کاری ضرب لگی اور فنش فوجوں کے حوصلے بڑھ گئے

لڑائی کے دوسرے مہینے روسی فوجوں کو متواتر کمک پہنچتی رہی اور وہ محض اپنی تعداد کے بل پر فنلینڈ کی سرحد میں گھس آئیں لیکن فنش فوجوں کو زیر کرنے میں اب بھی انہیں کامیابی نہ ہوسکی - جھیل لڈوگا کے گردونی اور روسی فوجوں میں کئی زبردست معرکے پڑے لیکن ہر معرکہ میں روسیوں کو نقصان اُٹھانا پڑا اندازہ ہے کہ صرف دو مہینہ کی جنگ میں روسیوں کو اپنے ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں سے ہاتھ دھونے پڑے اور ان کے مقابل صرف دس ہزار سپاہی فن لینڈ کے کام آئے -

میدان جنگ میں ناکامی کی کسر سویٹ روس نے فن لینڈ کے آباد شہروں اور بندرگاہوں پر بمباری کے ذریعہ نکالی ان مقامات پر بہت سے شہری اس بمباری سے ہلاک اور بہت سی عمارتیں تباہ وبرباد ہوگئیں - لیکن فنش فوجوں کے حوصلوں میں اس سے کوئی فرق نہ آیا وہ اسی طرح دشمن کے مقابل ڈٹی رہیں فنش فوجوں کا یہ عزم روس اور جرمنی دونوں کے لئے پریشان کن تھا روس کا وقار تو فنلینڈ کے عزم کے آگے خاک میں مل چکا تھا - جرمنی کو یہ اندیشہ تھا کہ فن لینڈ کی اس جی داری کا کہیں یورپ کے دوسرے غیر جانبدار ملکوں پر جن کو وہ اپنا شکار بنانا چاہتا تھا اثر نہ پڑے - اسلئے جرمنی نے اس موقع پر روس کو اپنے بہت سے فوجی انجنیر اور کچھ جنرل بھیجے تاکہ وہ روسیوں کی "مشینی فوجوں" کی فنش فوجوں کے خلاف قیادت کریں - اور روسی فوجوں کو مزید شکستوں سے بچالیں اسی کے ساتھ سویٹ روس نے اپنی وسطی ایشیا کی تین لاکھ مزید تازہ دم فوجیں بھی فن لینڈ کے جنوبی محاذ پر بھیجدیں اور اسطرح روس کے ساتھ جرمنی کو پورے طور پر فنش قضیہ کو

منانے پر متوجہ ہونا پڑا

فن لینڈ کے خلاف روسیوں کے اس بڑھتے ہوئے ٹڈی دل اور جرمنی کی امداد سے سویڈن کو بڑی تشویش ہوئی، اس ملک کو یہ اندیشہ تھا کہ سویٹ سیلاب کہیں فن لینڈ کو بہاتا ہوا خود اسکی سرحدوں تک نہ آ پہنچے ـ اس لئے اس نے اپنے طور پر یہ کوشش شروع کر دی کہ اس نوبت پر بھی فنلینڈ اور روس میں صلح ہو جائے اور فنلینڈ مزید تباہی سے بچ جائے ورنہ اگر کہیں سویٹ فوجوں کو فنلینڈ میں کوئی فتح حاصل ہوگئی تو نہ صرف فن لینڈ کا وجود ہی ختم ہو جائے گا، بلکہ فن لینڈ کے ہمسایہ ممالک کو بھی سویٹ خطرے سے دو چار ہونا پڑیگا ـ سویڈن نے ایک طرف فنلینڈ پر صلح کے لئے دباؤ ڈالا اور دوسری طرف اس نے روس سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کر دی فن لینڈ اس نوبت پر سویڈن کی خواہشِ صلح کو رد نہ کر سکتا تھا کیونکہ اس کو رد کر دینے کے معنی یہ تھے کہ سویڈن کی ہمدردیاں فن لینڈ کے ساتھ ختم ہو جائیں اسلئے مجبوراً اس نے صلح کی حامی بھر لی ـ

چنانچہ ۱۱ مارچ ۱۹۴۰ء کو روس اور فن لینڈ کے درمیان صلح کی گفت و شنید کا اعلان کر دیا گیا ـ اور سوئٹ روس کی دعوت پر حکومتِ فن لینڈ کے نمائندے صلح کی شرائط پر گفتگو کرنے روانہ ہوگئے ـ

تین دن کی متواتر گفت و شنید کے بعد بالآخر شرائط صلح کا اعلان کر دیا گیا اور اس طرح روس اور فنلینڈ کی لڑائی کا خاتمہ ہوگیا ـ شرائطِ صلح اختصار کے ساتھ یہ تھیں ـ

(۱) جسدن اس معاہدہ پر دستخط ہو جائیں اسی دن دوپہر بعد لڑائی بند ہو جائے گی ـ

(۲) فن لینڈ کرالیا کے پورے علاقے جس میں "وابوری" کا شہر بھی شامل ہے اور جھیل لڈوگا کے سارے کنارے سے سویٹ روس کے حق میں دست بردار ہوتا ہے ۔

(۳) دونوں حکومتیں آئندہ ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے اجتناب کرینگی ایسی قوتوں سے بھی سمجھوتہ نہ کریں گی جو کسی فریق کے خلاف ہوں

(۴) فن لینڈ کی جمہوریت "ہانکو" کی بندرگاہ تیس برس کے لئے سویٹ روس کو ۲۵ ہزار پونڈ سالانہ کے عوض پٹہ پر دینا منظور کرتی ہے ۔

(۵) "پٹسامو" کی بندرگاہ کو سویٹ خالی کردیگا لیکن اس بندرگاہ سے آمدورفت رکھنے میں فن لینڈ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا ۔ اس بندرگاہ کو فن لینڈ اپنا قلعہ بند بحری مرکز نہیں بنائے گا ۔

(۶) پٹسامو کے علاقہ سے روسیوں کو ناروے میں آنے جانے کی آزادی حاصل ہوگی اور اس علاقہ میں وہ اپنا فضائی مرکز بھی بنا سکیں گے ۔

(۷) فن لینڈ کی حکومت سویٹ روس اور سویڈن کے درمیان روسیوں .. .. .. کی تجارتی آمدورفت کے حق کو تسلیم کرتی ہے ۔

(۸) اس معاہدہ کے نفاذ کے بعد سویٹ روس اور فن لینڈ کے درمیان اقتصادی تعلقات قائم کرنے کے لئے تجارتی معاہدے کی گفت و شنید شروع کردی جائے گی ۔

(۹) اس معاہدہ پر دستخط کے فوراً بعد یہ معاہدہ نافذ سمجھا جائے گا لیکن اسکی تصدیق بھی طرفین سے ضروری ہوگی جو دستخط کے دس دن کے اندر اندر کردی جائے گی ۔

اس جگہ یہ بتانا بیکار ہے کہ اس معاہدہ کا فنلینڈ کی فوجوں اور فنلینڈ کے عوام پر کیا اثر پڑا انکی فوجیں جو ساڑھے تین مہینے اپنے سے پچاس گنے طاقتور دشمن سے کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتی رہی تھیں اُن کے لئے یہ معاہدہ یقیناً توہین آمیز تھا اسی طرح فن لینڈ کے عوام بھی جنہوں نے سویٹ روس کی بمباری کو نہایت پامردی سے جھیلا تھا اس معاہدے سے خوش نہیں ہو سکتے تھے لیکن اتفاق سے لڑائی کے آخری دور میں حالات ہی کچھ ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ فن لینڈ کو بالآخر دب کر سویٹ روس سے معاملہ کرلینا پڑا اور فتحمندیوں کے باوجود شکست کی تلخی اُسے مجبوراً چکھنی پڑی ۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس معاہدہ کے باوجود فنوں کی اصلی رُوح بدستور باقی رہی اور دُنیا کی نظروں میں ان کا وقار بجائے گھٹنے کے اور بڑھ گیا ۔

اس معاہدہ کے بعد فن لینڈ، سویڈن اور ناروے کی حکومتوں نے آپس میں ایک مدافعتی معاہدہ طے کرنا چاہا لیکن سویٹ روس کے نزدیک اس قسم کا معاہدہ اس کے مفاد کے خلاف تھا اسلئے ان تینوں ملکوں کی آپس میں متحد ہونے کی یہ آخری کوشش بھی بیکار گئی ۔

باب ۲۵

یورپ کی جنگ میں امریکہ کا حصہ

امریکہ میں ہمیشہ سے ایک جماعت ایسی پائی جاتی ہے جو امریکہ کو یورپ کی سیاسی کشمکش سے بالکل علیحدہ رکھنا چاہتی ہے یہ دراصل امریکہ کے قدامت پسندوں کی جماعت ہے جس کے افراد صرف اپنی بنائی ہوئی "دنیا" سے سروکار رکھنا چاہتے ہیں اور "پرانی دنیا" کے جھگڑے بکھیڑوں میں اپنے آپ کو مبتلا دیکھنا پسند نہیں کرتے لیکن مشکل یہ ہے کہ خود امریکہ اور یورپ دونوں کا اقتصادی اور سماجی نظام چونکہ ایک سا واقع ہوا ہے اور اسی باعث دنیا کے بازاروں میں دونوں کا مفاد بھی مشترک ہو گیا ہے، امریکہ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود یورپ کی الجھنوں سے نہ کبھی پہلے اپنے آپ کو بچا سکا اور نہ آئندہ وہ بچنے کی توقع کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی یہ جماعت امن کے زمانے میں تو کافی با اثر اور امریکہ کی سیاست پر حاوی رہتی ہے لیکن زمانہ جنگ میں اسکی عافیت پسندی کو ملک کی اقتصادی اور سیاسی مصلحتوں کے مقابلہ میں کامیابی نہیں حاصل ہوتی البتہ اس جماعت کے وجود سے امریکہ کی جنگی پالیسی میں ایک قسم کا اعتدال ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور اسکا ہر قدم انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ اٹھتا ہے۔

چنانچہ اس موقعہ پر بھی جبکہ یورپ کے حالات تیزی سے بگڑ رہے تھے اور یورپ کے

ڈکٹیٹر پچھلے معاہدات کو چاک کر کے اپنی قوت کے بل پر یوروپ کے قدیم نظام کو یکسر بدل دینے کی کوشش کر رہے تھے امریکہ میں یوروپ کی جمہوریتوں کے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا اور ایسا ہونا قدرتی امر تھا اسلئے کہ خود امریکہ بھی اسی جمہوری نظام کا پابند ہے اور اسی وقت تک اسپر قائم رہ سکتا ہے جب تک اس کے مقابل کسی اور نظام کو تقویت حاصل نہ ہو جائے، گویا امریکہ کا جذبۂ ہمدردی صرف یوروپ کی جمہوریتوں ہی کے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے بھی تھا کہ خود امریکہ کے نظامِ جمہوری پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

ابتداءً امریکہ صرف اخلاقی حیثیت سے یوروپ کی جمہوریتوں کے ساتھ ہمدردی کرتا رہا لیکن جب حالات بالکل بگڑ گئے اور صاف نظر آنے لگا کہ جنگ کے بغیر یہ حالات درست نہ ہو سکیں گے تو امریکہ کو بھی ہونے والی جنگ میں اپنی صحیح پوزیشن متعین کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اس نوبت پر امریکہ کا آزاد خیال کاروباری طبقہ اس کے حق میں تھا کہ اس جنگ میں یوروپ کی جمہوریتوں کی دل کھول کر مدد کی جائے اور امریکہ کے قانون اسلحہ میں اس انداز سے تبدیلی کر دی جائے کہ جمہوریتیں "نقد قیمت" پر امریکہ سے ہتھیار خرید سکیں اور ڈکٹیٹروں کی دست برد سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ لیکن امریکہ کے عافیت پسند اس جنگ میں بالکل غیر جانبدار رہنے پر زور دیتے رہے اُن کی رائے یہ تھی کہ یوروپ کی جمہوریتوں کو خود ہی ڈکٹیٹروں سے بھگتنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا جائے اور امریکہ کسی طرف بھی مداخلت نہ کرے لیکن عافیت پسندوں کا یہ مشورہ مصلحت اندیشوں کو متاثر نہ کر سکا اور کچھ مہینوں کی کوشش کے بعد امریکہ کی غیر جانبداری کے قانون میں اس انداز سے ترمیم ہو گئی کہ یوروپ کی جمہوریتیں جسقدر چاہیں "نقد رقم" ادا کر کے امریکہ کے کارخانوں سے اپنے لئے ہتھیار بنوالیں اور خود ہی اپنے جہازوں میں یہ ہتھیار بھر کر لیجائیں۔ یہ پہلی مدد تھی جو جنگ شروع ہونے کے صرف تین مہینہ کے

اندر امریکہ سے یورپ کی جمہوریتوں کو حاصل ہوئی۔

امریکہ کی کانگریس سے اس قانون کو منوانے کا سہرا دراصل امریکہ کے پریسیڈنٹ مسٹر فرنکلن روسولٹ کے سر تھا۔ مسٹر روسولٹ بذاتِ خود اگرچہ امن پسند واقع ہوئے ہیں لیکن مطلق العنان طرزِ حکومت اور قوت کے بل پر دوسری قوموں کو اپنا غلام بنا لینے کے وہ سخت مخالف ہیں وہ پکے ڈموکریٹ ہیں اور انہیں یقین ہے کہ دنیا میں "ڈموکریسی" ہی امن قائم کر سکتی ہے چنانچہ جب یورپ میں جنگ کے بادل گھرنے شروع ہوئے اور نازی ازم اور ڈموکریسی کے آپس میں ٹکرا جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو مسٹر روسولٹ نے ذاتی طور پر صلح اور آشتی کی درخواست کرتے ہوئے کئی پیغام ہٹلر کے نام نشر کئے اور شاہ اٹلی کو شخصی طور پر مخاطب کر کے ان سے اپیل کی کہ اپنے اثر سے کام لیکر وہ جرمنی اور برطانیہ کے اختلافات کو گفت وشنید کے ذریعہ طے کرا دیں لیکن مسٹر روسولٹ کی یہ ساری اپیلیں اور قیامِ امن کی ساری کوششیں بیکار گئیں محض اسلئے کہ ہٹلر اب گفت وشنید کے ذریعہ اپنے اختلافات طے نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ اپنے شرائط پر وہ صلح کا خواہشمند تھا۔ اور یورپ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کرنا چاہتا تھا جس سے اس کے مطلق العنان نظامِ حکومت کو تقویت پہنچے اور سارا یورپ جرمنی کے زیر اقتدار آجائے ظاہر ہے کہ ہٹلر کی اس انانیت کو یورپ کی جمہوریتیں زیادہ دنوں برداشت نہیں کر سکتی تھیں نتیجہ وہی ہوا جس کی اس نوبت پر توقع تھی۔

جب یورپ میں برطانیہ اور فرانس کی نازیوں سے جنگ چھڑ گئی تو امریکہ کے سیاسی حلقوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ برطانیہ اور فرانس نے جنگ سے پہلے امریکہ کے کارخانوں کو جن اسلحہ کا آرڈر دیا ہے امریکہ کے کارخانے ان کی کسطرح تعمیل کر سکتے

ہیں اسلئے کہ امریکہ کے قانون "غیر جانبداری" کی رو سے جنگ شروع ہونے کے بعد امریکہ سے کسی لڑنے والے ملک کو لڑائی کا سامان نہیں بھیجا جا سکتا تھا اس قانونی روک کو دُور کرنے کے لئے غیر جانبداری کے امریکن قانون میں ترمیم کی ضرورت پیش آئی اور مسٹر روزولٹ نے اسی ضرورت اور ترمیم کی اہمیت کو امریکہ والوں کے ذہن نشین کرانے کا کام اپنے ذمّہ لیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے امریکہ کے عافیت پسند غیر جانبداری کے قانون میں اس ترمیم کے مخالف تھے ان کی دلیل یہ تھی کہ اس موقع پر جمہوریتوں کو لڑائی کا سامان بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ امریکہ جرمنی کا مخالف اور برطانیہ کا ساتھی بن جائے حالانکہ امریکہ کو ان دونوں لڑنے والوں سے کوئی سروکار نہ رکھنا چاہئے لیکن ان کی یہ عافیت پسندی امریکہ کے اصول پرستوں اور مصلحت اندیشوں کو متاثر نہ کر سکی اور غیر جانبداری کا امریکن قانون۔۔۔۔۔ کثرتِ رائے سے منظور ہو گیا۔

امریکہ کے اس قانون سے جرمنی کو سخت تکلیف پہنچی، ہٹلر کا اپنا خیال تھا کہ امریکہ اس دفعہ یورپ کی لڑائی میں مطلق دخل نہ دیگا اور برطانیہ کو جرمنی سے بھگتنے کے لئے اکیلا چھوڑ دیگا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اسکا یہ خیال غلط نہیں تھا زمانہ امن میں امریکہ کے سیاسی حلقوں کی عام رائے یہ تھی کہ امریکہ کو یورپ کے جھگڑوں میں دخل نہ دینا چاہئے اور اس رائے کو ہٹلر کا "پانچواں کالم" جو اس نے امریکہ میں متعین کر رکھا تھا برابر تقویت پہنچاتا رہا تھا۔ لیکن اپنے اس خیال میں ہٹلر کو مسٹر روزولٹ کی دوربینی اور مصلحت اندیشی کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی اگرچہ کہنے کو امریکہ اس ترمیم کے بعد بھی غیر جانبدار ہی رہا لیکن جمہوریتوں کے ساتھ عملی ہمدردی کی اس شہادت کے بعد ہٹلر امریکہ کو صحیح معنوں میں غیر جانبدار

سمجھنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس نے حسبِ عادت امریکہ کے اس قانون کی پوری شدّت سے مخالفت کی، پریسیڈنٹ روسولٹ کی ذات کے خلاف نہایت مکروہ پروپیگنڈا کیا اور جب اس سے بھی کام نہ چلا تو امریکہ کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے اس کے جہازوں کو سمندر میں گھیر کر پریشان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ "سٹی آف فلنٹ" نامی ایک امریکن تجارتی جہاز کے ساتھ جرمنی نے اسی طرح کا سلوک کیا تھا۔ اس جہاز پر چمڑا موم اور میوہ وغیرہ بار تھا اور یہ برطانیہ کی ناکہ بندی سے بچ کر بحیرۂ اٹلانٹک میں امریکہ کی طرف جا رہا تھا کہ جرمنی کے جنگی جہاز "دوش لینڈ" نے اُسے پکڑ لیا اور اسیر جرمن ملاح سوار کرکے پہلے ایک روسی بندرگاہ "مرمنک" میں اس کو لیجایا گیا اور اس کے بعد یہ ناروے کے علاقے کے سمندر میں لایا گیا یہاں اس جہاز کو ناروے والوں نے روک لیا اور اس کے جرمن ملاحوں کو گرفتار کرکے جہاز کو امریکن ملاحوں کے سپرد کر دیا۔ جو اسے لیکر امریکہ روانہ ہوگئے۔

ہٹلر نے یہ ساری کاروائی محض اسلئے کی تھی کہ امریکہ ڈر جائے اور جنگ میں برطانیہ اور فرانس کا ساتھ دینے سے انکار کردے لیکن اس کی یہ تدبیر بھی اُلٹی پڑی اس واقعہ کا امریکہ پر بہت اثر ہوا اور امریکہ بجائے ہٹلر سے مرعوب ہونے کے مشتعل ہوگیا اور جمہوریتوں کو مدد دینے کے معاملہ میں امریکہ کے بعض حلقوں میں پہلے جو تامل تھا، نازیوں کی اس بیہودگی کو دیکھ کر وہ بھی رفع ہوگیا۔ امریکہ والوں کو اس واقعہ کے بعد نظر آنے لگا کہ صرف جمہوریتوں کو مدد دیکر ہی نازیوں کی شرارت سے امریکہ کو بچایا جا سکتا ہے۔ اور ایسی بدیہی شہادت کے بعد ظاہر ہے کہ آئندہ امریکہ پر جرمنی کے پروپیگنڈے کا اثر نہیں ہو سکتا تھا۔

باب ۲۶

ڈنمارک اور ناروے پر ہٹلر کی تاخت

جس وقت اسٹالن ریاستہائے بالٹک میں مصروف تھا، ہٹلر کی توجہ انگلستان کی طرف منعطف تھی ایک طرف جرمنی کا بحری بیڑہ بحیرۂ شمالی اور اٹلانٹک میں انگریزی جہازوں کے خلاف سرگرمیاں دکھا رہا تھا اور دوسری طرف فضائی بیڑہ انگریزوں میں دہشت ڈالنے کے لئے انگلستان کے مشہور شہروں پر بمباری کر رہا تھا۔ لیکن دقت یہ تھی کہ ہالینڈ اور بلجیم کی خاطر جرمن ہوائی جہازوں کو انگلستان پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑا لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑتا تھا جس کے باعث ان ہوائی حملوں کا اثر انگلستان پر خاطر خواہ محسوس نہ ہوتا تھا۔ ہٹلر نے اس دقت کو دور کرنے کے لئے ہالینڈ اور بلجیم دونوں پر ایک ساتھ چڑھائی کرنے کا پروگرام بنا لیا اور اسکی فوجیں بھی بڑی تعداد میں ہالینڈ اور بلجیم کی سرحد پر جمع ہو گئیں لیکن عین اس وقت جبکہ ساری دنیا کو یہ خیال تھا کہ ہٹلر ان دونوں بے ضرر غیر جانبدار ممالک کو بے گناہ روند دینے والا ہے، ہٹلر نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا[1] اور اپنی فوجوں کو ہالینڈ اور بلجیم کی

---

[1] نومبر ۱۹۳۹ء میں ہٹلر کی فوجیں بڑی تعداد میں ہالینڈ اور بلجیم کی سرحدوں پر جمع ہو گئی تھیں [illegible] نومبر ۱۹۳۹ء کو ہالینڈ پر نازی حملہ کی تاریخ بھی متعین کر لی گئی تھی لیکن عین وقت پر

سرحدوں سے ہٹا کر جنوب مغرب میں لکسمبرگ کی سرحد پر اور شمال میں ڈنمارک کے قریب بھیجدیا۔

ہٹلر کے پروگرام میں یہ تبدیلی غالباً اسلئے واقع ہوئی تھی کہ اس پروگرام کے ساتھ جو مشکلات وابستہ تھیں ان کو دور کرنے کے لئے ہٹلر تیار نہ تھا لیکن اس تبدیلی کا بہرحال کوئی اثر جرمن سرگرمیوں پر نہیں تھا جرمنی کی بحری اور فضائی سرگرمیاں بدستور برقرار رہیں اور موسم کے اعتبار سے مغربی محاذ پر بھی جرمنوں کی مصروفیت قائم رہی البتہ کوئی بڑی فوجی نقل وحرکت اس دوران میں نہیں ہوئی اور اس کی وجہ زیادہ تر موسم کی خرابی تھی۔ مارچ تک یہی صورتِ حال قائم رہی اپریل میں موسم درست ہو گیا اور اسکے ساتھ ہی ہٹلر نے اپنی فوجوں کی نقل وحرکت کے لئے میدان بھی تلاش کر لئے یہ میدان ڈنمارک اور ناروے تھے۔

برطانیہ اور فرانس کو بہت دنوں سے یہ شکایت تھی کہ سویڈن اپنی کانوں کا لوہا جرمنی کو دے رہا ہے جو ناروے کی ایک بندرگاہ "نارورک" تک ریل میں آتا ہے اور نارورک سے اُسے جرمن جہاز ناروے کے سمندر میں سے لیکر جرمنی لے جاتے ہیں۔ ناروے اور سویڈن دونوں غیر جانبدار ملک ہیں لیکن اس کے باوجود

(بقیہ صفحہ ۱۸۱) ہٹلر نے حملہ ملتوی کر دیا غالباً اس خیال سے کہ کہیں امریکہ کا خیال اس کی طرف سے بہت زیادہ خراب نہ ہو جائے یا شاید اسلئے کہ اسپین اور اٹلی کی حکومتیں ان دونوں غیر جانبدار ملکوں پر حملے کے خلاف تھیں اور انھوں نے ہٹلر پر زور ڈالا تھا کہ ان پر حملہ نہ کیا جائے بہرحال وجہ چاہے کچھ بھی ہو اس وقت ہالینڈ اور بلجیم پر سے مصیبت کچھ دنوں کے لئے ٹل گئی تھی۔ (مولف)

جنگ میں کام آنے والی اس قیمتی دھات سے جرمنی کی مدد برابر کر رہے ہیں، رفتہ رفتہ یہ شکایت اسقدر بڑھی کہ اپریل ۱۹۴۰ء کی ابتدائی تاریخوں میں برطانیہ اور فرانس نے متفقہ طور پر ناروے اور سویڈن کی حکومتوں کو یہ نوٹ بھیجا کہ :۔

"موجودہ صورتِ حال اب زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کی جا سکتی اس کے معنی چونکہ یہ ہیں کہ ناروے اور سویڈن جرمنی کو جنگ میں کام آنے والی یہ اہم دھات دیکر برطانیہ اور فرانس کو نقصان پہنچا رہے ہیں اسلئے برطانیہ اور فرانس اپنے لئے یہ حق محفوظ رکھنا چاہتے ہیں کہ اس صورتِ حال کے انسداد کے لئے جو موثر تدبیر مناسب سمجھیں وہ اختیار کریں ع۵"

اور اس نوٹ کے دو دن بعد ہی ۸ اپریل ۱۹۴۰ء کو برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں نے ناروے کی حکومت کو مطلع کیا کہ ناروے کے جنوبی سمندر میں بعض مقامات پر برطانوی حکومت نے بارود کی سرنگیں بچھا دی ہیں تاکہ جرمن جہاز اس راستہ سے نہ گزر سکیں اسی دن ناروے کی حکومت نے حکومتِ برطانیہ کی اس کاروائی کے خلاف احتجاج کیا لیکن ابھی یہ احتجاج باقاعدہ حکومت برطانیہ تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ خلاف توقع ایک نہایت ہی عجیب اور سخت حیرت انگیز واقعہ ظہور میں آ گیا !

یعنی ۹ اپریل ۱۹۴۰ء کی صبح ۵ بجے صرف پندرہ سو جرمن سپاہیوں نے عجیب پُر اسرار طریقہ سے ناروے کے "پایۂ تخت" "اوسلو" پر قبضہ کر لیا اور ناروے کے بادشاہ

ع۵ اس نوٹ کا محرک سویڈن کے لوہے کے علاوہ "التمارک" جہاز کا واقعہ بھی تھا اس جرمن جہاز نے ناروے کے سمندر میں پناہ لی تھی اور اس پر ۲۹۹ برطانوی قیدی سوار تھے جس کی برطانوی جہاز کوسک نے ناروے ہی کے سمندر میں تلاشی لی تھی اور برطانوی قیدیوں کو چھڑایا تھا۔ (مولف)

اور حکومت کو وہاں سے فرار ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ "وڈکن کوزلنگ" نامی ایک قسمت آزما ناروی کی مدد سے جو ناروے کی نازی پارٹی کا لیڈر بھی تھا۔ ہٹلر نے پہلے تو "اوسلو" میں سازش کا ایک زبردست جال بچھا دیا اور اُس کے بعد ناروے کی چند غیر معروف بندرگاہوں پر چپکے چپکے شہریوں کے لباس میں اپنے کچھ سپاہی اُتارنے شروع کر دیئے۔ ان سپاہیوں نے ۸ راپریل کی رات کو "اوسلو" پہنچکر وہاں کی بندرگاہ پر "کوزلنگ" کی مدد سے قبضہ کر لیا اور اسی رات کو ناروے کے بحری مرکز "بارٹن" کے کمانڈر کو ایک جعلی حکم وزیر اعظم ناروے کیطرف سے بھجوایا جس میں اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ جرمن جنگی جہاز جو اوسلو کی بندرگاہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں اُن سے تعرض نہ کیا جائے۔ کمانڈر نے اس حکم کی تعمیل میں فوجوں سے بھرے ہوئے چار جرمن جنگی جہازوں کو اوسلو کی طرف گذر جانے کی اجازت دیدی لیکن ناروے کے سُرنگیں بچھانے والے جہاز نے جسے اس جعلی حکم کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی ان جرمن جہازوں پر حملہ کر دیا۔ اور ان میں سے ایک جہاز ایمڈن کو تارپیڈو مار کر ڈبو دیا۔ البتہ تین جہاز جن میں پندرہ سو جرمن فوجیں بھری ہوئی تھیں اوسلو پہنچ گئے یہاں پہلے ہی سے کوزلنگ کی پارٹی کا قبضہ تھا آسانی سے جرمن فوجیں بندرگاہ پر اُتر پڑیں اور راتوں رات انہوں نے حکومت کے دفاتر اور شاہ ناروے کے محل کا محاصرہ کر لیا، صبح پانچ بجے جرمن کمانڈر نے ناروے کے وزیر اعظم کو بیدار کر کے اپنی حکومت کی طرف سے یہ ہدایت کی کہ ناروے کا پایہ تخت اور ناروے کی حکومت جرمنوں کی نگرانی میں دیدیں شاہ ناروے نے اسے منظور نہ کیا اور جرمنوں سے لڑنا چاہا، لیکن اُنہیں جلد معلوم ہو گیا کہ ناروے کی فوجوں کو اب اکٹھا نہیں کیا جا سکتا اور چونکہ دن چڑھتے ہی جرمنی کی مزید فوجیں

ہوائی جہازوں کے ذریعہ برابر اوسلو میں اُترنی شروع ہو گئی تھیں اسلئے شاہ ناروے اور ناروے کی حکومت کو مناسب یہی معلوم ہوا کہ پایۂ تخت چھوڑ کر شمال میں کسی دور دراز مقام کو فرار ہو جائیں اور وہاں سے جرمنوں کے مقابلہ کے لئے فوجیں تیار کریں چنانچہ دوسرے ہی دن شاہ اور حکومت دونوں کسی نامعلوم مقام کو روانہ ہو گئے، لیکن اوسلو سے اُن کے جاتے ہی جرمنوں کے زیر سایہ وڈکن کوزلنگ نے اپنی صدارت میں ناروے کی جدید حکومت بنا ڈالی اور جرمنی سے پوری طرح اشتراکِ عمل کا اعلان کر دیا ۔

جس دن جرمنوں نے کوزلنگ کی مدد سے ناروے کے پایۂ تخت اوسلو پر قبضہ کیا اسی دن چالیس ہزار موٹر سوار جرمن سپاہی ڈنمارک کے علاقہ میں داخل ہوئے اور بمنزلہ صفت تیزی لیکن نہایت خاموشی سے ڈنمارک کے طول و عرض میں پھیل گئے دوسرے دن صبح جرمنوں کا ایک زبردست فوجی دستہ دن نکلنے سے پہلے ڈنمارک کے پایۂ تخت "کوپن ہیگن" میں داخل ہوا اور چپ چاپ اُس نے حکومت کے اہم دفاتر پر قبضہ کر لیا۔ جرمن ہوائی جہازوں کا ایک دستہ اس دوران میں پایۂ تخت پر منڈلاتا رہا۔ پایۂ تخت پر قبضہ کر کے نازیوں نے شاہِ ڈنمارک سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو نازیوں کی نگرانی میں دیدیں، اُن کا خطاب برقرار رکھا جائیگا اور ڈنمارک کی اندرونی حکومت کا بھی اُن ہی کو اختیار دیا جائیگا لیکن ڈنمارک کی ساری بندرگاہوں اور جہازوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور اندرونی ڈنمارک میں جرمن ہوائی مرکزوں کے لئے مناسب مقامات حاصل کر لئے گئے گویا سارے ڈنمارک پر عملاً جرمنوں کا قبضہ ہو گیا اور ڈنمارک کے بادشاہ اور وہاں کی حکومت برائے نام برقرار رکھی گئی ۔

ڈنمارک میں اسقدر قوت کہاں تھی کہ وہ نازیوں کے اس مطالبہ کو ٹھکرا دیتا مجبوراً شاہِ ڈنمارک نے نازی جُوا اپنے کندھے پر رکھ لیا اور ملک میں اعلان کر دیا کہ

ڈنمارک کے جرمنوں یا جرمن سپاہیوں کے مقابلہ کی کسی جگہ کوشش نہ کریں کہ اس سے ملک کو اور نقصان پہنچے گا۔ اس سے پہلے ڈنمارک کے وزیر اعظم نے بھی ایک تقریر نشر کی تھی جس میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ :۔

"ڈنش حکومت جرمنوں کے قبضہ کے خلاف احتجاجاً اپنے ملک کی حفاظت کا فیصلہ کرتی ہے ——— اہلِ ملک سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھیں اور اس موقع پر ملک کے امن و امان کو قائم رکھنے کے لئے انتہائی ضبط و تحمل کا ثبوت دیں"

اسطرح ڈنمارک کی قدیم ریاست جو یورپ میں سب سے زیادہ امن پسند سمجھی جاتی تھی چپ چاپ مع اپنی زرخیز چراگاہوں اور بے حساب دودھ اور مکھن کے کارخانوں کے نازیوں کے قبضہ میں آگئی ۔

لیکن ناروے پر ابھی نازیوں کا قبضہ مکمل نہ ہوا تھا ، پایہ تخت اوسلو کے علاوہ بحر اٹلانٹک کی چند بندرگاہیں بے شک اُن کے قبضہ میں تھیں لیکن ناروے کے اندرونی علاقے اُن کے اثر سے آزاد تھے اور اس علاقہ میں مفرور شاہ اور حکومتِ ناروے نازیوں سے مقابلہ کے لئے فوجیں اکٹھی کرنے کی فکر کر رہی تھیں اس کے علاوہ برطانیہ اور فرانس بھی ہٹلر کی اس نئی تاخت سے بے فکر نہیں تھے ، برطانیہ کے وزیر اعظم نے اوسلو پر نازیوں کے قبضہ کے فوراً ہی بعد دارالعوام میں ناروے کی مدد کا اعلان کر دیا ۔ اور ۱۵ر اپریل ۱۹۴۰ء کو چند ہزار برطانوی اور فرانسیسی فوجیں " ٹرانڈ ہائم " کے شمال اور جنوب کی چھوٹی چھوٹی بندرگاہوں " نم سوس اور اانڈلنس " میں اُتار دی گئیں۔

نازی برطانیہ اور فرانس کے ان ارادوں کو غالباً پہلے ہی سے بھانپ گئے تھے انہوں نے نہایت تیزی سے ہوائی جہازوں کے ذریعہ اس علاقہ میں جرمن فوجوں کو

کمک بھیجنی شروع کردی اور "ٹرانڈ ہائم" کی چھاؤنی کو برطانوی اور فرانسیسی فوجوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کا پورا پورا انتظام کر لیا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے ناروے کے اندرونی علاقے کے اہم مقامات پر اپنے ہوائی جہازوں سے بمباری شروع کردی تاکہ شاہ ناروے وہاں نازیوں کے خلاف قوت نہ حاصل کرسکیں نازیوں نے اس مکان پر بھی بم برسائے جس میں شاہ ناروے ٹھیرے ہوئے تھے غالباً ان کا مقصد شاہ کو ہلاک کردینے کا تھا لیکن اس بم باری سے پہلے ہی شاہ ناروے وہ مکان چھوڑ چکے تھے اس لئے نازیوں کا یہ مقصد پورا نہ ہوسکا، شاہ اور حکومتِ ناروے نے انتہائی مشکلات کے باوجود نازیوں کے خلاف ایک محاذ تیار کر ہی لیا اور انگریزی اور فرانسیسی فوجوں کی مدد کے لئے انہوں نے وسطی ناروے میں سرگرمیاں شروع کردیں۔

لیکن قوم پرست نارویوں کی ان سرگرمیوں کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ اور نہ انگریزی اور فرانسیسی فوجیں جو ناروے کی مغربی بندرگاہوں میں اُتری تھیں۔ "ٹرانڈ ہائم" کو جرمنوں سے چھین لینے میں کامیاب ہوسکیں۔

اصل میں جن حالات میں برطانوی اور فرانسیسی فوجیں ناروے کے ساحل پر اُتاری گئی تھیں وہ کسی طرح اُن کے موافق نہ تھے اور جن مقامات پر وہ اُتاری گئی تھیں وہ سب طرف سے جرمنوں سے گھرے ہوئے اور جغرافیائی حیثیت سے فوجوں کے لئے ناموزوں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جرمنوں کے اس گھیرے کو جو روز بروز جرمن کمک کے پہنچتے رہنے کے باعث مضبوط ہوتا جا رہا تھا توڑ دینا، برطانوی اور فرانسیسی فوجوں کے لئے مشکل ہوگیا تھا۔ تاہم اس کوشش میں برطانوی اور جرمنی فوجوں میں برابر جھڑپیں جاری رہیں اور وسطی ناروے سے قوم پرستوں نے بھی جرمنوں کو دبانا شروع کردیا لیکن متواتر جرمن کمک اور جرمن ہوائی بیڑے کی

لگاتار سرگرمیوں کے باعث نہ قوم پرست اپنا کوئی اثر ڈال سکے اور نہ برطانوی فوجوں کو
بندرگاہ کی پہاڑیوں اور کھڈوں کو چھوڑ کر کوئی موزوں مقام حاصل کرلینے میں
کامیابی ہو سکی۔

مئی سنہ ۴۰ء تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ مئی میں برطانیہ کے وزیرِ اعظم نے
ناروے کے حالات پر تقریر کرتے ہوئے ان مشکلات کا ذکر کیا جو اس جگہ برطانوی
فوجوں کو پیش آرہی تھیں اور ساتھ ہی اس کا بھی اظہار کیا کہ جرمن ہوائی جہازوں
کی بڑھی ہوئی تعداد کے باعث برطانیہ اپنی ناروے کی فوجوں کے لئے بھاری توپیں
اور ٹینک نہیں بھیج سکتی۔ اور یہ اتنی بڑی کمی ہے کہ اس کے بغیر برطانوی
فوجیں ناروے میں کوئی بڑا کام نہیں کر سکتیں۔ برطانوی وزیر اعظم کا یہ اعلان
گویا برطانوی فوجوں کو ناروے سے واپس بلانے کی اطلاع تھی۔ اگرچہ اس کے
بعد بھی برطانوی اور جرمن سپاہیوں میں کچھ دنوں برابر نارو ک پر قبضہ کرنے
کے لئے جھڑپیں ہوتی رہیں، لیکن جرمنی کی مشینی فوجوں کے مقابلہ میں برطانوی
سپاہیوں کو کوئی کامیابی نہیں ہو سکی۔

اسی دوران میں جرمنی نے ہالینڈ اور بلجیم پر چڑھائی کردی تھی، برطانیہ کی
ساری توجہ ہٹلر کے اس نئے اقدام پر مرکوز تھی، ناروے کی برطانوی فوجوں کو مزید
کمک پہنچانے کا سوال اب خارج از بحث ہو چکا تھا اسلئے برطانیہ کے ہائی کمانڈ نے
ناروے کی برطانوی فوجوں کو فوراً ناروے سے واپس آجانے کا حکم دے دیا
ادھر برطانوی فوجیں ناروے سے روانہ ہوئیں اُدھر ناروے کی حکومت نے بھی
جو اس وقت تک برابر جرمنوں سے مقابلہ کرتی رہی تھی تیزی سے بگڑتے ہوئے
حالات پر قابو نہ پاکر لڑائی بند کردی، شاہ ناروے مع اپنی حکومت کے ایک انگریز

جنگی جہاز پر سوار ہو کر لندن آ گئے اور ناروے کے کمانڈر انچیف کو نازیوں سے صلح کی گفت و شنید کرنے کے لئے اکیلا چھوڑ دیا۔

برطانوی فوجوں کے ناروے سے واپس آتے ہی لڑائی بند ہو گئی۔ اور جرمنوں کا سارے ناروے پر قبضہ مسلم ہو گیا۔

باب ۲۷

ہالینڈ، بلجیم اور فرانس پر ایک ساتھ حملہ!

کسی پچھلے باب میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اعلانِ جنگ کے ساتھ ہی فرانسیسی اور برطانوی فوجیں مارژینو لائن پر اکٹھی ہونی شروع ہو گئی تھیں اور بعض مقامات پر جن میں "سار بروکن" کا شہر زیادہ نمایاں ہے جرمن سرحد میں بھی در آئی تھیں لیکن فرانسیسی اور برطانوی فوجوں کی سرگرمیاں اس محاذ پر جارحانہ کے بجائے محض مدافعانہ حیثیت کی تھیں اور وہ جرمنی پر بطور خود حملہ کرنے کے بجائے اس کے حملے کو روکنے کی تیاریاں کرتی رہی تھیں جنگ شروع ہونے کے آٹھ مہینے بعد یہ موقع بھی اُنہیں حاصل ہو گیا ابھی ناروے میں جرمنی اور برطانوی فوجوں میں جھڑپیں جاری ہی تھیں کہ ۱۰ مئی ۱۹۴۰ء کو ہٹلر کی فوجوں نے ہالینڈ اور بلجیم پر ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ اور اسی دن کئی مقامات سے ان دونوں ملکوں کی سرحدوں کو عبور کر ڈالا۔

ہالینڈ میں مدافعت کی بہترین صورت وہاں کی نہریں تھیں جن میں پانی بھر کر دشمن کو ہالینڈ کی سرزمین میں پیش قدمی سے روکا جا سکتا تھا چنانچہ ہالینڈ کی حکومت نے فوراً اس تدبیر پر عمل کیا اور اُسے یقین بھی ہو گیا کہ جرمن اُن کے ملک کو آسانی سے فتح نہیں کر سکیں گے لیکن دوسرے ہی دن ہالینڈ کی حکومت کی یہ غلط فہمی

رفع ہوگئی جب ہٹلر نے اپنی فوجیں ہوائی جہاز کے ذریعہ "پیراشوٹ" (ہوائی چھتریوں) کی مدد سے نہروں کے پار اتارنی شروع کردیں، یہ ہٹلر کا بالکل نیا داؤں تھا۔ ہالینڈ کی فوجیں دشمن کو اپنے پیچھے پاکر گھبرا گئیں اور اُن کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ نازیوں نے ان ہوائی چھتریوں کی مدد سے نہ صرف ہالینڈ کی فوجوں کو گھیر لیا، بلکہ پایۂ تخت میں بھی اپنی فوجیں اُتار دیں اور ملکہ ہالینڈ کے محل کو محصور کرلینے کی کوشش کی۔ نازیوں کی اس "نازیبا" حرکت نے ہالینڈ کی حکومت کو بدحواس کردیا اور یہ لڑائی چھڑنے کے تیسرے ہی دن اپنی ملکہ اور سارے شاہی خاندان کو ہالینڈ سے لندن بھیجدینے پر مجبور ہوگئی، ملکہ کے بعد ہالینڈ کی وزارت بھی لندن منتقل ہوگئی۔ اور ہالینڈ کا انتظام کمانڈر انچیف کو سونپ دیا گیا، لیکن یہ انتظام محض برائے نام تھا، نازی ہالینڈ پر بُری طرح چھاگئے تھے اور ہالینڈ کی فوجوں کے لئے ان سے مقابلہ کرنا ناممکن ہوگیا تھا اس لئے دوسرے ہی دن ہالینڈ کے کمانڈر انچیف نے نازیوں کے آگے ہتھیار ڈالدیئے اور ملک کو جنگ کی مصیبت سے نجات دلادی۔ اس طرح صرف چار دن کے اندر اندر نازیوں نے ہالینڈ کو فتح کرلیا۔

بلجیم کی سرحد پر البتہ جرمنوں کا سخت مقابلہ ہوا اور اسی طرح لکسمبرگ کو چند گھنٹوں میں زیر کرنے کے بعد انہیں فرانسیسی اور برطانوی فوجوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑا لکسمبرگ کی ڈچس نے تو بے لڑے بھڑے اپنا ملک جرمنوں کے حوالے کردیا، لیکن شاہ بلجیم لیوپولڈ سوم نے برطانیہ اور فرانس سے مدد طلب کرلی اور جم کر دشمن کا مقابلہ شروع کردیا۔ برطانیہ اور فرانس نے فی الفور شاہ بلجیم کی اپیل پر توجہ کی اور ایک زبردست فوج شاہ لیوپولڈ کی مدد کے لئے بلجیم کے علاقہ میں بھیجدی۔

انگلستان میں اسوقت حکومت بدل چکی تھی۔ مسٹر چیمبرلین بر ناروے میں

برطانوی فوجوں کی ناکامی کے بعد انگریزوں کو اعتماد نہیں رہا تھا چنانچہ انگریزوں کے اس متحدہ مطالبہ پر مسٹر چیمبرلین مستعفی ہوگئے اور اُن کی جگہ مسٹر ونسٹن چرچل نئے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ اس نازک وقت میں مسٹر چرچل کا انتخاب انگریزوں کے گرے ہوئے حوصلوں کو اُبھارنے کا باعث ثابت ہُوا اور سارے انگلستان میں حکومت کی اس تبدیلی سے نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔

شاہ لیوپولڈ کی اپیل پر برطانیہ نے تقریباً ساڑھے چار لاکھ سپاہی لارڈ گورٹھ کی ماتحتی میں بلجیم بھجوائے اور فرانس کی طرف سے تقریباً دو لاکھ فوج بلجیم پہنچی اس فوج نے بلجیم کی فوج سے ہٹ کر " فلانڈرس کے میدان میں اپنے مورچے جما لئے۔

جرمنی کی " میکانائزڈ " فوجوں کے حملے نہایت تیز ہو گئے تھے، فرانسیسیوں نے اپنی مدافعت کے لئے جو نئے مورچے بلجیم کی سرحد پر ماژنو لائن کی سیدھ میں قائم کر لئے تھے جرمن حملوں کا سارا زور ان ہی مورچوں پر تھا۔ تین دن کی مسلسل لڑائی کے بعد بالآخر جرمنوں نے " سیڈن " (SEDAN.) کے مقام پر یہ نیا مورچہ توڑ ڈالا اور برق صفت تیزی سے شمالی فرانس میں آگے بڑھ کر، " آراس اور امنیس " پر قبضہ کر لیا۔ جرمنی کی اس چال سے بلجیم کی سرحد کی فرانسیسی فوجوں کا رشتہ فرانسیسی مرکزی فوج سے ٹوٹ گیا اور انگریزوں اور فرانسیسیوں کی وہ فوجیں جو فلانڈرس میں پڑی ہوئی تھیں خطرے میں گھر گئیں۔ اس حصار کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے جرمن فوجوں نے آراس پر ذرا دم نہیں لیا فوراً فرانس کی بندرگاہ " بولون " کی طرف دوڑ پڑے، اور قبل اس کے کہ انگریزی اور فرانسیسی فوجیں اُس کی مدافعت کا کوئی سامان کریں جرمنوں نے اسے فتح کر لیا۔

اس بندرگاہ کی فتح کے بعد فلانڈرس کی فوجیں پوری طرح گھیرے میں

آگئیں اور ان پر سوائے ڈنکرک کی بندرگاہ کے راہِ فرار بالکل بند ہو گئی۔

سیڈن کے پاس جرمنوں کو ایک پل کے ذریعہ اپنی فوجیں فرانس میں اُتار دینے کا موقع مل گیا تھا اور یہ پل فرانسیسی ہائی کمانڈ کی "غلطی" سے باقی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس غلطی کا خمیازہ فرانس کے کمانڈر انچیف جنرل گملان کو بھگتنا پڑا۔ فرانسیسی حکومت نے اُنھیں اپنے عہدے سے ہٹا دیا ان کے ساتھ پندرہ اور فرانسیسی جنرل بھی رخصت کر دیئے گئے اور فرانسیسی فوجوں کی کمان جنرل ویگان کے سپرد کر دی گئی۔ ویگان نے کمان سنبھالتے ہی آراس اور آمینز پر حملے شروع کر دیئے لیکن یہاں جرمنوں نے اپنے قدم نہایت مضبوطی سے جما لیئے تھے اسلئے یہ سارے حملے بیکار رہے مجبوراً ویگان نے پیچھے ہٹ کر پیرس کی حفاظت کے لئے ایک اور مدافعت کی لائن قائم کر لی اور فلانڈرس کی محصور فوجوں کو اپنی قسمت پر چھوڑ دیا۔

یہ وقت فی الحقیقت فرانس اور برطانیہ دونوں کے لئے بے حد نازک تھا ان کی بہترین فوجیں فلانڈرس میں محصور پڑی تھیں اور جرمنوں نے پولوں کی بندرگاہ پر قبضہ کر کے برطانیہ کے اس بحری بیڑے کو شہ دینی شروع کر دی تھی جو انگلستان کی حفاظت کے لئے انگلش کنال میں متعین تھا اور جس کی وساطت سے برطانیہ اور فرانس میں فوجی رشتہ قائم تھا۔

جرمنی کا ایک کالم شمالی فرانس میں بڑھا چلا آرہا تھا اور دوسرا کالم بلجیم کی فوجوں کو پوری قوت سے دبا رہا تھا۔ بلجیم کی مدافعت کی لائن، جرمن ٹنکوں، ہوائی جہازوں اور لمبی مار کی توپوں کے مقابل ہچکنے لگی تھی، بالآخر "ماس ریوح" کے مقام پر یہ لوٹ گئیں اور جرمن فوجوں کا ٹڈی دل جو بلجیم، فرانس اور برطانیہ کی متفقہ فوجوں سے کہیں زیادہ

تھا سیلاب کی طرح سب طرف سے فلانڈرس پر ہجوم کر آیا ۔ بلجیم فرانس اور برطانیہ کے لئے یہ موت اور زیست کا سوال تھا ، تینوں فوجوں نے انتہائی جی داری سے حملہ آوروں کا قدم قدم پر نہایت ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کے تقریباً سارے حملے بیکار کر دیئے اس قدر سخت اور غیر متوقع مدافعت سے جرمنوں کے حملے کچھ سست پڑنے لگے ، برطانوی اور فرانسیسی فوجوں پر سے دباؤ کچھ کم ہو گیا اور انہیں اپنے قدم جما کر دشمن سے مقابلہ کرنے کا موقع مل گیا ۔ برطانوی اور فرانسیسی ہائی کمانڈ کا اندازہ تھا کہ اگر اسی طرح بلجین فرانسیسی اور برطانوی فوجوں نے جرمنوں کو صرف ایک ہفتہ تک بھی روکے رکھا تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور فلانڈرس کا معرکہ اتحادیوں کے حق میں فیصل ہو جائیگا ۔

لیکن عین اس وقت جب فرانسیسی اور برطانوی ہائی کمانڈ یہ توقع لگائے بیٹھے تھے کہ اتحادیوں کی فوجیں جرمن حملہ آوروں کو فلانڈرس پر روکے رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گی ایک نہایت غیر متوقع ، حیرت انگیز اور سخت ابتلا میں ڈال دینے والا واقعہ پیش آ گیا ! ———— شاہ لیوپولڈ نے برطانیہ اور فرانسیسیوں سے مشورہ کئے بغیر اور اپنی حکومت کی رائے کے خلاف جرمنوں کے آگے ہتھیار ڈالدیئے اور پانچ لاکھ بلجین فوجیں میدان چھوڑ کر جرمنوں کے آگے سے ہٹ گئیں ۔ !!

باب ٢٨

فلانڈرس کا سانحہ، اٹلی کا اعلانِ جنگ اور فرانس کی شکست

شاہ لیوپولڈ کے ہتھیار ڈالدینے[1] کی اطلاع ٢٨ مئی ١٩٤٠ء کو پہلے پیرس اور اور اس کے بعد لندن پہنچی اور اسقدر غیر متوقع حالات میں پہنچی کہ لندن اور پیرس دونوں سکتے میں آگئے۔ فلانڈرس میں اتحادیوں کی فوجیں پہلے ہی تین طرف سے گھری ہوئی تھیں اس نئی افتاد کے باعث انکی تباہی گویا مکمل ہوگئی۔

---

[1] شاہ لیوپولڈ کے ہتھیار ڈالنے کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ شاہ لیوپولڈ کمزور قلب و دماغ کا آدمی ہے اس سے اپنی قوم کی خونریزی نہیں دیکھی گئی اس لئے اس نے جرمنی کے آگے ہتھیار ڈالدئیے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ لیوپولڈ جرمن سازش کا شکار ہوگیا۔ موٹر کے حادثہ میں اسکی نوجوان ملکہ کے ہلاک ہو جانے کے بعد سے لیوپولڈ کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا، اس کے نوجوان جرمن احباب نے جو اس کے ہم جلیس بھی تھے اسکا دل بہلانے کے بہانے سے چند خوبصورت جرمن لڑکیاں اس کے گرد جمع کردیں اور جب اسطرح اس کے ماحول کو درست کرلیا تو اس کے دماغ میں یہ خیال بھرنا شروع کردیا کہ اس کے لئے مستقبل قریب میں جرمن شہنشاہ بنادئیے جانے کا امکان موجود ہے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ہٹلر کے اب زیادہ دنوں جینے کی توقع نہیں ہے اور قیصر کے خاندان کو (بقیہ صفحہ ١٩٦ پر)

سب سے زیادہ اثر اس حرکت کا فلانڈرس کی برطانوی فوجوں پر پڑا جو پانچ لاکھ بلجین سپاہیوں کے میدان سے ہٹ جانے کے بعد براہِ راست جرمن حملہ آوروں کی زد میں آگئیں اب ان فوجوں کے لئے دو ہی راستے تھے یا تو وہ جنوب میں جرمن لائن پر حملہ آور ہوتیں یا ڈنکرک کی بندرگاہ سے انگلستان واپس جاتیں لیکن یہ دونوں صورتیں مشکل تھیں اور تباہی ان دونوں صورتوں میں یقینی تھی اگر وہ جنوب میں جرمن لائن پر حملہ کر دیتیں تو جرمنی کا وہ کالم جو بلجیم میں بڑھ رہا تھا انہیں پیچھے سے حملہ کرکے ختم کر دیتا اور اگر یہ بندرگاہ کا رُخ کرتیں تو بندرگاہ تک پہنچتے پہنچتے یہ جرمنوں کے ہوائی جہازوں اور ٹنکوں کا لقمہ بن جاتیں لیکن بہرحال انہیں جلد اپنے لئے کوئی فیصلہ کرنا تھا اور انہوں نے ڈنکرک کی بندرگاہ کی طرف پسپا ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

یہ فیصلہ نہایت اہم تھا اور اس پر کامیابی سے عمل کرنا برطانوی وقار کے پیش نظر

(بقیہ صفحہ ۱۹۵) جرمن کے لوگ پسند نہیں کرتے ۱۱ انہیں بہرحال ایک بادشاہ کی ضرورت ہے اور لیوپولڈ سے بہتر انہیں کوئی بادشاہ نہیں مل سکتا جو آرین نسل سے ہے اور ماں اور باپ دونوں کی طرف سے اس میں جرمن خون موجود ہے۔ لیوپولڈ کے کمزور دماغ میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا اور وہ اُٹھتے بیٹھتے جرمن شہنشاہی کے خواب دیکھنے لگا۔ اس خود فریبی کے باعث برطانیہ اور فرانس کی دوستی میں اس کے لئے کوئی جاذبیت باقی نہیں رہی اور نہ اپنے ملک اور نہ اپنی قوم کا وقار اس کے پیشِ نظر رہا۔ موقع ملتے ہی اُس نے وہی کیا جو صرف ایک بے اصول قسمت آزما ہی کر سکتا ہے۔ اپنی پانچ لاکھ فوج جرمن حملہ آوروں کے آگے سے ہٹالی اور برطانیہ اور فرانس کی گھری ہوئی فوجوں کو تباہ ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔ بہرحال واقعہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو جن حالات میں شاہ لیوپولڈ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیوفائی کی اور انہیں خود دعوت دیکر ان کے ساتھ دھوکا کیا اس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ یقیناً شاہ لیوپولڈ کے حق میں نہیں ہو سکتا۔ (مولف)

اس سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا تھا بہرحال برطانوی فوجوں نے اس انتہائی مشکل کام کو پورا کیا۔ ایک طرف اُن کے کچھ دستوں نے دشمن کی پیش قدمی کو روکا جس میں فرانس سے بھی ایک ڈویژن نے حصّہ لیا اور دوسری طرف نہایت تیزی کے ساتھ فلانڈرس کی برطانوی فوجیں ڈنکرک کی طرف پسپا ہوکر جہازوں کے ذریعہ انگلستان واپس ہونی شروع ہوگئیں برطانوی فوجوں کی اس راہِ فرار کو روکنے کے لئے جرمنوں کے بمبار ہوائی جہازوں نے سر توڑ کوشش کی اور بولوں کی بندرگاہ سے بھی برطانوی جہازوں اور کشتیوں پر گولے برسائے گئے لیکن جرمنوں کی یہ کوششیں بارآور نہ ہوئیں اور برطانوی ہائی کمانڈ اپنی تین لاکھ فوج ڈنکرک کی بندرگاہ سے صاف بچا کرلے گیا۔

ہٹلر کا ارادہ تھا کہ فلانڈرس میں برطانوی فوجوں کو گھیر کر تباہ کردینے کے بعد فوراً برطانیہ پر چڑھائی کردے لیکن ڈنکرک سے تین لاکھ سپاہیوں کو بچا کرلے جانے میں برطانیہ کو جو کامیابی ہوگئی اس کی وجہ سے اسے اپنا پہلا ارادہ بدل دینا پڑا۔

انگلستان پہلے ہی اپنے بچاؤ کی تدبیریں مکمل کرچکا تھا اور جو باقی رہ گئی تھیں انہیں مسٹر چرچل نے برسرِ اقتدار آتے ہی پورا کردیا ان بہت سی تدابیر میں جو مسٹر چرچل نے انگلستان کے بچاؤ کے لئے اختیار کیں ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ برطانوی فاشسٹ پارٹی کے سارے ممبروں کو گھیر کر نظربند کردیا تاکہ ان میں سے کوئی ہٹلر کا پانچواں کالم نہ بن سکے اور اس کے بعد ایک نیا قانون پارلیمنٹ میں منظور کرایا جس کی رُو سے انگلستان کی ساری پرائیویٹ جائدادوں کو حکومت کی ملک قرار دیدیا تاکہ ضرورت کے وقت ان پر قبضہ کرکے اُن سے بچاؤ کا کام لیا جاسکے۔ ان کاموں سے فارغ ہوکر سارے انگلستان سے لاکھوں والنیٹر بھرتی کئے اور انہیں کیل کانٹے سے لیس کرکے برطانوی ساحلوں اور دور دراز کے ویرانوں کی نگرانی اُن کے سپرد کردی تاکہ جرمن دھوکا دیکر انگلستان کے

کسی ویران گوشہ میں ہوائی چھتریوں کی مدد سے نہ اُتر پڑیں - برطانیہ کی انہی احتیاطی تدابیر کے باعث انگلستان پرفی الفور چڑھائی کے متعلق ہٹلر کو اپنا ارادہ بدلنا پڑا اور اس نے بلجیم کے بعد بجائے انگلستان کے اپنا رُخ فرانس کی طرف پھیر دیا ۔

ویگان کی نئی بچاؤ کی لائن اس جرمنی سیلاب کو روکنے میں قطعًا ناکام رہی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ سیلاب آدھے سے زیادہ فرانس پر چھا گیا ۔

حالات سخت تاریک ہوگئے، فرانس کی سرزمین پر جرمنوں سے مقابلہ ناممکن ہوگیا۔ اس نوبت پر فرانس کی حکومت کے لئے صرف دو ہی صورتیں باقی رہ گئیں یا تو وہ فرانس سے بھاگ کر اپنے شمالی افریقہ کے مقبوضات میں پناہ لے اور سمندروں میں جرمنی سے لڑائی جاری رکھے یا پھر جرمنی کے آگے ہتھیار ڈالدے

عین اسوقت جب فرانس زخموں سے چور پڑا موت اور زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا، مسولینی نے سارے قوانین اخلاق وانسانیت کو پس پشت ڈال کر پیچھے سے اسپر وار کر دیا ۔

ابتدا میں مسولینی نے جنگ میں ہٹلر کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا اور فلانڈرز کی لڑائی کے دوران میں بھی اپنا ارادہ ظاہر کئے بغیر وہ نہایت خاموشی سے حالات کا مطالعہ کرتا رہا جب ہٹلر نے فلانڈرس کے معرکہ کے بعد فرانس کا رُخ کیا۔ مسولینی نے یکایک جنگ میں شریک ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ بہت دنوں سے مسولینی کا "نیس"، کورسیکا اور ٹونیشیا پر دانت تھا اور اس سے بہتر موقع اسے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کا نہیں مل سکتا ہے ۔ مسولینی کے بدلے ہوئے ارادے کی اطلاع جیسے ہی امریکہ پہنچی پریسیڈنٹ روسولٹ نے فوراً اسے ذاتی طور پر پیغام بھیجا کہ وہ اس نوبت پر جنگ میں شریک نہ ہو اور اس کے عوض اس سے وعدہ کیا کہ برطانیہ اور فرانس اسکے مطالبات کی

تکمیل کی ضمانت کریں گے بلکہ صلح کی کانفرنس میں اٹلی کو بھی شریک کرلیں گے - لیکن مسولینی پر پریسیڈنٹ روسولٹ کی اس درخواست کا مطلق اثر نہ ہوا اور اس نے برطانیہ سے جو تجارتی گفتگو ہورہی تھی اُسے بیچ میں توڑ کر ۱۰ رجون ۱۹۴۰ء کو برطانیہ اور فرانس دونوں کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا -

ایسے وقت میں اٹلی کے اعلانِ جنگ کے بعد فرانس کے لئے دشمنوں سے مقابلہ کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہا، مجبوراً موسیو رینو کی حکومت نے جو پیرس سے بھاگ کر وشی آگئی تھی، جرمنوں سے "عارضی صلح" کی سلسلہ جنبانی شروع کردی اور ساتھ ہی اپنے شریک جنگ حکومتِ برطانیہ سے درخواست کی کہ وہ فرانس کو جرمنی سے صلح کرلینے کی اجازت دیدے، اس معاہدے کی رُو سے جو فرانس اور برطانیہ میں طے ہُوا تھا کسی فریق کو علیحدہ دشمن سے معاہدہ کرنیکا اختیار حاصل نہیں تھا لیکن برطانیہ کی حکومت نے فرانس کو اس شرط کے ساتھ یہ اجازت دیدی کہ فرانس اپنا بحری بیڑہ انگلستان کے حوالے کردے - لیکن موسیو رینو کی حکومت کو برطانیہ کی اس پیش کردہ شرط کی تکمیل کا موقع ہی نہ مل سکا - جرمنوں کے دباؤ سے وہ ۱۶ رجون ۱۹۴۰ء کو مستعفی ہوگئی اور اسی دن مارشل پتیان فرانس کے ایک بوڑھے سپاہی کی ماتحتی میں وشی میں ایک نئی حکومت قائم ہوگئی - اور اس نے برطانیہ کی اس شرط کو پس پشت ڈالکر ۲۲ رجون کو جرمنی سے اور ۲۴ رجون کو اٹلی سے عارضی مصالحت کرلی -

---

عارضی مصالحت کی شرائط میں فرانس کا تقریباً ۳/۴ حصہ جو جرمن فتح کرچکے تھے اختتامِ جنگ تک معہ ساحلی علاقوں کے اسی کے قبضہ میں رہنے دیا گیا، جرمن قیدی فوراً چھوڑ دیئے گئے لیکن فرانسیسی قیدی بدستور جرمنی میں نظربند رہے - السیس لورین پر جرمنوں کا دعویٰ تسلیم کرلیا گیا - نیس کے علاقہ پر اٹلی کو گفتگو کرنے کا

حق دیا گیا اور سب سے اہم شرط یہ تھی کہ جرمنی کے اس وعدہ کے عوض کہ وہ فرانسیسی بیڑے سے فرانس کے پرانے ساتھی برطانیہ کے خلاف کوئی کام نہ لیگا سارا فرانسیسی بیڑہ جرمنی کے حوالے کر دیا گیا۔

یہ آخری شرط صریح طور پر برطانوی مفاد کے خلاف تھی، برطانیہ نے اسپر احتجاج کیا اور فرانس کو آگاہ کیا کہ فرانس بغیر برطانیہ کی منظوری کے جرمنی سے علیحدہ سمجھوتہ نہیں کر سکتا اور برطانیہ اسی وقت اپنی رضامندی دے سکتا ہے جب فرانس کا بحری بیڑہ برطانیہ کے حوالے کر دیا جائے لیکن جب وشی کی حکومت نے برطانیہ کے اس دعوے کو نہیں مانا تو حکومتِ برطانیہ نے وشی کے آگے یہ تجویز پیش کی کہ فرانس کا بحری بیڑہ نہ برطانیہ کو دیا جائے اور نہ جرمنی کو بلکہ تا اختتامِ جنگ کسی غیر جانبدار ملک کی بندرگاہ میں بھیجدیا جائے۔ لیکن جرمنی کے دباؤ کے باعث وشی نے برطانیہ کا یہ مطالبہ بھی ٹھکرا دیا۔ وشی کے اس رویہ کا حکومتِ برطانیہ پر بہت بُرا اثر پڑا اب اس کے لئے دو ہی راہیں کھلی ہوئی تھیں یا تو فرانس کی ناراضی کا خیال کئے بغیر بزورِ بازو اپنے مطالبہ کی خود ہی تکمیل کرلے یا پھر اپنی قسمت پر شاکر ہو بیٹھے۔ اور نتیجہ کو آئندہ کے حالات کے سپرد کر دے۔ حکومتِ برطانیہ نے پہلی صورت اختیار کی اور عواقب و نتائج سے بے پروا ہو کر فرانس کے دو تہائی بحری بیڑے کو بزور بازو یا تو قبضہ میں کرلیا، یا بیکار کر دیا۔

باب ۲۹

فرانس کی شکست کا ردِ عمل، رومانیہ کے حصے بخرے، برطانیہ پر ہوائی تاخت

فرانس سے عارضی مصالحت کے بعد ہٹلر کو یہ توقع تھی کہ فرانسیسی بحری بیڑہ اس کے قبضہ میں آجائیگا لیکن یہ توقع اس کی پوری نہ ہوسکی حکومت برطانیہ نے جب دیکھا کہ وشی کی حکومت یہ تجویز بھی ماننے کو تیار نہیں ہے کہ تا اختتام جنگ اپنے بیڑے کو کسی غیر جانبدار ملک کی بندرگاہ میں رکھ دے تو اس نے پہلے تو اُن سب فرانسیسی جہازوں پر قبضہ کر لیا جو برطانیہ کی بندرگاہ میں کھڑے تھے ان میں دو بڑے جنگی جہاز تھے، دو کروزر تھے چند آبدوز کشتیاں تھیں اور تقریباً دو سو چھوٹے تجارتی جہاز اور کشتیاں تھیں ان جہازوں کے علاوہ شمالی افریقہ کے فرانسیسی بحری مرکز "اوران" پر بھی توجہ کی اور عین اس وقت جبکہ اس مرکز سے فرانسیسی جہاز نکالکر جرمنی کی نگرانی میں دئیے جارہے تھے بحیرۂ روم کے برطانوی امیر البحر کیطرف سے اور اُن کے فرانسیسی گورنر کو ایک الٹی میٹم ملا جس میں فرانسیسی گورنر سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ چھ گھنٹے کے اندر اندر اوران کے سارے فرانسیسی جہاز امریکہ یا دسٹ انڈیز کی بندرگاہوں میں بھیج دئے جائیں، فرانسیسی گورنر نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا اسپر برطانوی بحری بیڑے اور بیڑے کے ہوائی جہازوں نے جو اس ہی بحیرۂ روم میں کھڑے ہوئے تھے وقت گذرنے کے بعد اوران کے فرانسیسی جہازوں پر حملہ کر دیا۔ ایک فرانسیسی جنگی جہاز ڈبو دیا ایک "بٹل کروزر" کو سخت نقصان پہنچایا دو تباہ کن جہاز اور ایک ہوائی جہاز لے جانے والے جہاز میں آگ لگادی اور دو

چھوٹے جنگی جہازوں کو بیکار کردیا، اسی کے ساتھ اسکندریہ پر جو فرانسیسی جہاز لنگرانداز تھے اُنھیں بھی برطانوی نگرانی میں لے لیا۔ اس طرح حکومتِ برطانیہ نے فرانس کے دو تہائی بیڑے پر یا تو قبضہ کرلیا یا اُسے بیکار کردیا۔

حکومتِ برطانیہ کی اس حرکت کا وشی کی حکومت نے بہت بُرا مانا اور اسی عذر کو درمیان میں رکھ کر برطانیہ سے سیاسی رشتہ توڑ دیا، لیکن امریکہ پر اور یورپ کی غیر جانبدار ممالک پر برطانیہ کی اس کارروائی کا نہایت اچھا اثر پڑا۔ اسی کارروائی کے بعد دراصل ان ملکوں کو یہ یقین آیا کہ برطانیہ اب فی الحقیقت محوری طاقتوں سے ہر میدان میں مقابلہ کرنیکا ارادہ رکھتا ہے۔

فرانس کی شکست اور جرمنی سے مصالحت کا خود فرانسیسیوں پر، فرانسیسی مقبوضات پر اور بلقان کی ریاستوں پر بُرا اثر پڑا، فرانسیسیوں کا ایک طبقہ وشی کی حکومت سے ناراض ہو کر انگلستان آگیا اور یہاں جنرل "ڈگال کی قیادت میں آزاد فرانسیسیوں" کے نام سے ایک قومی کمیٹی بنالی اور اعلان کردیا کہ آزاد فرانسیسی برابر برطانیہ کے دوش بدوش جرمنی سے جنگ جاری رکھیں گے۔ اس ہی تحریک کا اثر فرانسیسی مقبوضات پر بھی پڑا۔ وسطی افریقہ کے مقبوضے میں یہ تحریک زیادہ کامیاب ہوئی، مشرق بعید میں انڈوچینا (ہندچینی) کا گورنر جنرل ڈگال کا حامی ہوگیا، ہندوستان اور مصر کے فرانسیسیوں نے اس تحریک کی تائید کی۔ وشی کی حکومت کو اس تحریک کے مقابلہ کے لئے شام اور شمالی افریقہ کے مقبوضات میں زیادہ سرگرمی دکھانی پڑی۔

مشرق بعید میں جاپان اور تھائی لینڈ نے (سیام) ہاتھ پاؤں پھیلائے شکست خوردہ فرانس جو یورپ میں خود ہی مصیبتوں میں مبتلا تھا، مشرقِ بعید میں جاپان اور سیام کے عزائم کے مقابل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سیام نے ہندچینی کے ایک

علاقے کا دعویٰ کر دیا جو پہلے کبھی سیام سے ہند چینی کی فرانسیسی حکومت نے چھین لیا تھا اور جاپان نے ہند چینی کی کمزوری کو درمیان میں رکھ کر برطانیہ پر شہ ڈالی اور حکومت برطانیہ سے یہ مطالبہ کر دیا کہ چین کی مدد کے لئے جو سڑک برما سے بنائی گئی ہے وہ بند کر دی جائے[۵]۔

بلقان کی ریاستوں پر فرانس کی شکست کا یہ اثر پڑا کہ اُنہیں برطانیہ کی فتح مشتبہ نظر آنے لگی جنگ سے پہلے حکومتِ برطانیہ نے رومانیہ اور یونان کی طمانیت کر لی تھی، فرانس کی شکست کے بعد سے یہ ملک اپنے ارادوں میں کچھ متزلزل نظر آنے لگے۔ خصوصاً رومانیہ ایک تازہ مصیبت میں گرفتار ہو گیا اس سے ایک طرف رُوس نے ۲۴ گھنٹہ کا نوٹس دیکر "بسریبیا اور بکونیا" کے صوبے طلب کر لئے اور دوسری طرف بلغاریہ اور ہنگری نے ٹرانسلوینیا اور دبروجہ کے علاقوں کا دعویٰ کر دیا (یہ علاقے رومانیہ کو ۱۹۱۸ء میں بلغاریہ، روس اور ہنگری سے دلوائے گئے تھے) ان سہ گونہ مطالبوں سے رومانیہ سخت پریشانیوں میں گھر گیا، اس کے وجود کی طمانیت کرنے والوں میں ایک تو شکست کھا ہی چکا تھا دوسرا جو باقی رہ گیا تھا وہ اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا اس نے مجبوراً رُوس کے آگے سرخم کر دیا لیکن بلغاریہ اور ہنگری کا دعویٰ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی اُس نے برطانیہ اور فرانس کی وہ "طمانیت" بھی، ٹھکرا دی جس پر وہ اب تک تکیہ کئے ہوئے تھا۔

---

[۵] سیام کے مطالبہ کے جواب میں وشی کی حکومت نے سیام سے گفت و شنید شروع کر دی اور جاپان کا مطالبہ حکومت برطانیہ نے اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ اگر تین مہینے میں چین اور جاپان میں صلح نہ ہوئی تو اس سڑک کو دوبارہ کھول دینے کا برطانیہ کو اختیار ہوگا۔ (مولف)

۲۸ جون ۱۹۴۰ء کو روس نے نہایت آسانی سے بسربیا اور بکوونیا پر قبضہ کر لیا اور ہنگری اور بلغاریہ کا معاملہ جرمنی نے بیچ میں پڑ کر اسطرح طے کرا دیا کہ "ٹرانسلونیہ" کا کچھ علاقہ رومانیہ کے پاس چھوڑ کر باقی ہنگری کو اور دبروجہ کا جنوبی حصہ بلغاریہ کو دلوا دیا اسطرح رومانیہ پر برطانیہ کے بجائے جرمنی کا اقتدار قائم ہو گیا۔

ٹرکی سے برطانیہ اور فرانس کا اتحاد ہوا تھا اور ٹرکی اس اتحاد پر بدستور قائم تھا لیکن فرانس کی شکست کے بعد جرمنوں نے چالاکی سے ٹرکی اور روس کے تعلقات میں کشیدگی پیدا کر دی جس سے بلقان اور مشرق قریب میں ترکی کا اثر مجروح ہو گیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ٹرکی برطانیہ اور فرانس میں جب اتحاد کا معاہدہ ہوا تو جنوب مشرقی یورپ میں جہاں بہت سی فوجی چالیں آپس میں زیر بحث آئیں وہیں ایک نقشہ یہ بھی تجویز ہوا تھا کہ اگر روس جرمنی کے ساتھ ہو گیا تو ترکی سرحد میں سے گذر کر اتحادیوں کے ہوائی جہاز باکو کے تیل کے چشموں پر بم برسا سکیں گے لیکن یہ محض ایک ابتدائی نقشہ تھا اسپر ترکی برطانیہ اور فرانس کے جنرل اسٹاف نے غور بھی نہیں کیا تھا اور جب جنگ شروع ہونے کے بعد روس نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا تو اس نقشہ پر غور کرنے کی چنداں ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ یہ نقشہ فرانس کی شکست کے بعد جرمنی کے ہاتھ لگ گیا اور اس نے اسے توڑ مروڑ کر اس طرح شائع کر دیا جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ ترکیوں نے اتحادیوں سے یہ سازش کر لی ہے کہ جنگ شروع ہوتے ہی ترکی باکو کے تیل کے چشموں پر قبضہ کر لے گا۔ جرمنی کے اس انکشاف سے ترکی اور روس کے تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے اور ترکی کو اپنی مشرقی سرحدات کے متعلق وہ اطمینان باقی نہ رہا جو اس سے پہلے حاصل تھا۔

جرمنی نے یہ چال اسلئے چلی تھی کہ ترکی کو برطانیہ سے توڑ کر اپنے ساتھ ملالے اور پھر ترکی کی مدد سے جنوبی یوروپ اور مشرق قریب میں برطانیہ کے اقتدار پر ایک کاری ضرب لگائے لیکن ترکی نے روس سے کشیدگی ہو جانے کے باوجود جرمنی سے اپنا رشتہ جوڑنا پسند نہیں کیا جس کی وجہ سے مشرق قریب کے متعلق ہٹلر کا پروگرام نامکمل رہ گیا۔

ہٹلر نے فرانس سے نمٹ کر انگلستان پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن سمندر کی وہ ذرا سی دھجی جو برّاعظم یوروپ اور انگلستان کے درمیان حائل تھی ہٹلر کی پیش قدمی میں نہایت سخت روک بنی ہوئی تھی، ہٹلر نے اُسے عبور کرنے کی کوشش میں بلجیم، ہالینڈ اور فرانس کی مفتوحہ بندرگاہوں میں ہزاروں کشتیاں اور فوج لے جانے والے جہاز اکٹھے کئے ان کے پیچھے لاکھوں کی تعداد میں کیل کانٹے سے لیس فوج تیار رکھی اور اس فوج کے راستہ کو ہموار کرنے کے لئے اس نے اپنے بم ماروں کی مدد سے انگلستان کے پایۂ تخت اور بندرگاہوں پر پوری قوت اور شدّت سے بمباری شروع کر دی۔ ہٹلر کی ان عظیم الشان تیاریوں اور جرمنی کے ہوائی جہازوں کی تباہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے عام طور پر یہ خیال ہو رہا تھا کہ شاید ۱۵ اگست کی تاریخ انگلستان کے لئے سلامتی کے ساتھ نہ گذر سکے گی لیکن ۱۵ اگست کی تاریخ بہت جلد ۱۵ ستمبر میں بدل گئی اور ۱۵ ستمبر کے بعد ۱۵ اکتوبر کی تاریخ بھی خیر وخوبی سے گذر گئی اور انگلستان پر ہٹلر کا حملہ نہ ہو سکا۔ واقعہ یہ ہے کہ تیاریاں اس حملے کی ہٹلر نے پوری طرح مکمل کر لی تھیں اور کوشش میں بھی اس نے اپنی طرف سے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی لیکن انگلستان کی مدافعت کے آگے اسکی ایک نہ چل سکی۔ جرمنی کے سیکڑوں ہوائی جہاز اس کوشش کے نذر ہو گئے

اور برطانوی ہوائی جہازوں کے ہاتھوں ہزاروں کشتیاں جو فرانس ہالینڈ اور بلجیم کے ساحل پر کھڑی تھیں تباہ ہو گئیں۔ اور ہزاروں سپاہی جوان کشتیوں کے پیچھے تیار کھڑے تھے لقمۂ اجل بن گئے۔

برطانوی ہوائی جہازوں کی قوت ہٹلر کے اندازے سے زیادہ ہلاکت آفریں ثابت ہوئی اور با وجود متواتر اور مسلسل کوشش کے وہ نہ اپنے بم ماروں کی مدد سے انگریزوں کے حوصلوں کو پست کر سکا اور نہ اپنی جنگی تیاریوں کو برطانوی ہوائی جہازوں کی دست برد سے بچا سکا۔ انگلستان پر ہٹلر کا مجوزہ حملہ ناکام رہا اور اپنی اس ناکامی کو چھپانے کے لئے اسے فوراً اور طرف متوجہ ہونا پڑا۔

فرانس، اسپین، اٹلی رومانیہ، اور جاپان اس کی بساطِ سیاست کے نہایت اہم اور ضروری مہرے تھے اور وہ ان سب سے موقع بہ موقع اپنے آئندہ پروگرام کی تکمیل میں کام لینا چاہتا تھا۔

باب ۳۰

بحیرۂ روم اور بلقان میں محوری طاقتوں کی تازہ سرگرمیاں

فرانس سے جن شرائط کے ماتحت ہٹلر نے عارضی مصالحت کی تھی وہ بہت دنوں تک قائم نہ رہا، پہلے تو اس نے فرانس کو جرمنی کے ساتھ اقتصادی اشتراک عمل کے لئے مجبور کیا اور اس کے بعد بحیرۂ روم میں برطانیہ کو نیچا دکھانے کے لئے فرانس کے بچے کھچے بحری بیڑے اور چند بندرگاہوں کا مطالبہ کردیا۔ فرانس کا ایک چوتھائی حصہ جو وشی کی حکومت کے پاس تھا بالکل ہٹلر کے رحم و کرم پر تھا اس اعتبار سے اس کا امکان نہیں تھا کہ وشی کی حکومت ہٹلر کے ان مطالبات کو رد کردے گی لیکن مارشل پیتاں نے اس موقع پر غیر معمولی استقامت دکھائی، جرمنی سے اقتصادی اشتراک عمل کی تو حامی بھرلی لیکن فرانسیسی بحری بیڑہ اور بندرگاہوں کو جرمنوں کے حوالے کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اس انکار کے جواب میں ہٹلر کے لئے یہ بہت آسان تھا کہ وشی کی حکومت کو دوسرے سے فرانس ہی سے نکال باہر کرتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا غالباً وہ اس موقع پر اپنے دشمنوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے تشدد کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے اپنا مطالبہ منوانے کیلئے وشی کی حکومت سے گفتگو شروع کردی کئی مرتبہ مارشل پیتاں اور اس کے وزیروں سے ملا، لالچ بھی دیئے، دھمکیوں سے بھی کام لیا اور جب اس سے بھی کام نہ بنا تو وشی کی حکومت میں "دلال" کے ذریعہ رخنہ ڈالنے کی کوشش شروع کردی۔

"پیری لاوال" وشی کا نائب وزیر اعظم تھا فرانس کے غیر مفتوحہ علاقے میں ہٹلر کا خاص آدمی اور انگریزوں کا یہ سخت مخالف سمجھا جاتا تھا وہ دل سے یہ چاہتا تھا کہ فرانس اور جرمنی میں پورا پورا اشتراکِ عمل ہو جائے اس نے مارشل پتیان کو ہٹلر کے آگے جھک جانے پر مجبور کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی اور جب اس سے کام نہ چلا تو اس نے جرمنوں سے سازش کر کے خود وشی کی حکومت پر قبضہ کر لینا چاہا لیکن "لاوال" کی یہ سازش وقت سے پہلے ظاہر ہو گئی اور مارشل پتیان نے اسکو فوراً نائب وزیر اعظم کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا۔ اور اس کے بجائے "ڈارلان" کو نائب وزیر بنا دیا جو فرانسیسی بحری بیڑے کا کمانڈر اور پتیان کا اپنا آدمی تھا۔

وشی کی حکومت میں اس تبدیلی کے بعد ہٹلر کو کچھ دنوں کے لئے اپنا مطالبہ ملتوی کر دینا پڑا۔

جنرل فرینکو پر مسولینی اور ہٹلر دونوں کا احسان تھا اسلئے کہ ان ہی دونوں کی مدد سے جنرل فرینکو کو جمہوریہ اسپین پر فتح حاصل ہوئی تھی، اب موقع تھا کہ جنرل فرینکو اس احسان کا بدل کرتا، بحیرۂ روم کے مغربی دہانے پر برطانیہ کا بحری مرکز "جبرالٹر" جغرافیائی حیثیت سے اسپین میں شامل تھا، ہٹلر جنرل فرینکو کی مدد سے اس برطانوی بحری مرکز پر قبضہ کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے خود ہٹلر نے اسپین کی سرحد تک سفر کیا اور جنرل فرینکو کو مجبور کیا کہ وہ برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر کے جبرالٹر پر فوراً حملہ کر دے لیکن جب فرینکو نے اس عذر کے ماتحت کہ اسکی فوجیں موجودہ آلاتِ جنگ سے پوری طرح مسلح نہیں ہیں جنگ میں ہٹلر کا ساتھ دینے سے معذوری ظاہر کی تو ہٹلر نے دوسرا مطالبہ فرینکو سے یہ کیا کہ وہ جرمن فوجوں کو جبرالٹر تک اپنے علاقہ سے گذر جانے کی اجازت دیدے۔ جنرل فرینکو نے ہٹلر کا یہ مطالبہ بھی منظور نہیں

کر سکتا تھا اسلئے کہ جرمن فوجوں کو اپنے ملک سے گذرنے دینے کے معنی ہی یہ ہوتے کہ اسپین جنگ میں جرمنی کا شریک ہے اور اسی صورت میں اسپین کو برطانوی ناکہ بندی اور برطانیہ اور جرمنی کے رو ندن میں آجانے سے نہیں بچایا جا سکتا تھا۔

اگرچہ ہٹلر اور فرینکو کی ملاقات کے بعد بھی اس بارے میں جرمنی اور اسپین میں برابر گفتگو جاری رہی اور اسپین کے وزیر خارجہ نے برلن اور روم کے کئی چکر بھی لگائے لیکن نتیجہ ان چکروں کا بھی کچھ نہ نکلا، جنرل فرینکو بدستور غیر جانبداری پر قائم رہا اور اسپین کو جنگ کی لپیٹ سے علیحدہ رکھنے میں کامیاب رہا فرینکو کی دور اندیشی کے باعث جبرالٹر کے متعلق ہٹلر کا پروگرام ناکام رہا اور اسے بھی کسی اور وقت کے لئے ہٹلر کو ملتوی کرنا پڑا۔

اٹلی اب جرمنی کا جزو لاینفک تھا اور خود اٹلی کا اپنا مفاد بھی اس میں تھا کہ وہ بالکل جرمنی کے ساتھ رہے، یہی صورت جاپان کی تھی جس وقت ہٹلر نے اسٹالن سے معاہدہ کیا تھا تو جاپان اور جرمنی میں کچھ دنوں کے لئے کشیدگی پیدا ہو گئی تھی، لیکن فرانس کی شکست کے بعد نہ صرف یہ کشیدگی دور ہو گئی بلکہ جاپان اپنی غرض کے لئے پہلے سے بھی زیادہ ہٹلر کی طرف جھک گیا ان تینوں طاقتوں کے درمیان "انٹی کومنٹرن پیکٹ" کے نام سے جو معاہدہ تھا وہ اب بدلے ہوئے حالات میں کچھ بے اثر سا ہو گیا تھا اسلئے ستمبر ۱۹۴۰ء میں آپس میں ایک نیا جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ طے ہوا اور ہٹلر کے یہ دونوں ساتھی ایک نئے زاویہ سے سلطنت برطانیہ کے مقابل آ گئے۔

فرانس کی شکست کے ساتھ ہی بحیرۂ روم اور شمالی اور مشرقی افریقہ میں مسولینی کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ لیبیا کی اطالوی فوجیں تین سو میل صحرا کا علاقہ طے کر کے مصر کے سرحدی شہر "سدی برانی" تک بڑھ آئیں اور وہاں اپنے مورچے قائم کر کے

مو رقع کے انتظار میں ہو بیٹھیں اور دوسری طرف اطالوی سمالی لینڈ کی فوجیں برطانوی سمالی لینڈ میں گھس گئیں اور معمولی سی لڑائی کے بعد اُسے بھی فتح کر لیا۔ برطانیہ کی، مدافعتی فوجیں جو دریائے نیل کے کنارے پڑی تھیں اُن کی تعداد اتنی نہیں تھی کہ اٹلی کے اس دوطرفہ حملے کو روک سکتیں اسلئے یہ فوجیں سمٹ سمٹ کر ایک مرکز پر جمع ہوتی گئیں لیکن چپکے چپکے اپنی طاقت بھی بڑھاتی رہیں۔

افریقہ میں مسولینی کی اس پیش قدمی کا مقصد یہ تھا کہ ستمبر ۱۹۴۰ء میں ہٹلر جو برطانیہ پر حملہ کرنے والا تھا اس حملہ کیساتھ ہی مصر پر بھی حملہ کیا جائے اور ایک ہی وار میں سلطنتِ برطانیہ کی طاقت کو کچل کر رکھ دیا جائے۔

صورتِ حال کافی خطرناک تھی اور عام خیال یہ تھا کہ برطانیہ کی کہن سال سلطنت محوری طاقتوں کی اس ضرب کی تاب نہ لاسکے گی لیکن ایسا نہ ہُوا، برطانیہ پر ہٹلر کے ہوائی حملے بیکار ثابت ہوئے اور اٹلی کی فوجیں جو برطانیہ کی شکست کے انتظار میں ہدّی برانی پر پڑی ہوئی تھیں وہیں کی وہیں پڑی رہ گئیں۔

برطانیہ پر ناکام حملوں کے بعد ہٹلر نے فوراً ایک اور چال چلی مغربی محاذ کی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے اس نے مشرق کی طرف اپنا رُخ پھیر دیا اور رومانیہ کی جانب حرکت شروع کر دی مقصد یہ تھا کہ رومانیہ کے تیل کے چشمے بھی اس کے قبضہ میں آجائیں اور رومانیہ میں اسکی فوجی نقل و حرکت سے بلقان میں بھی ہلچل مچ جائے اور بلقان کے بعض ممالک خصوصاً ترکی اور یونان پر برطانیہ کا جو اثر ہے وہ زائل ہو جائے

ہٹلر کو رومانیہ میں اپنا اقتدار قائم کر لینے میں پوری کامیابی ہوئی شاہ کیرول نے اگرچہ برطانوی طمانیت کو ٹھکرا دیا تھا لیکن وہ نازسیوں کے ہاتھ میں بھی کٹھ پتلی بننے کے لئے تیار نہ ہوئے اسکا نتیجہ یہ تھا کہ وہاں نازسیوں نے اپنے اثر سے انقلاب برپا کیا

شاہ کیرول اپنے لڑکے کے حق میں تخت سے دست بردار ہو کر رومانیہ سے فرار ہوگئے اور جنرل "انٹی نسکو نے ڈکٹیٹرین کر ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، اسی جنرل انٹی نسکو کی مدد سے جرمنوں نے رومانیہ میں دخل حاصل کیا اور رفتہ رفتہ وہاں اپنے بارہ ڈویژن کیل کانٹے سے لیس معہ فضائی بیڑے کے متعین کر دیئے۔

دوسری طرف مسولینی نے اپنی لیبیا کی فوجوں پر سے مصر کی برطانوی فوجی دباؤ کو جو برابر بڑھتا چلا آرہا تھا دور کرنے کے لئے بحیرۂ ایجین کے راستہ شام[1] پر قبضہ کر لینے کی طرح ڈالدی۔

اسکیم یہ تھی کہ شام پر قبضہ کرکے ایک طرف ترکی اور یونان کے گرد ایک مضبوط حصار کھینچ دیا جائے۔ شام کے راستہ موصل اور ایران کے تیل کے چشموں پر قبضہ جمایا جائے اور دوسری طرف نہر سوئز کے برطانوی فوجی مرکز پر شہ ڈالکر دریائے نیل کے کنارے کی ان برطانوی فوجوں کی توجہ ہٹا دی جائے جو سیدی برانی کی اطالوی فوجوں کا راستہ روکے پڑی تھیں۔

اسکیم اپنے نتائج کے اعتبار سے یقیناً بہت اہم اور شاندار تھی لیکن اسکی کامیابی کا قرینہ صرف اسی وقت پیدا ہو سکتا تھا جب اٹلی کو بحیرۂ روم اور بحیرۂ ایجین میں پورا پورا اقتدار حاصل ہو جائے اور برطانیہ کی بحری طاقت کے مقابل اٹلی کے لئے مشرقی بحیرہ روم اور بحیرۂ ایجین میں یہ اقتدار حاصل کر لینا آسان نہ تھا۔

---

[1] شام پر فرانسیسی انتداب ہے لیکن فرانس کی شکست کے بعد سے سولینی برابر اس پر قبضہ کر لینے کی دھن میں لگا ہوا تھا چنانچہ فرانس کے ہتھیار ڈالتے ہی اٹلی کا ایک فوجی مشن شام گیا تھا جہاں اس نے فرانسیسی فوجوں اور ہوائی اسٹیشنوں کا معائنہ کیا اس معائنہ کے بعد اٹلی نے فرانس پر زور دیا کہ شام اٹلی کے حوالے کر دیا جائے لیکن مارشل پیتاں نے اسکو نہیں مانا اس انکار کے بعد سولینی اس پر زبردستی قابض ہونا چاہتا تھا۔ (مولف)

یوں تو بحیرۂ ایجین پر اپنا اقتدار قائم کرنے کی تمنا مدت سے مسولینی کے دل میں تھی اور اس کے لئے اس نے یونان کی مشہور بندرگاہ "سلونیکا" کو بھی تاک رکھا تھا لیکن اب تک اسے اس بندرگاہ پر قبضہ کر لینے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا اس وقت موقع تھا کہ وہ اپنی دیرینہ تمنا پوری کرتا چنانچہ مسولینی نے ہٹلر سے مشورہ کے بعد یونان پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ برطانیہ سے رشتہ توڑ کر جرمنی اور اٹلی سے رشتہ جوڑ لے، سلونیکا اٹلی کے حوالے کر دے اور اٹلی کی فوجوں کو اپنے علاقہ سے اس بندرگاہ تک گذر جانے کا راستہ دے اس کے علاوہ بحر اڈریاٹک میں کریٹ اور کارفیو کو استعمال کرنے کی اجازت دیدے۔

ظاہر ہے کہ اٹلی کے یہ مطالبے جو عملاً یونان کی آزادی کو ختم کرنے والے تھے اس قابل نہیں تھے کہ یونان کی حکومت سنجیدگی سے اس پر غور بھی کرتی مسولینی نے جب دیکھا کہ محض گفت و شنید سے کام نہیں بن سکتا تو اس نے محض دھمکانے کے لئے ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو یونان کی حکومت کو تین گھنٹہ کا الٹی میٹم دیدیا، مسولینی کا خیال تھا کہ الٹی میٹم سے یونان کی حکومت گھبرا جائے گی اور فوراً اٹلی کے مطالبات کے آگے سر خم کر دے گی لیکن مسولینی کی توقع کے خلاف یونان نے الٹی میٹم قبول کر لیا اور صرف تین گھنٹے کے نوٹس میں اٹلی اور یونان میں لڑائی شروع ہو گئی۔

مسولینی کا اپنا بیان اس جنگ کے متعلق یہ تھا کہ اٹلی یونان سے جنگ کرنی نہیں چاہتا تھا، جنرل میٹکسس وزیر اعظم یونان نے اٹلی کا الٹی میٹم سمجھنے میں غلطی کی اور خود ہی اٹلی سے جنگ شروع کر دی لیکن اس اعلان کے باوجود جنگ میں پہل اطالویوں نے کی اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو صبح ۶ بجے وہ یونان کی سرحد پار کر آئے۔

اٹلی کا ایک کالم شمال سے جنوب کی طرف بڑھا اور دوسرے کالم نے البانیہ کی سرحد سے سلونیکا کی طرف پیشقدمی شروع کر دی ابتداً اٹلی کی فوجوں کو برابر کامیابی ہوتی

رہی اور دو ہفتہ کے اندر اندر وہ یونان کے ساحل پر ملے ملے جنوب میں کافی دور تک گھس آئیں لیکن دو ہی ہفتہ بعد لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ یونانی فوجوں نے نہ صرف اٹلی کے دونوں کالموں کی پیشقدمی روکدی بلکہ انہیں دباتے ہوئے اپنی سرحد سے پرے دھکیل دیا اور خود البانیہ میں گھس کر انہیں پے درپے شکستیں دینی شروع کردیں۔ یونان کی اس غیر متوقع کامیابی سے اٹلی کا بھرم کھل گیا اور یونانیوں کے حوصلے بڑھ گئے برطانیہ نے حسب معاہدہ اعلانِ جنگ کے ساتھ ہی یونانیوں کی ہوائی جہازوں سے مدد کی اور یونان کی جنوبی بندرگاہوں کو اٹلی کے بحری بیڑے کی تاخت سے بچانے کے لئے جزیرۂ کریٹ پر اپنا بحری مورچہ لگادیا اور "ڈوڈوکینز" کے چند ٹاپوؤں پر قبضہ کرکے مشرقی بحیرۂ روم میں اطالوی بحری بیڑے کی نقل وحرکت کو روکدیا، اس طرح اٹلی یونان سے جنگ شروع ہونے کے مہینہ بھر بعد ہی سب طرف سے گھر گیا اور اسطرح گھرا کہ اسکا ساتھی جرمنی بھی اس موقع پر فی الفور اسکی مدد نہیں کرسکا اسلئے کہ موسمِ سرما کے باعث بلقان میں جرمنی کی فوجی نقل وحرکت ناممکن ہوگئی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اٹلی کو اپنی غلطی کا خود ہی خمیازہ بھگتنے کے لئے اکیلا چھوڑدیا گیا۔

۳۱
باب

مشرق بعید میں جاپان کے اقدامات امریکہ اور برطانیہ کا متحدہ محاذ

فرانس کی شکست کے بعد ایک مرتبہ پھر جاپان کی حکمت عملی نے پلٹا کھایا۔ قدامت پسندوں کی حکومت ختم ہوگئی اور انتہا پسند جاپانی مدبروں نے فوجی لیڈروں کی مدد سے اپنی حکومت بنالی جاپان میں حکومت کی یہ تبدیلی گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ جاپان بحرالکاہل اور مشرق بعید میں اپنی محتاط پالیسی سے دستبردار ہوگیا اور یورپ کی کشمکش سے خود بھی مشرق بعید میں پورا پورا فائدہ اٹھانے پر اتر آیا۔

جاپانی حکمت عملی کی اس تبدیلی کا پہلا ثبوت تو یہی تھا کہ جاپان نے برطانیہ کو یہ نوٹس دیدیا کہ وہ "برما روڈ" کو فوراً بند کردے جس سے چنگ کائی شک کو سامانِ جنگ بھیجا جا رہا ہے اور برطانوی حکومت کو حالات کے پیش نظر جاپان کا یہ مطالبہ منظور کرلینا پڑا لیکن برطانیہ نے جاپان کا یہ مطالبہ صرف تین مہینے کے لئے منظور کیا تھا اور شرط یہ رکھی تھی کہ اس دوران میں جاپان چین سے مصالحت کرلے مقصد یہ تھا کہ جیسے ہی یورپ میں حالات کسی قدر سنبھل جائیں اس معاہدہ سے برطانیہ کو گریز کا موقع مل سکے چنانچہ تین مہینے بعد جب یورپ میں حالات کسی قدر بہتر ہوگئے تو برطانیہ نے یہ اعلان کردیا کہ جس مدت کے لئے برما روڈ بند کی گئی تھی وہ ختم ہوگئی اور چونکہ اس مدت میں جاپان نے چین سے مصالحت کی کوشش نہیں کی اور نہ آئندہ اسکا ارادہ معلوم ہوتا ہے اسلئے برما روڈ ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۰ء کی رات کو بارہ بجے کھولدی جائے گی۔

اس اعلان نے جاپان کو غضب ناک کر دیا اور اس نے فوراً برطانیہ سے اس کا بدلہ لینے کے لئے مغربی چین کے بعض علاقہ کو جہاں بہت تھوڑی سی انگریزی فوج تھی گھیر لیا، حکومتِ برطانیہ نے جاپان کی اس کارروائی پر انگریز بچوں اور عورتوں کو ان علاقوں سے نکال لیا اور ان علاقوں کو امریکہ کے سپرد کر کے وہاں سے اپنی فوجیں بھی ہٹا لیں، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ برطانیہ اب جاپان کے دباؤ کو تسلیم نہیں کرے گا اور اگر وہ اپنی ان حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو برطانیہ مشرق بعید میں جاپان سے بھی لڑنے میں پس و پیش نہیں کریگا۔

حکومتِ برطانیہ کی اس جوابی کارروائی سے جاپان کی تیز رفتاری میں تو فرق ضرور آ گیا لیکن مشرق بعید میں اقتدار حاصل کرنے کا جو مقصد اس نے اپنے لئے متعین کر لیا تھا اس سے دست بردار نہ ہوا بلکہ پہلے سے زیادہ محتاط اور مضبوط بنیادوں پر مشرق قریب اور بحرالکاہل میں اپنی پیش قدمی کا خاکہ تیار کرنا شروع کر دیا۔

---

۲۷ ستمبر ۱۹۴۰ء کو جرمنی جاپان اور اٹلی نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا نیا معاہدہ طے کیا، یہ معاہدہ، برطانیہ اور امریکہ[۵] دونوں کو کھلا ہوا چیلنج تھا۔ اس معاہدہ کا پہلا مقصد تو یہ تھا کہ جرمنی اور اٹلی متحد ہو کر بحیرۂ روم، اور بحیرۂ اٹلانٹک میں برطانیہ کی بحری طاقت پر ضرب لگائیں اور جب یہ دونوں

---

[۵] جرمنی اور اٹلی نے اس معاہدہ میں جاپان کو اپنے ساتھ شریک ہی اسلئے کیا تھا کہ امریکہ کو دھمکا کر برطانیہ کی مدد سے اُسے باز رکھا جائے مقصد یہ تھا کہ بحرالکاہل میں امریکہ کو جاپان کے خطرے سے اسطرح ڈرایا جائے کہ امریکہ خود اپنی مدافعت کیطرف متوجہ ہو جائے اور اسطرح برطانیہ کو وہ بحری مدد نہ مل سکے جسکا امریکہ نے برطانیہ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ (مولف)

مل کر برطانیہ کو یورپ میں مصروف کرلیں تو جاپان بحرالکاہل اور مشرق بعید کو برطانوی اثر سے پاک کردے ۔

اس تدبیر کی کامیابی کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا کہ بحرالکاہل اور بحیرۂ اٹلانٹک میں امریکہ کو براہِ راست محوری طاقتوں کے مقابل ہونا پڑ جاتا اسطرح گویا یہ معاہدہ بالواسطہ خود امریکہ کے بھی خلاف تھا اور چونکہ ان سمندروں میں برطانیہ اور امریکہ کا مفاد مشترک تھا اسلئے امریکہ کے لئے برطانیہ کے ساتھ مل کر ان دونوں سمندروں میں محوری طاقتوں کا مقابلہ کرنا ضروری ہوگیا۔ چنانچہ ان سمندروں کی حفاظت کے لئے امریکہ نے برطانیہ کو ہر قسم کی امداد دینے کا اعلان کردیا اور پہلی بحری مدد برطانیہ کی اسطرح کی کہ امریکہ کے پچاس تباہ کن پرانے جہاز جو امریکہ کے لئے "بیکار" ہوگئے تھے برطانیہ کی نذر کردیئے اور برطانیہ نے سمندروں کے مشترکہ بچاؤ کی اسکیم کے ماتحت اٹلانٹک میں چند جزائر امریکہ کی نگرانی میں دیدیئے تاکہ امریکہ ان جزائر میں اپنے بحری مرکز قائم کرکے اٹلانٹک کی حفاظت کا اپنے اطمینان کی حد تک اہتمام کرے ۔

برطانیہ کو امریکہ کی اس کھلی ہوئی امداد کے بعد محوری طاقتوں پر یہ ثابت ہوگیا کہ ان سمندروں کی لڑائی میں برطانیہ ہی ان کے مقابل نہیں ہے بلکہ امریکہ کی بحری قوت بھی برطانیہ کے ساتھ ہے یہ بات محوری طاقتوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھی لیکن اسکا کوئی علاج بھی ان کے پاس نہیں تھا سوائے اسکے کہ وہ برطانیہ کے ساتھ امریکہ سے بھی ٹکرا جائیں اور اسکی ان میں ابھی ہمت نہیں تھی ۔

جرمنی اور اٹلی کے ساتھ نئے معاہدے کے بعد جاپان نے پوری سنجیدگی سے

لڑائی کی تیاریاں شروع کردیں لیکن ان تیاریوں میں سب سے بڑی دقت اسے خام لوہے اور تیل کی فراہمی میں پیش آرہی تھی امریکہ نے جاپان کو خام لوہا اور تیل دونوں چیزیں بھیجنی بند کردیں ۔ اور جاپان امریکہ ہی سے یہ دونوں چیزیں لیا کرتا تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے جاپان نے فوراً ایسٹ انڈیز کی طرف توجہ کی ، ہالینڈ کی فتح کے بعد ایسٹ انڈیز کی پوزیشن بہت خطرناک ہوگئی تھی اور جاپان اسی وقت سے اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن اس کی طرف کوئی اقدام کرتے ہوئے اسلئے ڈرتا تھا کہ امریکہ آسٹریلیا اور برطانیہ وقت سے پہلے ہی اسے یہاں دبوچ لیں گے۔ تاہم تیل کی ضرورت سے مجبور ہوکر اُسے ایسٹ انڈیز کی طرف فوراً کوئی اقدام کرنا پڑا اسکا تجارتی مشن ایسٹ انڈیز گیا بظاہر گفت وشنید کرنے لیکن فی الحقیقت اس مشن کا مقصد یہ تھا کہ ایسٹ انڈیز کی حکومت کو جاپان کی بحری طاقت سے ڈرا دھمکا کر ایسٹ انڈیز کے تیل کی پیداوار میں سی کم سے کم پچاس فی صدی حصہ بٹائے چنانچہ جاپانی مشن اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا اور ایسٹ انڈیز کی حکومت نے بجائے پچاس فی صدی کے اپنی پیداوار کا چالیس فیصدی حصہ دینا منظور کرلیا۔

ایسٹ انڈیز کی یہ حرکت اگرچہ امریکہ اور برطانیہ دونوں کے مفاد کے خلاف تھی لیکن حالات وہاں کے کچھ اسقدر پیچیدہ ہوگئے تھے کہ وہ اس معاہدہ میں کوئی مداخلت نہ کرسکے ، البتہ اس معاہدے کے بعد مشرق بعید میں برطانیہ اور امریکہ دونوں اپنی مدافعت کی طرف اور زیادہ سرگرمی سے متوجہ ہوگئے ۔

مشرق بعید میں جن علاقوں کی طرف فی الفور جاپان متوجہ ہوسکتا تھا ان میں برطانوی ہانگ کانگ ، جزائر فلپائنز ، ڈچ ایسٹ انڈیز فرانسیسی ہندچینی اور

برما بہت نمایاں تھے اور چونکہ جاپان اس مہم کے لئے کئی لاکھ فوج بھی فراہم کر سکتا تھا اسلئے برطانیہ اور امریکہ ان علاقوں میں جاپان کی فوجی نقل و حرکت کی اہمیت کو گھٹا نہیں سکتے تھے البتہ اس مہم کو شروع کرنے سے پہلے جاپان کے لئے یہ بہت ضروری تھا کہ روس سے اسکا سمجھوتہ ہو جائے جسکی دس لاکھ فوج کمیل کانے سے لیس "ولاڈی واسٹاک" میں کھڑی مدت سے جاپان کی بےچینی کا باعث بنی ہوئی تھی اور جس کی روک تھام کے لئے وہ بھی کم سے کم اتنی ہی فوجیں شمالی چین میں بیکار ڈالے رکھنے پر مجبور ہو رہا تھا۔

رہا جاپان کا بحری بیڑہ اسکی طاقت بحرالکاہل میں برطانوی بحری طاقت سے بیشک زیادہ تھی لیکن امریکہ کی طاقت کے مقابلہ میں بہت کم تھی اور اگر امریکہ اور برطانیہ کی بحری قوتیں متحد ہو جائیں تو پھر جاپان کے لئے بحرالکاہل میں بحری سرگرمیاں دکھانے کا کوئی موقعہ نہیں مل سکتا تھا، لیکن ایک دقت امریکہ کے ساتھ بھی لگی ہوئی تھی اور وہ یہ کہ بحرالکاہل میں امریکہ کے جو بحری مرکز تھے وہ جاپان کے سمندر سے بہت دور دراز فاصلوں پر واقع ہوئے تھے اگر اس سمندر میں امریکہ کے جہازوں کو آنے کی ضرورت ہوتی تو یہ جہاز اپنے مرکز سے بہت دُور ہو جاتے۔

اس کمزوری کو دور کرنے کے لئے کچھ دنوں پہلے امریکہ نے بحرالکاہل کے چند درمیانی جزائر کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا تاکہ ان میں نئے بحری مرکز قائم کئے جائیں اگر امریکہ یہ نئے بحری مرکز قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو بحرالکاہل میں جاپان کی ناکہ بندی بڑی آسانی سے ہو سکے گی اور اس ناکہ بندی کے بعد جاپان کے لئے اپنے عزائم کی تکمیل کا پھر کوئی توقع باقی نہیں رہیگا۔

یہی وجہ ہے کہ جاپان اس موقعہ پر یورپ کے حالات سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی آرزو کے باوجود مشرق بعید میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور ہے کیونکہ اگر

ایک قدم بھی اس کا غلط اُٹھ گیا تو نہ صرف اُس کیلئے آئندہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ناممکن ہو جائیگا بلکہ مشرقِ بعید میں اسکی فوجی اور سیاسی اہمیت بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔

جاپان کا پہلا "محتاط قدم" بہرحال فرانسیسی ہندچینی کی طرف اُٹھ ہی گیا۔ ابھی فرانس پر سے شکست کا اثر کم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ جاپان نے فرانسیسی ہندچینی کی حکومت کو نوٹس دیدیا کہ "ہیپ ہانگ" ریلوے فوراً بند کر دی جائے، یہ ریلوے ہندچینی اور چین کے درمیان قائم تھی اور اس سے مارشل چیانگ فائدہ اُٹھایا کرتا تھا وشی کی حکومت نے جو خود اپنی گھر کی تباہی کے باعث انتہائی مشکلات میں، گھری ہوئی تھی جاپان کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر فوراً اس کے مطالبہ کے آگے گردن ڈالدی اور ۲۰ رجون ۱۹۴۰ء کو یہ ریلوے لائن بند کر دی۔

اپنے اس مطالبہ کو آسانی سے پورا ہوتا دیکھ کر کچھ دنوں بعد جاپان نے "دوسرا محتاط قدم" اُٹھایا اب کے اس نے وشی کی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ فرانسیسی ہندچینی کی ایک بندرگاہ میں جاپان کو بحری اور ہندچینی کے اندرونی علاقے میں فضائی مرکز قائم کرنے کی اجازت دی جائے، جاپان کا یہ مطالبہ بہت اہم تھا اور اس سے فرانسیسی ہندچینی کی مقبوضاتی حیثیت ختم ہو جاتی تھی اور خود فرانس کے اقتدار پر اس سے کاری ضرب آتی تھی اس لئے وشی کی حکومت نے جاپان کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور لڑنے پر آمادگی ظاہر کی جاپان فرانس کے اس جواب کے لئے بالکل تیار تھا بلکہ اس جواب سے پہلے ہی اُس نے ہندچینی پر حملہ کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ چنانچہ اس انکار کے فوراً بعد جاپان نے ۱۹۴۰ء کی آخری تاریخوں میں فرانسیسی ہندچینی پر حملہ کر دیا۔ کچھ دنوں تو ہندچینی کی فرانسیسی فوجیں جاپان کا مقابلہ

کرتی رہیں لیکن جرمنی نے وشی پر دباؤ ڈال کر اس لڑائی کو جلد ختم کرا دیا اور فرانس کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ جاپان کو ہند چینی میں بحری اور فضائی مرکز قائم کر لینے کی اجازت دیدے اسطرح مشرق بعید میں جاپان کا دوسرا محتاط قدم بھی کامیاب رہا اور اس کامیابی کے ساتھ ہی جاپان، برما کے برطانوی مقبوضے اور سنگاپور کے زبردست برطانوی بحری مرکز کے قریب تر ہو گیا۔

جاپان اس کامیابی کے بعد بھی نچلا نہ بیٹھا اور نہ وہ بیٹھ سکتا تھا۔ فرانس اس وقت نیم جان ہو رہا تھا اور جرمنی بہرحال یورپ میں اسپر دباؤ ڈالنے کے لئے موجود ہی تھا جاپان کا ان حالات میں فائدہ نہ اٹھانا عقلمندی کے خلاف ہوتا لیکن اب کے اس نے بذات خود کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ تھائی لینڈ (سیام) کے واسطے فرانس کو شہ دی۔

تھائی لینڈ کو ہند چینی کے بعض علاقوں پر دعویٰ تھا، یہ علاقے فرانسیسی ہند چینی نے کئی برس پہلے تھائی لینڈ سے چھین لئے تھے اس وقت، تھائی لینڈ کمزور تھا جیسا ہو گیا، لیکن آج فرانس کمزور تھا اسلئے تھائی لینڈ اپنا اصل مقبوضہ کے واپس لینے پر تلا ہوا تھا، ابتداً تھائی لینڈ نے گفت وشنید کے ذریعہ اس قضیہ کو نمٹا دینا چاہا چنانچہ بہت دنوں تک فرانسیسی ہند چینی اور تھائی لینڈ کے نمائندوں میں اس بارے میں تبادلۂ خیال ہوتا رہا، لیکن جب اس گفت وشنید کا کوئی کارآمد نتیجہ نہ نکلا تو تھائی لینڈ نے جاپان سے مشورہ کر کے نومبر سنہ ۱۹۴۰ء کے آخری ہفتہ میں ہند چینی پر چڑھائی کر دی اور "کمبوڈیا" کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

تھائی لینڈ کے حملے کے ساتھ ہی فرانس اور تھائی لینڈ میں جنگ شروع

ہوگئی اور طرفین کے بم باروں نے آباد شہروں پر تباہی پھیلانی شروع کر دی ۔ تقریباً دو مہینے تک تھائی لینڈ اور جاپان (؟ چینی) میں لڑائی جاری رہی لیکن فیصلہ کسی طرف نہ ہوسکا اس نوبت پر جاپان جو خاموشی سے بیٹھا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا ان دونوں میں بیچ بچاؤ کرنے کے بہانے اس قضیہ میں دخیل ہوگیا ۔

تھائی لینڈ تو خود یہی چاہتا تھا کہ جاپان اس معاملہ میں ثالث بنجائے وشی کی حکومت کو البتہ ابتداءً جاپان کی ثالثی قبول کرنے میں تامل ہوا لیکن جرمنی کے دباؤ سے اس نے بالآخر جاپان کی ثالثی منظور کرلی اور ۲۹ رجنوری سنہ ۱۹۴۱ء کو تھائی لینڈ اور فرانس میں عارضی مصالحت ہوگئی ۔

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو جاپان اسقدر طاقتور نظر آتا ہے کہ فرانس امریکہ اور برطانیہ جیسی زبردست سلطنتوں سے ٹکرانے کا عزم رکھتا ہے اور دوسری طرف وہ اسقدر کمزور ہوجاتا ہے کہ اپنے مقابل نسبتاً نہتے چین کو ساڑھے تین برس کی مسلسل جنگ کے بعد بھی زیر نہیں کرسکتا !

واقعہ یہ ہے کہ مارشل چنگ کائی شک جاپان کے لئے ایک مستقل مصیبت بنا ہوا ہے کبھی یہ جاپان کے طرفداروں میں تھا اور چین کے کمیونسٹوں سے جن کا تعلق سوویٹ روس سے تھا برسرپیکار رہتا تھا اور آج یہ اپنی پوری قوت سے جاپان کے مقابل صف آرا ہے اور چین کے کمیونسٹوں سے اسکی صلح ہے[۱]۔

---

[۱] چنگ کائی شک نے جاپان سے جنگ چھڑتے ہی ایک طرف چین کے کمیونسٹوں سے صلح کرلی دوسری طرف سوویٹ روس سے معاہدہ کرلیا، اس معاہدہ سے چنگ کو بڑی تقویت پہنچی، سوئٹ روس نے ہوائی جہازوں اور جدید آلاتِ جنگ سے بھی (بقیہ صفحہ ۲۲۲ پر)

بظاہر یہ مارشل چیانگ کی کیریکٹر کی کمزوری معلوم ہوتی ہے کہ وہ حالات کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر بھی بدلتا رہتا ہے لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے، مارشل چیانگ چین کا قوم پرست رہنما ہے اور چین کو متحد اور منظم کرنا اس نے اپنی زندگی کا مشن بنا لیا ہے ۔ اس مشن کی تکمیل میں جب تک جاپان کی دوستی اسے مفید معلوم ہوئی وہ چین کی کیمونسٹوں کی مخالفت کے علی الرغم اس سے کام لیتا رہا اور جس دن سے اسے چینیوں کی انفرادیت کو نمایاں کرنے کے لئے جاپان کے مقابل ہونا ضروری معلوم ہوا اسی دن اس نے جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ۔

اصل میں جاپان کو ایک مدت تک چیانگ کے متعلق یہ مغالطہ رہا کہ چیانگ محض ایک قسمت آزما سپاہی ہے اور اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر جاپان سے نبرد آزما ہے لیکن اسکا یہ مغالطہ بہت جلد رفع ہو گیا جب اس نے چیانگ کے پیچھے اپنے خلاف

(بقیہ صفحہ ۲۲۱) چیانگ کی مدد کی اور اپنے تجربہ کار فوجی افسر بھی چینی فوجوں کی تربیت کے لئے چین بھیجدئے ۔ روس کے ساتھ چیانگ کائی شک نے برطانیہ اور امریکہ کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا چین میں ان سلطنتوں کے بڑے کاروبار ہیں اور بہت کچھ رعائتیں انہیں حاصل ہیں اور یہ رعائتیں چونکہ اسی وقت باقی رہ سکتی ہیں جب تک چیانگ کی حکومت قائم رہے جاپانی اقتدار چین میں قائم ہو جانے کے بعد ان سلطنتوں کو ہرگز یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ انکو چین میں اس قدر تجارتی آزادیاں حاصل رہ سکیں گی اسلئے قدرتاً یہ سلطنتیں چیانگ کی ہوا خواہ ہو گئیں، برطانیہ نے چیانگ کو قرض اسلحہ دینے منظور کر لئے اور امریکہ نے چیانگ کیلئے ڈھائی کروڑ ڈالر کا قرضہ منظور کر لیا ۔ برطانیہ کے علاوہ ہر مہینہ چیانگ روس سے تقریباً چار کروڑ روبلس کے اسلحہ قرض خریدتا ہے اور سنہ ۱۹۳۹ء میں اسکی مقدار دو چند ہو گئی تھی ان ہی اسلحہ اور روپے کی مدد سے چیانگ اب تک جاپان کے مقابل ڈٹا ہوا ہے اور جاپان پوری قوت صرف کرنے کے بعد بھی اب تک چیانگ کو زیر نہیں کر سکا ۔ (مولف)

چینی قومیت کا ایک متحدہ محاذ دیکھا۔ یہ انکشاف جاپان کے لئے بہت پریشان کن تھا۔ اسلئے کہ متحدہ چینی قومیت میں جاپان کے قومی عزائم کے لئے جنگ سے زیادہ خطرات پوشیدہ تھے جسے جاپان کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتا تھا چنانچہ جاپان اس وقت جنگ سے نہیں بلکہ متحدہ چینی قومیت سے دست و گریبان ہے ۔ ساڑھے تین برس سے یہ مقابلہ جاری ہے اس طویل عرصہ میں جاپان کروڑوں روپے خرچ کرچکا ہے اور اب تک برابر یہ سلسلہ جاری ہے ۔ اور اپنے لاکھوں سپاہی متحدہ چینی قومیت کے نذر کرچکا ہے اور اب تک بھی برابر انکی بھینٹ چڑھائے چلا جا رہا ہے ۔

جانی اور مالی نقصان کے یہ اعداد بہت مہیب ہیں لیکن چین کو زیر کرکے اسکی متحدہ قومیت کو پارہ پارہ کردینے کی صورت میں چونکہ جاپان کا فائدہ بھی کثیر ہے اسلئے آئندہ کے مفاد کی خاطر جاپان یہ نقصان اٹھا رہا ہے اور غالباً اس وقت تک جاپان یہ نقصان برداشت کئے چلا جائیگا جب تک اس کے "مقدس مشن" کی تکمیل نہ ہوگی۔ یا پھر دوسری قوتوں سے ٹکرا کر اسکی فوجی قوت فنا نہ ہوجائے گی ۔

باب ۳۲

سویٹ روس اور جاپان کے سیاسی تعلقات

مشرقِ بعید میں جو قوت سب سے زیادہ جاپان کی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہے وہ سویٹ روس ہے ان دونوں میں نہ صرف سیاسی عقائد کا اختلاف ہے بلکہ ان کا سیاسی اور اقتصادی مفاد بھی ایک دوسرے سے مختلف واقع ہوا ہے اور جس جگہ ان کا مفاد آپس میں ٹکراتا ہے وہ "چین" ہے ۔

جاپان کے قومی عزائم کی تکمیل کے لئے مشرقِ بعید میں اگر فی الحقیقت کوئی میدان ہو سکتا تھا تو وہ چین ہی کا وسیع اور زرخیز میدان تھا لیکن سویٹ روس بھی اپنی ایشیائی سرحدوں کی حفاظت کے لئے اگر کسی ملک کو اپنے زیر اثر رکھنے پر مجبور تھا تو وہ بھی چین ہی تھا ، یہ جاپانی مفاد کے قطعاً خلاف تھا کہ چین میں کمیونسٹ اثر پھیل جائے اور چین سیاسی حیثیت سے سویٹ روس کے زیر اقتدار آجائے اور روس کے لئے بھی یہ ناقابل برداشت تھا کہ جاپان سارے چین کو ہضم کر کے اسکی ایشیائی سرحدوں پر آ بیٹھے اور اس کے لئے مستقل مصیبت بن جائے ۔

روس اور جاپان کی اس قدرتی کشمکش کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ چین جو خود اپنے وجود کی حفاظت کے ناقابل تھا ان دونوں قوتوں کی چراگاہ بن جاتا ۔ چنانچہ ایک مدت سے یہ غریب برابر ان دونوں کی رو ندن میں آ رہا ہے ۔

چین کے لئے جاپان اور روس میں یہ کشمکش آج کی نہیں بلکہ زار کے زمانہ سے چلی آتی ہے۔ زار نے کافی دور تک چین میں اپنا سیاسی اور اقتصادی اثر جما رکھا تھا۔ ادھر "نوجوان" جاپان نے پہلے پہل ۱۹۰۵ء میں اسی اثر سے ٹکر لیکر شمالی مشرقی چین میں اپنے قدم جماتے تھے۔ زار کے بعد روس میں بالشویک حکومت قائم ہوئی اس حکومت نے اپنے قیام کے بعد اگرچہ چین میں زار کے حاصل کردہ اقتصادی مراعات سے دست برداری کرلی لیکن اپنا سیاسی اثر اس نے چین میں بدستور باقی رکھا۔ بلکہ اس اثر کو کسی نہ کسی طرح برابر بڑھاتا ہی چلا گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ بالشویک حکومت نے اپنے استحکام کے بعد چین کو کمیونسٹ بنانے کی خاص طور پر کوشش کی۔ ماسکو سے اس مقصد کے لئے متعدد تبلیغی مشن چین بھیجے گئے۔ جو بظاہر چینیوں کو کمیونزم سے مانوس کرنے کے لئے چین کا دورہ کرتے تھے لیکن فی الحقیقت اُن کا مقصد یہ ہوتا تھا۔ کہ چین کے جس علاقے میں انھیں موقع ملجائے روس کے زیر اثر بالشویک انداز کی حکومت قائم کردیں۔ چنانچہ چین کے تین صوبوں میں یہ مشن بہت کامیاب رہے۔ جہاں انھوں نے سویٹ انداز کی حکومت قائم کرڈالی اور ان صوبوں کو بقیہ چین سے علیحدہ کرکے بالکل سویٹ روس کے زیر اثر لے لیا

چین میں سویٹ روس کی یہ سرگرمیاں چونکہ خود حکومت چین کے خلاف تھیں اس لئے ان چینی کمیونسٹوں سے ایک طرف چینی حکومت ٹکرائی۔ اور دوسری طرف ان ہی کمیونسٹ سرگرمیوں کو وجہ بناکر جاپان نے شمالی چین پر حملہ کردیا۔ اور منچوریا کا پورا صوبہ فتح کرکے وہاں اپنے زیر اثر "منچکو" کے نام سے ایک نئی ریاست قائم کرڈالی۔

منچکو کی سرحد ایک طرف سائبیریا سے اور دوسری طرف اوٹر منگولیا سے ملتی ہے۔ اور یہ دونوں علاقے روسی ہیں۔ سائبیریا تو خود روس کی مملکت ہی میں شامل ہے اوٹر منگولیا

سویٹ روس کے زیر اثر بالکل اسی طرح کی ایک ریاست ہے جس طرح کی ریاست "منچکو" کے نام سے جاپان نے قائم کی تھی۔ اس اعتبار سے منچکو پر جاپانی اقتدار قائم ہو جانے کے معنی یہ تھے۔ کہ جاپان اور سویٹ روس کی سرحدیں مل جائیں۔ اور یہ دونوں قوتیں جن کے مفاد چین میں ایک دوسرے کے خلاف ہیں آپس میں ہمسایہ بن جائیں۔

یہ صورت حال روس اور جاپان دونوں کی بےچینی کا باعث تھی۔ لیکن اس کا علاج بھی ان کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ کہ آئندہ دونوں ایک دوسرے سے پوری طرح ہشیار رہیں۔ چنانچہ ایک طرف سویٹ روس اوٹر منگولیا کی حفاظت کے لئے منچکو کی سرحد پر ایک زبردست فوج رکھنے پر مجبور ہو گیا۔ اور دوسری طرف جاپان نے روسی فوجوں سے منچکو کی حفاظت کی خاطر اوٹر منگولیا کی سرحد پر کافی تعداد میں اپنی فوجیں لا ڈالیں۔ طرفین کی ان فوجوں میں جو اپنی اپنی سرحدوں پر ایک دوسرے کے مقابل پڑی ہوئی ہیں آپس میں کبھی کبھی جھڑپیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن آج تک کوئی ایسی بڑی جھڑپ نہیں ہوئی جو سویٹ روس اور جاپان کے درمیان لڑائی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی۔

اوٹر منگولیا کے علاوہ روس نے اپنی تقریباً دس لاکھ فوج "ولاڈی واسٹاک" میں بھی رکھ چھوڑی ہے اور یہ محض اس لئے ہے کہ جاپان کو روس کے کسی علاقے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ پڑے۔ جاپان روس کی اس زبردست فوج سے فی الحقیقت مرعوب بھی بہت ہے اور چین میں سرگرمیوں کی رفتار بھی اس فوج کے تصور سے سست پڑی ہوئی ہے۔ کیونکہ ولاڈی واسٹاک اور اوٹر منگولیا کی روسی فوجوں کے لئے جاپان کو اپنے بھی لاکھوں سپاہی اور بے حساب سامانِ جنگ اینڈ کر دینا پڑ گیا ہے۔ وہ نہ اپنی ان فوجوں سے کسی اور محاذ پر کام لے سکتا ہے۔ اور نہ اس کے

ڈر کے مارے یہاں سے سامانِ جنگ ہٹا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جاپان کی فوجی قوت ریزرو فوج سمیت پچاس لاکھ سپاہیوں کے قریب ہے لیکن ان میں سے تقریباً ۲۵ لاکھ سپاہی چین میں یا تو روسی سرحدوں پر بیکار پڑے ہوتے ہیں یا جنرل چنگ کائی شیک سے لڑ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ سپاہی چین کے میدان میں ڈالنا چونکہ جاپان کے اپنے وجود کے لئے بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے جاپان اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈالے بغیر اپنی ان فوجوں سے کام لینا چاہتا ہے جو روسی سرحد پر بیکار پڑی ہوئی ہیں۔ اور یہ چونکہ اسی وقت ممکن ہے جب روس اور جاپان میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا سمجھوتہ ہو جائے، اس لئے جاپان کے سامنے اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ کسی طرح سوویٹ روس سے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا مستقل معاہدہ کرے اور اس طرح وہ روس سے مطمئن ہو کر مشرقِ بعید میں اپنی سرگرمیوں کی رفتار کو بڑھا سکے [ع]۔

یہ مسئلہ جاپان کے لئے خصوصاً جرمنی اور اٹلی سے اتحاد کے بعد اور زیادہ اہم ہو گیا ہے اس لئے کہ جاپان اپنے ان دونوں ساتھیوں کی اسی وقت عملاً مدد کر سکتا ہے۔ جب اس کو کم سے کم سوویٹ روس کے متعلق پوری طرح اطمینان ہو جائے۔ ورنہ روس کے خطرے کو دماغ پر طاری رکھ کر وہ برطانیہ اور امریکہ سے ایک ساتھ بھڑنے کا بوتا نہیں رکھتا۔

ع جس طرح جاپان کو بحرۂ الکاہل اور مشرقِ بعید میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کیلئے یکسوئی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح روس کو بھی یورپ میں اپنا وزن قائم رکھنے کے لئے اپنے ایشیائی علاقوں کے متعلق اطمینانِ خاطر درکار ہے۔ اس خواہش مشترک کا قدرتی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے۔ کہ ان دونوں میں کوئی معاہدہ طے پا جائے لیکن اس قسم کے معاہدے میں چین کا مسئلہ حارج ہے جب تک یہ صاف نہیں ہو جاتا اس وقت تک ان میں کوئی معاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر چین کے سوال کو الگ کر کے ان میں آپس میں کوئی معاہدہ ہوا بھی تو وہ بیکار رہتا ہے۔ (مولف)

جرمنی کو جاپان کی اس کمزوری کا پورا پورا احساس ہے۔ اور اسی احساس کے باعث وہ اس معاملہ میں جاپان کی مدد بھی کر رہا ہے۔ لیکن جرمنی کو اب تک اپنی کوششوں کے باوجود روس اور جاپان میں سمجھوتہ کرا دینے میں کامیابی نہیں ہوسکی۔ غالباً اس لئے کہ ابھی ایسا کوئی فارمولا ہی دریافت نہیں ہوسکا ہے جس پر ان دونوں میں کوئی سمجھوتہ ہو سکے یا شاید یہ وجہ ہو کہ سویٹ روس کی طرف سے اس معاہدے کی جو قیمت طلب کی جا رہی ہے اسے جاپان ادا نہیں کر سکتا ہے ——— اور یہی ہمارے نزدیک زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس لئے کہ اس معاہدے میں سب سے اہم مسئلہ چین کا ہے۔ ساڑھے تین برس تک کروڑوں روپئے اور لاکھوں جانیں ضائع کرنے کے بعد نہ تو جاپان چین کے میدان سے قدم ہٹا سکتا ہے اور نہ کروڑوں روبلس چین پر خرچ کرنے کے بعد سویٹ روس چین سے دست بردار ہو سکتا ہے۔ اور ویسے بھی سویٹ روس کو اپنی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے کہ چین کا وجود نہ صرف برقرار رہے، بلکہ سویٹ روس کے زیر اثر بھی رہے۔ اور یہی وہ صورت ہے، جسے جاپان اپنے قومی مفاد کی خاطر منظور نہیں کر سکتے۔ البتہ اس میں جاپان اور روس کے سمجھوتے کی ایک اور صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں مل کر مشرق بعید کے کسی اور ملک کو اپنا نشانہ بنائیں اور چین کے ساتھ اس مال غنیمت کو بھی آپس میں برابر تقسیم کرلیں لیکن فی الحال یہ صورت بھی ممکن نہیں معلوم ہوتی ——— اسلئے کہ موجودہ حالات میں سویٹ روس کسی بڑی سے بڑی طمع میں بھی جنگ میں کودنے کو تیار نہیں ہے۔ اس کی ساری توجہ اس وقت یوروپ کی جنگ پر مرتکز ہے اور وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ اس جنگ کی آئندہ صورت کیا ہونے والی ہے ——— اس وقت تک تو بیشک سویٹ روس نہایت عقلمندی سے اپنے آپ کو جنگ سے بچا تا رہا ہے۔ لیکن جنگ کی ہر دم بدلتی ہوئی حالت کو دیکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جنگ کے خاتمہ تک وہ اسی طرح کامیابی کے ساتھ جنگ سے علیحدہ بھی رہ سکے گا۔ اور چونکہ جنگ کے اس نتیجہ کا سویٹ روس کے وجود سے

براہ راست تعلق ہے اسلئے اس نوبت پر سوئٹ روس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی لالچ میں پھنسکر اپنے وجود کو خطرے میں ڈالدیگا۔

بہرحال اس وقت سویٹ رُوس اور جاپان کے سیاسی تعلقات میں جو ناہمواری پائی جاتی ہے اس کے دور ہونے کی فی الفور کوئی صورت غالباً پائی نہیں جاتی اور جب تک یہ نہ پیدا ہو جائے جاپان کے لئے مشرق بعید میں کوئی زبردست مہم شروع کرنے میں خطرے کا احساس باقی رہتا ہے۔

باب ۳۳

لیبیا پر برطانوی فوجوں کی چڑھائی

یونان کے خلاف اعلان جنگ مسولینی کے لئے بہت ہی نامسعود ثابت ہوا ایک طرف یونانی اطالوی فوجوں کو دھکیلتے ہوئے البانیہ میں پہنچ گئے اور وہاں انہوں نے اطالوی فوجوں کو شکست پہ شکست دینی شروع کردی۔ دوسری طرف برطانیہ کے بحری بیڑے نے امیر البحر کننگھم کی ماتحتی میں اطالوی بحری بیڑے کا بحر روم میں نکلنا دوبھر کر دیا۔ اول تو اطالوی بحری بیڑہ کہیں جم کر انگریزی بیڑے کے مقابل ہی نہیں ہوا۔ اور جہاں کہیں ان میں آپس میں جھڑپ ہوگئی۔ انگریزی بیڑہ اسے نیچا دکھانے میں کامیاب رہا۔

برطانوی بحری بیڑے کی بحر روم میں یہ سرگرمیاں دراصل لیبیا پر مصر کی برطانوی فوجوں کے حملے کی تمہید تھیں۔ اور ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ اٹلی اپنی لیبیا کی فوجوں کو بحر روم کے راستہ کمک نہ بھیج سکے۔ چنانچہ یہ اطمینان کر چکنے کے بعد کہ بحر روم پر برطانوی بیڑے کا راج ہے۔ ۹ر دسمبر ۱۹۴۰ء کی صبح کو جنرل ویول کی فوجوں نے "مرسا مترو" سے نکل کر یکایک سدی برانی کی اطالوی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ اور ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو ایک سخت معرکے کے بعد سدی برانی کو فتح کر لیا۔ اس فتح میں برطانیہ کی برّی، بحری اور فضائی تینوں فوجوں کا برابر کا حصہ تھا۔ اور دراصل ان ہی تینوں کے کامل اشتراکِ عمل سے یہ فتح حاصل ہو سکی تھی۔

سدی برانی جنرل گرازیانی کا ہیڈکوارٹر اور اطالوی فوجوں کی بڑی زبردست چوکی

تھی جس پر تقریباً تین مہینے سے اطالوی فوجیں مصر پر حملہ کرنے کے لئے تیار پڑی تھیں۔ اس چوکی کو اس قدر آسانی سے فتح کر لینا جنرل ویول کا بہت بڑا فوجی کارنامہ سمجھا جاتا ہے جس نے اٹلی کو بچھاڑ دیا۔ اور برطانیہ میں اعتماد اور اطمینان کی لہر پیدا کر دی۔ یہ پہلی فتح تھی جو اس لڑائی میں برطانیہ کے حصہ میں آئی۔ اور اس کی اہمیت اس لئے بھی دو بالا ہو گئی کہ اس لڑائی میں تین اطالوی جنرل اور تقریباً ۳۰ ہزار اطالوی سپاہی انگریزوں کے ہاتھ آئے۔ اس فتح سے مصر کی برطانوی فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور اطالوی سپاہیوں کے دل چھوٹنے لگے۔

سدی برانی کی فتح کے بعد برطانوی فوجیں ذرا نہ ستائیں بلکہ فوراً ہی اُن کے "میکانائزڈ" دستوں نے سولم اور قلعہ کپوزہ کی طرف پیشقدمی شروع کر دی اور ان دستوں کے پیچھے برطانیہ کی پیدل فوج تھی جو قریب کے راستہ سولم پر بڑھی چلی جا رہی تھی۔ برطانیہ کے "زرہ پوش" (میکانائزڈ) دستوں نے سدی برانی کی طرح آگے بڑھ کر سولم کا تعلق اٹلی کی فوجی چھاؤنی باردیا سے منقطع کر دیا۔ اور برطانوی پیدل فوجوں نے ہجوم کر کے ہوائی جہازوں اور ٹینکوں کی مدد سے ۱۶ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو ایک طرف سولم اور دوسری طرف قلعہ کپوزہ کو فتح کر لیا۔

اس فتح کے ساتھ ہی گویا برطانوی فوجوں نے اٹلی کو مصر کی سرحد سے باہر نکال دیا اور یہاں سے خود اٹلی کی سرحدوں میں برطانوی اور اطالوی فوجوں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔

"باردیا" لیبیا میں اطالویوں کی سب سے زبردست فوجی چھاؤنی تھی۔ اس کو اطالویوں نے برسوں کی محنت سے قلعہ بند اور ہر قسم کے آلاتِ حرب سے آراستہ کر رکھا تھا۔ اس جگہ پسپا ہوتے ہوئے اطالویوں نے قدم جما کر برطانوی فوجوں کے مقابلہ شروع کر دی برطانوی فوجوں کے لئے یہ معرکہ سخت تھا۔ لیکن جنرل ویول اطالویوں کی تیاری سے ذرا ہراساں نہ ہوا۔ پیدل فوج کے حملے سے پہلے راستہ صاف کرنے کے لئے برطانوی ہوائی جہازوں نے بم اور برطانوی بحری جہازوں نے باردیہ کی

بندرگاہ پر شل برسانے شروع کر دئے۔ اسطرح دو ہفتہ کی بمباری کے بعد جب راستہ ہموار کر لیا گیا۔ تو حسب معمول برطانوی "ڈزرٹ لوکر" دستے قلعہ کپوزہ سے بڑھے اور انھوں نے کوئی میں میل کا چکر کاٹ کر بار دیا کو پیچھے سے گھیر لیا۔ اور ۲ اور ۳ جنوری کی درمیانی شب میں برطانوی فوجوں نے بار دیا کی چھاؤنی پر حملہ کر دیا۔ کامل دو دن تک برطانوی اور اطالوی فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی تیسرے دن ۵ جنوری ۱۹۴۱ء کو اسٹریلیا کی فوجیں سنگینیں چڑھائے ہوئے بار دیا میں داخل ہوگئیں اور اطالوی فوجوں نے ہتھیار ڈال دئے اس لڑائی میں ہزاروں اطالوی سپاہی کام آئے۔ اور تقریباً ۴۰ ہزار سپاہی اور افسر برطانیہ کے ہاتھ آئے۔

باردیہ کے بعد "طبروق" کا نمبر تھا، طبروق اٹلی کا بحری اور فضائی مرکز تھا اور لیبیا کی سب سے بڑی فوج کی چھاؤنی تھی اور اس کی حفاظت کا انتظام بھی اطالویوں نے سب سے زیادہ کیا تھا یہ شہر پوری طرح قلعہ بند تھا اور قلعہ بندی کے آگے زبردست اور سنگین حصار بھی حفاظت کے لئے قائم کئے گئے تھے جنہوں نے سارے شہر کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ۱۹۱۱ء سے اطالوی برابر طبروق کو قلعہ بند کر رہے تھے اور اس وقت صحرا میں یہی ایک مرکز تھا جسے آلات جدید سے اطالویوں نے مسلح کر رکھا تھا، چنانچہ اس مرکز کو فتح کرنے میں جنرل ویول کی فوجوں کو کافی وقت لگا۔

طبرق پر حملہ کرنے سے پہلے جنرل ویول کی فوجوں نے اسکا محاصرہ کر لیا اور ہوائی جہازوں کی مدد سے اس کی قوت مدافعت کو کمزور کرنا شروع کر دیا، تقریباً دو ہفتہ یہی عمل جاری رہا دو ہفتہ بعد جب طبروق کی مدافعت میں کمزوری کے آثار نظر آنے لگے تو حسب معمول برطانیہ کے زرہ پوش دستوں نے بیس میل کا چکر کاٹ کر طبروق کو پیچھے سے گھیر لیا اور پیدل فوجوں نے ٹنکوں اور چھوٹی بار کی توپوں کی مدد سے

طبروق پر آگے سے حملہ کر دیا۔ یہ حملہ نہایت سخت تھا لیکن اطالویوں نے بھی اس جگہ برطانوی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور چوبیس گھنٹے برطانوی فوجوں کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا لیکن دوسرے دن اسٹریلین فوج کے تازہ دم حملوں سے طبروق کا ابتدائی حصار ٹوٹ گیا اور اس کے فوراً بعد آسٹریلین فوجوں نے دوسرا حصار بھی توڑ ڈالا اور طبروق میں گھس پڑے یہاں آسٹریلین اور اطالوی سپاہیوں میں کچھ دست بدست لڑائی ہوتی رہی لیکن بالآخر اطالویوں نے ہتھیار ڈال دیئے اسطرح ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء کو برطانوی فوجوں نے طبروق بھی فتح کر لیا۔

طبروق میں ۲۰ ہزار اطالوی سپاہی برطانیہ کے ہاتھ آئے جن میں ایک کمانڈر دو ڈویزنل کمانڈر دو جنرل ایک بحری افسر اور بسعتد چھوٹے بڑے فوجی اور بحری افسر بھی شامل تھے۔

ان قیدیوں کی شمولیت کے بعد اس مہم کے شروع ہونے سے طبروق کی فتح تک ایک لاکھ سے زائد اطالوی سپاہی برطانیہ کے ہاتھ آچکے تھے اور آدھی سے زیادہ مارشل گرازیانی کی فوجی قوت ختم ہو چکی تھی۔

طبروق کے بعد برطانوی فوجیں دم لئے بغیر "ڈرنہ" کی طرف روانہ ہو گئیں "ڈرنہ" طبروق سے ایک سو میل جانب مغرب لیبیا کی ایک چھوٹی سی بندرگاہ تھی، تیزی سے بڑھتی ہوئی برطانوی فوجوں کے ہراول دستوں نے طبروق کی فتح کے صرف ۴۸ گھنٹے بعد اس کو بھی جالیا۔ ڈرنہ سے تین میل کے فاصلہ پر برطانوی اور اطالوی فوجوں میں ٹکر ہو گئی لیکن یہ بہت معمولی سی لڑائی تھی اطالوی فوجیں حوصلہ ہارے ہوئے تھیں، ہلکی سی لڑائی کے بعد فوراً پیچھے ہٹ گئیں اور برطانوی فوجوں نے آگے بڑھکر ۳۰ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء کو اس بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔

ڈرنہ کی فتح کے بعد جنرل ویول نے "بن غازی" کو اپنا نشانہ بنایا۔ بن غازی ڈرنہ سے ۰۰ امیل مغرب میں لیبیا کی سب سے بڑی بندرگاہ اور پایۂ تخت تھا۔ برطانوی فوجیں ڈرنہ کی فتح کے ساتھ ہی اس کی طرف بڑھیں۔ ڈرنہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر "اپولونیہ" کا ایک چھوٹا سا بندرگاہ پر قبضہ کرتی ہوئی برطانوی فوجوں نے ۳ر فروری ۱۹۴۱ء کو "سیدن" فتح کرلیا۔ سیدن کو اس لئے اہمیت حاصل تھی کہ مارشل گراز یانی کا ہیڈکواٹرا ور اول نمبر کی فوجی بندرگاہ تھی سیدن کی فتح کے بعد ایک دفعہ جنرل ویول نے بن غازی پر حملہ کر دیا۔

بن غازی پر جنرل ویول کی فوجوں نے دو طرف سے حملہ کیا ایک کالم طبرق سے الملکی ہوتا ہوا بن غازی پہنچا اور دوسرا کالم سیرن سے ۱۴۰ میل طے کرکے بن غازی پر حملہ آور ہوا۔ یہاں اطالویوں نے برطانوی فوجوں کا مقابلہ نہیں کیا۔ اور بے لڑے بھڑے ۱۶ر فروری ۱۹۴۱ء کو شہر خالی کر دیا۔

بن غازی کی فتح کے ساتھ ہی لیبیا کا دو تہائی علاقہ برطانیہ کے قبضہ میں آگیا اور اطالوی فوجیں ٹری پولی کی طرف پسپا ہو گئیں۔

اس طرح صرف دو مہینے کے عرصے میں مصر کی برطانوی فوجوں نے مارشل گرازیانی کی فوجوں کو جو مصر پر چڑھائی کرنے کے لئے سدی برانی پر پڑا جمائے پڑی تھیں منتشر کرکے بن غازی کے پرے دھکیل دیا اور مصر کو اطالوی حملے کے خطرے سے بچالیا۔

لیبیا کی اس شکست کا مسولینی پر بہت برا اثر پڑا اس لئے بھی کہ البانیہ میں یونانی فوجیں اطالوی فوجوں کو شکست پر شکست دے کر برابر پیچھے ہٹاتی چلی جارہی تھیں اور اطالویوں کے سارے جوابی حملے بیکار جا رہے تھے۔ جنوبی البانیہ کا بڑا حصہ یونانیوں کے قبضہ میں آچکا تھا اور اطالوی فوجیں دلونہ کے بندرگاہ کو بچانے کے لئے پتی لینی پر

اپنا آخری مورچہ جمائے پڑی تھیں، اور اسی مورچے پر اطالویوں اور یونانیوں کے مقابلے ہو رہے تھے اٹلی کے حالات تیزی سے بگڑتے جا رہے تھے اور اسے فی الفور جرمنی کی امداد کی ضرورت تھی خود روم میں اٹلی کی پے در پے شکستوں نے مسولینی کے اقتدار کو متزلزل کر دیا تھا اور ہر لمحہ "فاشسٹ حکومت" کے خلاف بغاوت کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔ جرمنی اپنے ساتھی کی ان پریشانیوں سے باخبر ضرور تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ یونان میں اس کی فی الفور مدد نہیں کر سکتا تھا، یورپ کے اس حصے میں ابھی موسم خراب تھا پہاڑیوں پر برف جمی ہوئی تھی دریائے ڈینوب بھی جما پڑا تھا جرمن فوجوں کے لئے اپنی بھاری توپوں اور مسلح گاڑیوں کے ساتھ اس علاقے سے گزر کر یونان پہنچنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

البتہ ہٹلر اٹلی میں مسولینی کی مدد کر سکتا تھا چنانچہ اس نے تقریباً تین لاکھ فوج اور گسٹاپو کے کچھ افسر اٹلی بھیجدئے جنہوں نے اٹلی کے بڑے بڑے شہروں میں پہنچ کر اطالوی حکومت کے سارے شعبوں کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ بظاہر دکھانا یہ تھا کہ بغاوت کے سارے امکانات کی اٹلی میں ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ اٹلی کو فرانس کی طرح برطانیہ سے علیحدہ صلح کر لینے کا موقع نہ دیا جائے۔ اس طرح مسولینی کو خود اٹلی میں بے دست و پا کر کے ہٹلر نے اپنی اٹھ بیس فوجیں سسلی میں اتارنی شروع کر دیں اور سسلی سے یہ فوجیں طرابلس جانی شروع ہو گئیں۔

جنوری سے جرمن فوجوں کا طرابلس میں تانتا بندھ گیا۔ اگرچہ برطانیہ کو بھی جرمنی کے اس اقدام کی وقت پر اطلاع مل گئی اور بحیرۂ روم کا برطانوی بیڑہ بھی جرمنوں کے اس اقدام کو روکنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ لیکن سسلی اور طرابلس کے درمیان سمندر کا جو ذرا سا حصہ تھا

اسپر برطانوی بحری بیڑے کو قابو حاصل نہ ہو سکا جس کے باعث برطانوی بحری بیڑے کی کوششیں جرمنوں کو طرابلس پہنچنے سے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں جرمن فوجوں کے طرابلس پہنچتے ہی جرمن افسروں نے بچی کھچی اطالوی فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی ۔ اور نئے سرے سے اُن کی تنظیم میں مصروف ہو گئے ۔

باب ۳۴

بلقان میں نازیوں کے سیاسی جوڑتوڑ

موسم سرما اپنی آخری گھڑیاں گن رہا تھا، موسم بہار کی آمد آمد تھی، اور موسم بہار کی آمد کے ساتھ ساتھ جرمنی اور اس کے ساتھیوں اور برطانیہ اور اس کے ہمدردوں کی سرگرمیاں بڑھتی جارہی تھیں: برطانیہ "لیبیا" کی فتح کے بعد مشرقی افریقہ کی اطالوی سلطنت کی طرف متوجہ تھا، امریکہ مسٹر روسولٹ کو اپنی قدیم روایات کے خلاف تیسری مرتبہ پریسیڈنٹ منتخب کرکے نہایت تیزی کے ساتھ برطانیہ کو زیادہ سے زیادہ جنگی سامان کی مدد پہنچانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا، جاپان مشرق بعید کے "چودھری" کی حیثیت سے تھائی لینڈ اور فرانس کا قضیہ چکاکر، بحرالکاہل میں ایک تازہ مہم کی تیاریوں میں مصروف تھا اور جرمنی اٹلی اور طرابلس میں اپنی فوجیں پہنچا چکنے کے بعد ایک طرف اٹلانٹک کے ذریعہ امریکہ کی جنگی امداد برطانیہ تک نہ پہنچنے دینے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا اور دوسری طرف بلقان میں اپنی ڈپلومسی کے زور سے راستہ ہموار کرکے اٹلی کو یونان کی گرفت سے چھڑانے کی تدبیریں کررہا تھا۔

رومانیہ پر عملاً جرمنی کا قبضہ تھا ہی وسط یوروپ کی ریاستوں میں ہنگری کو جرمنی اٹلی اور جاپان کے سہ گوشہ اتحاد میں شریک کیا ہی جاچکا تھا۔ یونان تک پہنچنے کے لئے البتہ یوگوسلاویہ، بلغاریہ اور ترکی کی بلقانی کڑیوں کو بھی توڑنا

باقی رہ گیا تھا صرف یہی ایک دیوار تھی جو جرمنی اور یونان کے درمیان حائل ہو رہی تھی۔

ان ممالک میں سب سے اہم پوزیشن ٹرکی کی تھی اور مضبوط بھی ان سب میں زیادہ وہی تھا علاوہ اس کے ترکی اور برطانیہ کا آپس میں اتحاد بھی پہلے سے ہی موجود تھا اور ترکی اس اتحاد کے معاہدے پر پوری طرح جما ہوا بھی نظر آتا تھا اس اعتبار سے ترکی پر ہٹلر کی ڈپلومسی کا جادو نہیں چل سکتا تھا۔ البتہ بلغاریہ اور یوگوسلاویہ میں ہٹلر کو کامیابی کی توقع تھی اور چونکہ ان ممالک کے درمیان جنگ کی صورت میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا پہلے سے کوئی معاہدہ بھی نہیں تھا اس لئے آسانی سے انہیں رام بھی نہیں کر سکتا تھا خصوصاً یوگوسلاویہ سے وہ جنگ کی دھمکی دیکر پہلے ہی ایک اقتصادی معاہدہ کر چکا تھا اور اس ذریعہ سے یوگوسلاویہ کی خام پیداوار میں حصہ دار بھی بن چکا تھا اب اس کے لئے یوگوسلاویہ پر فوجی دباؤ ڈالکر اسے سہ گوشہ اتحاد میں شامل کر لینا کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا، یہی صورت بلغاریہ کی تھی بلغاریہ ہٹلر کا ممنون تھا کہ اسی نے رومانیہ سے اُسے دبرو جا دلوایا تھا، پچھلی جنگ عظیم میں جرمنی کا ساتھی رہ چکا تھا اور سیاسی حیثیت سے جرمنی کے قریب تر تھا۔

لیکن عملاً بلغاریہ اور یوگوسلاویہ کا مسئلہ اسقدر آسان ثابت نہیں ہوا یوسلاویہ کا اگرچہ جرمنی کے ساتھ اقتصادی معاہدہ ہو چکا تھا لیکن وہاں رائے عامہ جرمنی سے کسی سیاسی معاہدے کے حق میں نہیں تھی اسلئے یوگوسلاویہ کے متعلق ہٹلر کی پہلی کوشش بیکار گئی۔

یوگوسلاویہ سے مایوس ہوکر ہٹلر نے بلغاریہ پر توجہ کی، کئی مرتبہ بلغاریہ کے

وزیر خارجہ کو برلن اور "بیرگیڈن" جانا پڑا۔ ایک مرتبہ شاہ بورس بھی ہٹلر سے ملنے گئے لیکن اس دوڑ دھوپ کے باوجود ابتداً بلغاریہ کو بھی اپنے ساتھ لینے میں ہٹلر کامیاب نہ ہوسکا اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ بلغاریہ کو ترکی سے خطرہ تھا اور کچھ یہ تھی کہ بلغاریہ جنگ کی لپیٹ سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا۔

ترکی کے حملے کا اندیشہ تو بلغاریہ نے اس طرح دور کر لیا کہ فروری میں بلغاریہ نے ترکی سے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدہ کی درخواست کی ترکی نے محض بلقان میں جنگ کو نہ پھیلنے دینے کی خاطر اپنے ہمسایہ ملک کی یہ درخواست منظور کر لی اور آخر فروری ۱۹۴۱ء کو بلغاریہ اور ترکی میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ ہوگیا۔ ترکی سے معاہدے کے بعد اگرچہ بلغاریہ کی پوزیشن کسی قدر مضبوط ہوگئی تھی لیکن پھر بھی وہ جرمنی سے ٹکرانے کے لئے تیار نہ ہوسکا اور جرمنوں کی مسلسل دھمکیوں سے مرعوب ہوکر بالآخر اس کے آگے سر خم کر دیا اور یکم مارچ ۱۹۴۱ء کو ہٹلر کے وضع کردہ "سہ گوشہ اتحاد" میں شامل ہوگیا۔

بلغاریہ کے "سہ گوشہ اتحاد" میں شامل ہوتے ہی ان بلقانی ملکوں کی درمیانی کڑی ٹوٹ گئی اور جرمنی کو بے لڑے بھڑے بلقان میں اپنے قدم جما لینے کا موقع مل گیا۔

اتحاد کے فوراً ہی بعد جرمن فوجیں لاکھوں کی تعداد میں رومانیہ سے بلغاریہ پہنچ گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے بلغاریہ جرمنی کی ایک زبردست فوجی چھاؤنی بن گیا۔

بلغاریہ میں جرمن فوجوں کے پہنچ جانے سے ترکی، یونان اور یوگوسلاویہ تینوں کو خطرہ پیدا ہوگیا۔ یونان کو تو اس نے پہلے ہی سے نشانہ بنا رکھا تھا اور

بلغاریہ میں جرمن چھاؤنی بھی یونان ہی سے لڑنے کے لئے ڈالی گئی یوگوسلاویہ جرمنوں کی اس تازہ پیش قدمی سے سوائے جنوب کے سب طرف سے گھر گیا البتہ ترکی کی صرف یوروپین سرحد پر اسکا اثر تھا۔

لیکن ہٹلر ترکی سے ٹکر لینے کے لئے تیار نہیں معلوم ہوتا تھا وہ ابتدا ہی سے بہ اہتمام تمام ترکی کو جنگ سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور اس نوبت پر بھی بلغاریہ پر اپنا فوجی قبضہ کرتے ہی اس نے اپنا ایک خاص ایلچی ایک خاص پیغام کے ساتھ ترکی جمہوریہ کے صدر عصمت انونو کی خدمت میں بھیجا تھا جس میں (ایک روایت کے بموجب) صدر جمہوریہ کو یہ اطمینان دلایا تھا کہ جرمن فوجیں ترکی سرحدوں کا پورا پورا احترام کریں گی اور حکومت ترکی کو کسی شکایت کا موقع نہ دیں گی۔

یہ وہ وقت تھا کہ ترکی جنرل اسٹاف اور حکومت برطانیہ کے وزیر خارجہ اور چیف آف دی جنرل اسٹاف میں مشورہ ہو چکا تھا[۵] اور ترکی اپنے لئے ایک پالیسی متعین کر چکا تھا۔

چنانچہ ترکی جمہوریہ کے صدر عصمت انونو نے ذاتی طور پر ہٹلر کے اس پیغام کا شکریہ تو ادا کر دیا لیکن ترکی کی معینہ پالیسی میں کسی تبدیلی پر آمادگی ظاہر نہیں کی اور واقعہ یہ ہے کہ اس نوبت پر ترکی اپنی پالیسی پر کوئی تبدیلی کر بھی نہیں سکتا تھا۔ بلقان میں جسقدر اہم پوزیشن اسے حاصل

ع۵ بلغاریہ میں جرمن فوجوں کے داخل ہوتے ہی مسٹر ایڈن برطانیہ کے وزیر خارجہ اور سر جان ڈل چیف آف دی جنرل اسٹاف جو مصر آئے ہوئے تھے انقرہ پہنچے اور یہاں انہوں نے صدر جمہوریہ اور وزیر خارجہ ترکی کے جنرل اسٹاف سے گفتگو کر کے ایک خاص صورت طے کر لی تھی (مولف)

تھی۔ اسی کے ساتھ اس پر ہمسایہ ممالک کی کچھ ذمہ داریاں بھی عاید تھیں۔ سب سے پہلے اسے اپنے قدیم رفیق سوویٹ روس کی مرضی کا خیال رکھنا بہت ضروری تھا۔ جو بلقان کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا چنانچہ جب بلغاریہ نازیوں کے سہ گوشہ اتحاد میں شامل ہوا تھا۔ تو نہ صرف روس نے اسے پسند نہیں کیا بلکہ علانیہ اس معاہدہ پر اپنی ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ اور اس طرح یہ ظاہر کر دیا تھا۔ کہ وہ بلقان میں جرمنی کے بڑھتے ہوئے اثر کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ اس کے بعد ترکی ان معاہدات کا احترام کرنے پر بھی مجبور تھا۔ جو اس نے برطانیہ اور یونان سے کر رکھے تھے۔ اور ان سب سے زیادہ اس پر خود اپنی آزادی کو برقرار رکھنا فرض تھا۔ اور اس کے لئے اسے روس، برطانیہ یا جرمنی پر نہیں بلکہ صرف اپنی قوت پر اعتماد تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ترکی کی خارجہ حکمتِ عملی پر کسی باہر کی قوت کا دباؤ یا اثر نہ پڑ سکتا تھا۔ وہ اپنے مفاد کے پیش نظر خود اپنی پالیسی کا مدون تھا۔ اور خود ہی اپنی معینہ پالیسی پر مضبوطی سے قائم رہنے کی بھی قوت رکھتا تھا۔

چنانچہ ترکی کے اس سخت اور مضبوط رویّے سے ہٹلر کا مایوس ہو جانا بالکل قدرتی امر تھا۔ لیکن اس کی اشک شوئی کا کسی حد تک سامان ترکی کے وزیر خارجہ سراج اوغلو کے اس اعلان میں بہرحال ہو گیا تھا کہ "ترکی اس وقت تک جنگ میں شامل نہ ہوگا جب تک خود اس پر یا اس کے مفاد پر آنچ نہ آئے"۔ ہٹلر کو یہی اعلان غنیمت معلوم ہوا۔ اور وہ اس احتیاط کے ساتھ کہیں کی آئندہ نقل و حرکت سے ترکی کو کوئی شکایت پیدا نہ ہو، ہمہ تن یوگوسلاویہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اگرچہ یونان پر حملے کرنے کے لئے جرمن فوجیں بلغاریہ کی سرحد سے بھی یونان میں داخل ہو سکتی تھیں۔ لیکن یہ راستہ کافی چکر دار اور جرمنوں کے لئے نقصان رساں تھا۔

سیدھا اور صاف راستہ جس سے گذر کر جرمن فوجیں البانیہ میں کامیابی کے ساتھ یونانیوں کے مورچوں کے پیچھے پہنچ سکتی تھیں وہ جنوبی یوگوسلاویہ کی "وردر وادی" میں سے تھا۔ اور اس وادی میں سے اپنی فوجوں کو لے جانے کے لئے ہٹلر کو یوگوسلاویہ کے اشتراکِ عمل کی ضرورت تھی۔ اسی طرح کے اشتراکِ عمل کو بلغاریہ نے ہٹلر کے ساتھ کر رکھا تھا۔

اگرچہ پہلی مرتبہ ہٹلر کو یوگوسلاویہ سے اس طرح کا اشتراکِ عمل حاصل کرتے ہیں ناکامی ہو چکی تھی لیکن وہ پچھلی ناکامی سے مایوس نہ تھا۔ اس لئے کہ یوگوسلاویہ میں خود حکومت کی کچھ خامیاں بھی تھیں۔ اور سرب، سلونیں اور کروٹ قوموں کی قدیم رقابتوں نے بھی اسے کمزور بنا رکھا تھا۔ اور ان سب پر مستزاد یہ حقیقت تھی کہ یوگوسلاویہ سب طرف سے نازیوں سے گھر بھی چکا تھا۔ ہٹلر کو یقین تھا کہ ان حالات میں یوگوسلاویہ زیادہ دنوں تک نازیوں کے ڈپلومیٹک دباؤ کی تاب نہ لا سکے گا۔ اور ان کے آگے گردن ڈال دینے پر مجبور ہو جائے گا۔

باب ۳۵

امریکہ کا جدید قانون اسلحہ اور اٹلانٹک کی لڑائی

ابھی ہٹلر بلقان میں اچھی طرح اپنے قدم بھی نہ جمانے پایا تھا کہ امریکہ نے "لینڈ اینڈ لینڈ بل" (پٹہ اور قرض پر اسلحہ دینے کا قانون) منظور کر کے کھلم کھلا ہر قسم کے سامانِ جنگ سے برطانیہ کی مدد کرنے کا اعلان کر دیا۔

اگرچہ امریکہ نے جنگ شروع ہونے کے فوراً ہی بعد اپنے غیر جانبداری کے قانون میں ترمیم کر کے برطانیہ کے لئے امریکہ سے ہتھیار خریدتے رہنے کی آسانی بہم پہنچا دی تھی۔ لیکن یہ آسانی برطانیہ کے لئے اسی وقت تک مفید ہو سکتی تھی جب تک برطانیہ کی قوت خرید برقرار رہتی اور امریکن کارخانوں کو اسقدر فرصت بھی ملجاتی کہ برطانیہ کے لئے سامانِ جنگ تیار کرتے رہتے۔ اور صورتِ حال یہ تھی کہ برطانیہ کو دونوں باتوں میں سے کسی ایک پر بھی قابو حاصل نہیں ہو سکا تھا جنگ کے بڑھے ہوئے مصارف کے باعث اس قدر زبردست وسائل کے باوجود برطانیہ کی قوتِ خرید آہستہ آہستہ جواب دیتی جا رہی تھی۔ اور امریکہ کے کارخانے کچھ تو عدیم الفرصتی کے عذر سے اور کچھ آئے دن اپنے مزدوروں کے کام چھوڑ بیٹھنے کے سبب سے وقتِ مقررہ پر برطانیہ کی فرمائش پوری کرنے سے قاصر نظر آ رہے تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ایسی تھیں کہ ان پر برطانیہ امریکہ کی مدد کے بغیر قابو نہیں پا سکتا تھا چنانچہ

سب سے پہلے برطانیہ کی ان دقتوں سے برطانیہ کے سفیر واشنگٹن لارڈ لوتھین نے امریکہ کے سیاسی حلقوں کو آگاہ کیا اور برطانوی اور امریکن مفاد کی یکسانیت کا حوالہ دیتے ہوئے حکومت امریکہ سے اپیل کی کہ اس معاملہ میں وہ برطانیہ کی زیادہ سے زیادہ مدد کرے اور امریکہ سے قرض پر برطانیہ کو سامان جنگ حاصل کرنے کی اجازت دیدے۔ امریکہ میں یہ صدر کے انتخاب کا زمانہ تھا۔ لارڈ لوتھین کی اپیل پر فوراً کوئی توجہ نہیں ہوسکتی تھی تاہم امریکہ میں ایک ایسا سیاسی حلقہ پہلے سے موجود تھا جسے برطانیہ سے پوری پوری ہمدردی تھی اس نے اسی اپیل کی بنیاد پر ایک ایسی اسکیم تیار کرنی شروع کردی جس کی رو سے برطانیہ کو خود امریکہ کی طرف سے سامانِ جنگ بطور قرض دیا جاسکتا تھا۔

صدر امریکہ کے انتخاب کا مرحلہ بھی اس موقع پر بڑی اہمیت رکھتا تھا، امریکہ کے بنیادی دستور کی رُو سے کوئی امیدوار مسلسل دو مرتبہ سے زیادہ امریکہ کا صدر منتخب نہیں ہوسکتا تھا اور مسٹر فرنکلن روسولٹ مسلسل دو مرتبہ صدر جمہوریہ امریکہ منتخب ہوچکے تھے اس اعتبار سے وہ امریکن دستور کے مطابق تیسری مرتبہ اس عہدے کے لئے کھڑے نہیں ہوسکتے تھے۔ لیکن مسٹر روسولٹ کی پختہ کاری اور یورپین معاملات سے گہری بصیرت کے پیشِ نظر خود مسٹر روسولٹ کی پارٹی کی اکثریت ان کی حمایت میں ہوگئی اور موجودہ حالات میں ان کی رہنمائی کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے امریکن دستور کے خلاف انھیں تیسری مرتبہ امریکہ کی صدارت کے لئے اپنا امیدوار منتخب کرلیا۔

مسٹر روسولٹ کے مقابل مسٹر وِنڈل وِلکی تھے۔ جنھیں مسٹر روسولٹ کے "نیوڈیل" والے قانون سے شدید اختلاف تھا لیکن اس مرتبہ کے صدر کے انتخاب میں چونکہ داخلی پالیسی سے بحث نہیں تھی بلکہ موجودہ جنگ میں امریکہ کی خارجی حکمت عملی زیر بحث تھی۔ اور خارجہ پالیسی میں مسٹر وِنڈل وِلکی کو خود بھی مسٹر روسولٹ سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اس

لئے ان دونوں امیدواروں کے درمیان انتخاب کے سلسلہ میں صرف یہ سوال باقی رہ گیا کہ اس موقع پر امریکہ کے بنیادی دستور کو توڑتے ہوئے تیسری مرتبہ مسٹر روسولٹ کو منتخب کیا جائے یا مسٹر ونڈل ولکی کو ان کی جگہ قبول کر لیا جائے۔

اس انتخاب کے معرکہ میں جرمنی کے نازی پریس اور امریکہ کے نازی ہوا خواہوں نے بھی دل کھول کر حصہ لیا۔ اگرچہ نازیوں کو خود مسٹر ونڈل ولکی سے بھی کوئی توقع نہیں تھی لیکن انھیں چونکہ مسٹر روسولٹ سے بہت زیادہ نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ تھا اس لئے ان کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ مسٹر روسولٹ تیسری مرتبہ صدر نہ ہونے پائیں۔ لیکن ان ساری مخالفانہ کوششوں کے باوجود امریکہ کے عوام نے مسٹر روسولٹ کو تیسری مرتبہ پھر صدر جمہوریہ منتخب کر دیا اور اس طرح یورپ کی جنگ کے متعلق جو حکمت عملی انہوں نے اختیار کر رکھی تھی اس پر اس نے گویا اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی۔

صدر کے انتخاب کے بعد ہی برطانیہ کو زیادہ سے زیادہ امداد پہنچانے کا مسئلہ پوری سنجیدگی کے ساتھ حکومت امریکہ کے زیر غور آیا اور برطانیہ کو قرض سامان جنگ دینے کی وہ اسکیم جو کچھ دنوں پہلے حامیان برطانیہ نے بنا رکھی تھی "لنیر اینڈ لنڈ بل" کے نام سے امریکہ کے دار المقننین میں منظوری کے لئے خود حکومت امریکہ کی طرف سے پیش کر دی گئی۔

اس مسودہ قانون میں برطانیہ کی مدد کے سلسلے میں صدر جمہوریہ امریکہ کے لئے غیر معمولی اور بہت وسیع اختیارات کی سفارش کی گئی تھی۔ جن سے کام لے کر وہ سوائے اعلان جنگ کرنے کے برطانیہ کو بحری اور فضائی ہر قسم کی مدد پہنچنے کے مجاز تھے انھیں اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اس سامان جنگ کو جو برطانیہ بھیجا جائے یا تو وہ قرض کی مد میں، شمار کریں یا اس سمجھوتہ کے ماتحت برطانیہ کو دیدیں کہ جب جنگ ختم ہو جائے تو برطانیہ یہی سامان امریکہ کو واپس کر دے گا۔

اسی کے ساتھ اس مسودہ میں یہ بھی پریسیڈنٹ کے اختیار تمیزی پر چھوڑا گیا تھا۔ کہ وہ چاہیں تو امریکہ کا سامانِ جنگ برطانوی جہازوں پر بار کر کے بھیجیں یا اس مقصد کے لئے امریکن جہاز استعمال کریں۔

یہ اختیارات چونکہ صدر جمہوریہ امریکہ کے لئے بہت ہی غیر معمولی تھے۔ اس لئے جیسے ہی یہ بل کانگریس کے آگے پیش ہوا۔ حکومت کی حریف پارٹیوں اور خصوصاً اُس گروہ نے جو امریکہ کو یورپ کی جنگ سے علیحدہ رکھنے پر بہت مصر تھا اس کی شدید مخالفت شروع کر دی۔ اور اس مخالفت کو نازیوں کا پروپیگنڈہ بھی برابر ہوا دیتا رہا۔

اس مخالفت کے علی الرغم یہ بل وہ سارے قانونی مراحل برابر طے کرتا چلا گیا ہے جو کسی مسودے قانون کو قانون بننے سے پہلے امریکہ میں طے کرنے ضروری ہوتے ہیں۔ ہر مرحلے پر متعدد ترمیمیں بھی اس میں تجویز ہوئیں۔ اور ان پر طویل بحثیں بھی ہوتی رہیں لیکن یہ ساری بحثیں اور ترمیمیں اس مسودۂ قانون کی اصلی صورت کو نہ بگاڑ سکیں، اور یہ مسودۂ قانون سارے مراتب طے کرتا ہوا بالاخر ۸ مارچ ۱۹۴۱ء کو ۶۰-۳۱ آراء کے مقابلہ میں ۶۰ آراء کی اکثریت سے امریکن سنٹ میں منظور ہو گیا۔

امریکہ کا یہ قانون گویا نازیوں کو کھلا چیلنج تھا جس نے ہٹلر کو پریشان کر دیا۔ اس نوبت پر برطانیہ کو امریکہ سے جنگی سامان کی اس قدر زبردست مدد ملجانے کے معنی یہ تھے کہ جنگ اور زیادہ طول کھینچ جائے اور جرمنی کو برطانیہ پر جدید آلات حرب کی بہتات کے باعث جو فوقیت حاصل ہے وہ جاتی رہے

ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں جرمنی کے خلاف تھیں اور ہٹلر کے لئے یہ ضروری تھا کہ فوراً اس کا کوئی مؤثر تدارک کرے۔ ورنہ پھر ہٹلر کے لئے نہ صرف اس جنگ میں جیتنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ سکتا تھا بلکہ برطانیہ کی تاخت سے خود جرمنی کو بچانا بھی ناممکن

ہو جاتا۔

اتفاق سے ان حالات میں ہٹلر کا فیصلہ بھی وہی تھا۔ جو پچھلی جنگ کے دوران میں، قیصر جرمنی نے کیا تھا یعنی امریکہ کی مدد کسی طرح برطانیہ نہ پہنچنے دی جائے اور اس مدد کے پہنچنے سے پہلے ہی برطانیہ کو صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ چنانچہ اس قانون کے منظور ہوتے ہی ہٹلر نے اعلان کر دیا کہ موسم بہار میں وہ بحرۂ اٹلانٹک میں جنگ شروع کر دے گا۔ اور اس کا بحری بیڑہ اپنی سرگرمیوں کے دوران میں برطانوی اور امریکن جہازوں میں مطلق تمیز نہیں کرے گا۔ یہ امریکہ اور برطانیہ کو ہٹلر کا چیلنج تھا۔

اس چیلنج کے ساتھ ہی جرمنی کی تقریباً تین سو یو بوٹ اور سب میرین کشتیاں اٹلانٹک میں پہنچ گئیں جن کی مدد کے لئے چھٹیلے بم بار طیارے بھی تھے۔ اور ان کے ساتھ جرمنی کے دو زبردست جنگی جہاز "شان ہرسٹ" اور "تیز ناؤ" بھی سمندروں میں گشت کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ ان جرمن جہازوں نے بحرۂ اٹلانٹک میں پہنچتے ہی ایک ہنگامہ مچا دیا اور مارچ کے چار ہفتوں میں برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کے تقریباً تین لاکھ ٹن کے جہاز سمندر کی تہہ میں پہنچا دئے۔

نازیوں کی ان بحری سرگرمیوں کا جواب برطانیہ کی طرف سے بھی فوراً دیا گیا۔ اور برطانیہ کا بحری بیڑہ جرمن یو بوٹ اور سب میرین کشتیوں کے شکار میں مصروف ہو گیا اندازہ ہے کہ صرف مارچ کے مہینے میں برطانیہ کے بحری بیڑے نے جرمنی کے کئی لاکھ ٹن کے تجارتی جہاز اور متعدد یو بوٹ کشتیاں ٹھکانے لگا دیں۔ اور جرمنی کے بڑے جنگی جہاز "شان ہارسٹ" اور "تیز ناؤ" کو برطانوی بحری بیڑے کی زد سے بچکر "برسٹ" کی، فرانسیسی بندرگاہ میں جسے نازیوں نے اپنا بحری مرکز بنا لیا ہے پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

امریکہ کے اس قانون میں جنگی سامان برطانیہ کو بھیجنے کے سلسلے میں چونکہ پریسیڈنٹ روسولٹ کو یہ اختیار دیدیا گیا تھا کہ اپنی اختیار تمیزی سے کام لے کر چاہے یہ سامان برطانوی تجارتی جہازوں میں بھیجیں یا امریکن جہاز اس مقصد کے لئے استعمال کریں۔ ہٹلر اور مسولینی کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں مسٹر روسولٹ کسی عذر کے ماتحت اپنے ان وسیع اختیارات سے کام لیکر اٹلی اور جرمنی کے ان تجارتی جہازوں کو نہ ضبط کرلیں جو امریکہ کی مختلف بندرگاہوں میں لنگر انداز ہیں اور انہی جہازوں پہ جنگی سامان بار کرکے برطانیہ نہ بھیجدیں۔ اس اندیشہ کے پیدا ہوتے ہی ہٹلر اور مسولینی نے اپنے تجارتی جہازوں کے کپتانوں کو یہ خفیہ احکام بھیجدیے کہ وہ اپنے اپنے جہازوں کو آگ لگادیں یا انہیں اس قابل نہ رکھیں کہ امریکہ ان سے کام لے سکے چنانچہ پہلی اپریل کو انہی احکام کی پابندی میں تقریبًا سات جرمن، اور اطالوی جہازوں میں آگ لگادی گئی لیکن امریکہ کی حکومت کو وقت پر اس حرکت کی اطلاع مِل گئی اس نے ان جہازوں کے ملازموں کو فورًا گرفتار کرلیا اور اسکے ساتھ ہی امریکہ کی سب بندرگاہوں سے تقریبًا ۶۹ اطالوی ڈینش اور جرمن جہازوں کو ضبط کرکے اپنی نگرانی میں لے لیا۔

پریسیڈنٹ روسولٹ نے یہ کارروائی ان اختیارات کے ماتحت کی جو پچھلی جنگ عظیم میں حکومتِ امریکہ کو اس قسم کی حرکتوں کو روکنے کے سلسلہ میں حاصل تھے۔ اور اب پریسیڈنٹ کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ انہی ضبط شدہ جہازوں سے برطانیہ کو جنگی سامان بھیجنے کا کام لیں۔

بہرحال ایک طرف برطانیہ کو جلد سے جلد سامان بھیجنے کی امکانی تدبیروں پر عمل ہو رہا ہے اور دوسری طرف بحرِ اٹلانٹک میں جرمنوں کی ناکہ بندی کو توڑنے کی سرگرم کوشش جاری ہے اور اب تک ان کوششوں میں برطانیہ ہی کا پلّہ بھاری نظر آتا ہے۔ مسٹر چرچل نے اپریل کے اوائل میں اپنی ایک تقریر کے دوران میں

یہ بشارت بھی دی ہے کہ وہ بہت جلد برطانوی پارلیمنٹ کو یہ خوشخبری سنائیں گے کہ بحیرۂ اٹلانٹک سے نازیوں کا خطرہ بالکل دور کر دیا گیا لیکن مسٹر چرچل کے اس اطمینان دلانے کے باوجود اندازہ یہ ہے کہ بحیرۂ اٹلانٹک کی جنگ آسانی سے ختم نہ ہوگی بلکہ دونوں طرف سے پوری شدت اور قوت سے لڑی جائے گی اور اسی کے نتیجہ پر جنگ کے مستقبل کا انحصار ہوگا۔

باب ۳۶

مشرقی افریقہ کے اطالوی مقبوضات کا خاتمہ

مصر کی مغربی سرحد سے اطالویوں کو بن غازی تک پیچھے ہٹا دینے کے بعد جنرل ویول مشرقی افریقہ کے اطالوی مقبوضات کیطرف متوجہ ہوا۔ ایریٹریا، اطالوی سمالی لینڈ اور حبش میں اٹلی کی خاصی بڑی فوجی طاقت تھی جس سے کام لیکر اپنے اعلانِ جنگ کے فوراً ہی بعد اٹلی نے برطانیہ کے ہمسایہ مقبوضات کے کچھ حصوں پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔

اور حبش کی سرحد پر "میالے" فتح کر کے "بونا" تک بڑھتا چلا گیا تھا۔ برطانوی سمالی لینڈ پر پوری طرح قبضہ جما چکا تھا۔ ایریٹریا اور سوڈان کی سرحدوں پر "کسالا" کا علاقہ چھین لیا تھا اور حبش اور سوڈان کی سرحدوں پر "غلابات" کے سارے علاقے کو فتح کر لیا تھا اس کے علاوہ "بحرِ احمر" پر اسکا مکمل قبضہ تھا جس کے باعث کوئی برطانوی جہاز اس راستہ سے بحیرۂ روم میں نہیں جا سکتا تھا۔

سب سے پہلے برطانوی بحری بیڑے نے جنوب مشرقی بحیرۂ روم میں ناکہ بندی کر کے اس سلسلۂ تعلق کو منقطع کر دیا جو اٹلی کا اپنے ان مقبوضات سے قائم تھا اور اس طرح مشرقی افریقہ کی اطالوی فوجوں کو مزید کمک پہنچ جانے کے امکانات کو ختم کر کے جنرل ویول نے سوڈان سے ایریٹریا پر اور کینیا سے حبش اور اطالوی

شمالی لینڈ پر حملہ کر دیا، یہ حملہ ۸ رجنوری ۱۹۴۱ء کو شروع ہوا اور جنوری کے ختم
ہونے سے پہلے پہلے جنرل ویول نے میلے، کسالا، اور غلابات اٹلی سے خالی کرا لیا۔
فروری میں برطانوی فوجوں نے حبش، اطالوی شمالی لینڈ اور ایرٹریا میں
ایک ساتھ پیشقدمی شروع کر دی۔
پہلی فروری ۱۹۴۱ء کو ایریٹریا کے دو مشہور شہر "رگودت"، "بارنٹو" فتح
کر لیے۔ ۱۵ر فروری کو اطالوی شمالی لینڈ کی مشہور بندرگاہ "کسمایو" پر قبضہ کر لیا اور
۱۹ر فروری کو جنوبی افریقہ کی فوجوں نے حبش کی سرحد پار کر کے "میگا" پر قبضہ جما لیا۔
اگرچہ اطالوی فوجیں ہر جگہ برطانوی فوجوں کا جم کر مقابلہ کر رہی تھیں
لیکن کسی جگہ وہ برطانوی حملوں کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اور برطانوی
پیشقدمی کے ساتھ ساتھ برابر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوتی گئیں۔

اگرچہ برطانیہ نے مشرقی افریقہ کی یہ مہم اٹلی کے خلاف شروع کی تھی اور اس
ساری مہم میں ایریٹریا اور اطالوی شمالی لینڈ کی طرح حبش میں بھی برطانوی فوجیں ہی
کام کر رہی تھیں لیکن حبش کے متعلق برطانیہ نے ابتدا ہی میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ
شہنشاہ ہیل سلاسی کو واپس کر دیا جائے گا جنہیں مسولینی نے ۱۹۳۵ء میں یہاں سے نکلنے پر
مجبور کر دیا تھا، چنانچہ اس اعلان کے ساتھ ہی شہنشاہ ہیل سلاسی کو جو انگلستان میں نہایت
خاموش زندگی بسر کر رہے تھے ہوائی جہاز کے ذریعہ سوڈان بھیجا گیا اور جب سوڈان کی برطانوی
فوجیں حبش کی سرحد میں داخل ہو گئیں تو شہنشاہ ہیل سلاسی بھی اُن کے ساتھ دوبارہ اپنے
ملک میں داخل ہوئے اور انہوں نے اپنے گرد اپنے ہوا خواہوں کو جمع کر کے اپنے طور پر
اطالویوں سے مقابلہ اور حبش کی فتح میں برطانوی فوجوں کی مدد کرنے میں سرگرمی
دکھانی شروع کر دی۔

برطانوی فوجیں اس دوران میں برابر محاذ پر بڑھ رہی تھیں ۔ اطالوی سمالی لینڈ میں بندرگاہ وہ فتح کرہی چکی تھیں ۲۶ فروری کو انھوں نے اطالوی سمالی لینڈ کے پایۂ تخت "موگا دیشو" پر بھی قبضہ کر لیا اور اس فتح کے ساتھ ہی اطالوی سمالی لینڈ پر برطانیہ کا مکمل قبضہ ہوگیا ۔ اطالوی سمالی لینڈ سے برطانوی فوجیں برطانوی سمالی لینڈ کی طرف بڑھیں اس علاقہ پر اٹلی نے جولائی ۱۹۴۰ء میں قبضہ کر لیا تھا، برطانوی فوجوں نے ۱۶ مارچ کو برطانوی سمالی لینڈ کے پایۂ تخت "بربرا" کو فتح کر کے یہ علاقہ دوبارہ اطالویوں سے چھین لیا ۔

بربرا کی فتح کے بعد کینیا، اطالوی سمالی لینڈ اور برطانوی سمالی لینڈ کی برطانوی فوجیں ایک ساتھ حبش پر ٹوٹ پڑیں اور سوڈان کی جو فوجیں ایریٹریا کی طرف پیش قدمی کر رہی تھیں وہ اس علاقہ کو اطالویوں سے صاف کرنے میں مصروف ہوگئیں ۔

ایریٹریا میں اطالویوں کے قدم بڑی مضبوطی سے جمے ہوئے تھے مشرقی افریقہ میں یہ انکا بہت قدیم مقبوضہ تھا ۔ یہاں کا ایک قلعہ "کیرن" قدرتی طور پر نہایت محفوظ اور دنیا کے مضبوط ترین قلعوں میں شمار ہوتا تھا اس قلعہ کو فتح کرنے میں برطانوی فوجوں کو کافی دقت اٹھانی پڑی اور بہت دن لگ گئے لیکن بالآخر ۲۷ مارچ کو انھوں نے "کیرن" بھی سر کر لیا ۔

ادھر ایریٹریا کی برطانوی فوجیں کیرن سر کر کے ایریٹریا کے پایۂ تخت آسمارا کی طرف بڑھیں ۔ ادھر اطالوی سمالی لینڈ کی برطانوی فوجوں نے جو حبش میں پیش قدمی کر رہی تھیں، حبش کا مشہور صوبہ "حرار" فتح کر لیا اور سیدھی حبش کے پایۂ تخت "ادیس ابابا" کی طرف روانہ ہوگئیں ۔

یکم اپریل کو ایریٹریا کا پایۂ تخت "آسمارا" بھی برطانیہ کے قبضہ میں آگیا

اور آسمارا کی فتح کے بعد اطالویوں کے پاس ایریٹریا کا صرف ایک بندرگاہ "مساوا" رہ گیا تھا اسے بھی ۹ راپریل کو برطانوی فوجوں نے فتح کر لیا اور اس طرح سارے ایریٹریا پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔

حبش میں جنوبی افریقہ کی جو فوجیں اطالوی اور برطانوی سمالی لینڈ کی طرف سے بڑھ رہی تھیں وہ ۶ راپریل کو حبش کے پایۂ تخت اڈس ابابا پہنچ گئیں اور اڈس ابابا کی اطالوی فوجوں نے بے لڑے بھڑے ہتھیار ڈال دئیے۔ اڈس ابابا کے اطالوی وائسرائے ڈیوک آف اوسٹا" بقیہ اطالوی فوجوں کے ساتھ "گندر" کی آخری اطالوی چھاؤنی کی طرف ہٹ گئے جہاں سب طرف سے شکست خوردہ اطالوی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔

ان شکست خوردہ اطالوی فوجوں کا سب طرف سے تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اور اس تعاقب میں شہنشاہ ہیل ثلاثی کی دیسی فوج نمایاں حصہ لے رہی ہے اڈس ابابا کی فتح کے بعد شہنشاہ ہیل ثلاثی نے ایک اجتماع کیا جس میں اُن کا خاندانی شاہی نشان دوبارہ لہرایا گیا اور حبش کے سرداروں نے دوبارہ ان کی اطاعت کا حلف اُٹھایا۔

مشرقی افریقہ کے اطالوی مقبوضات کے خلاف برطانوی مہم اڈس ابابا کی فتح کے بعد بڑی حد تک مکمل ہو گئی۔ اطالوی سمالی لینڈ، برطانوی سمالی لینڈ اور ایریٹریا سے اطالویوں کا بالکل صفایا کر دیا گیا۔ البتہ حبش میں کچھ اطالوی فوجیں اور ایک اطالوی چھاؤنی باقی رہ گئی ہے جسے گھیر لینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

باب ۳۷

یوگوسلاویہ میں نازی ڈپلومیسی کی ناکامی

یوگوسلاویہ پر نازیوں کا سیاسی دباؤ برابر بڑھتا جا رہا تھا اور پرنس پال کی حکومت اس دباؤ کے آگے ختم ہوتی جا رہی تھی، اگرچہ اس دوران میں پرنس پال کی حکومت نازی اثر کو قبول نہ کرنے کی انتہائی کوشش کرتی رہی اور اپنی طرف سے اس نے یوگوسلاویہ اور جرمنی میں سمجھوتے کی نئی نئی صورتیں بھی تجویز کیں جن پر ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ بھی شامل تھا لیکن نازیوں نے ان میں سے کوئی صورت بھی منظور نہیں کی، وہ یوگوسلاویہ کو بھی رومانیہ، بلغاریہ اور ہنگری کی طرح جرمنی، اٹلی اور جاپان کے سہ گوشہ اتحاد میں شامل کرنا چاہتے تھے اور اس جنگ میں یوگوسلاویہ سے بھی اسی طرح کے اشتراکِ عمل کے خواہاں تھے جس طرح کا اشتراکِ عمل انہیں ان تینوں ملکوں (رومانیہ، بلغاریہ، اور ہنگری) سے حاصل ہو چکا تھا۔

لیکن پرنس پال کو اس اتحاد میں شامل ہونے میں تامل تھا، یونان، یوگوسلاویہ کا قدیم رفیق اور نہایت صلح جو ہمسایہ تھا اور پرنس پال کو یہ منظور نہ تھا کہ نازی اس پر حملہ کرنے کے لئے یوگوسلاویہ کو آلۂ کار بنائیں، چنانچہ نازیوں کے سیاسی دباؤ کے مقابلہ میں یہ "آخری مورچہ" تھا جس پر پرنس پال کی حکومت نے طرح طرح کے لالچ اور دھمکیوں کے باوجود اپنے قدم جمائے رکھے۔

اس نوبت پر نازیوں نے خود بھی بات بڑھانی پسند نہیں کی، اور پرنس پال کی حکومت کی یہ شرط منظور کر لی کہ معاہدے کے بعد نہ جرمن فوجیں یوگوسلاویہ میں داخل ہونگی اور نہ یونان پر حملہ کرنے کے لئے یوگوسلاویہ کے علاقہ سے گزریں گی۔

ان شرائط کے آپس میں طے ہوتے ہی یوگوسلاویہ کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ بلغراد سے ویانا روانہ ہوگئے اور وہاں انہوں نے ۲۵ مارچ ۱۹۴۱ء کو فان ربن ٹراپ (جرمنی) کونٹ چیانو (اٹلی) اور جنرل اوشیما (جاپان) کی موجودگی میں محوری طاقتوں کے ساتھ اتحاد کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔

یوگوسلاویہ کی طرف سے پرنس پال کی حکومت کے نمائندوں نے اس معاہدے پر دستخط تو کر دیئے لیکن یوگوسلاویہ کے فوجی گروہ کو یہ معاہدہ پسند نہ آیا اور نہ عوام نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اصل میں پرنس پال کی حکومت نے اس معاہدے کی تکمیل سے پہلے یوگوسلاویہ کے فوجی طبقے سے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا۔ اور نہ اس بارے میں ملک کے ان انتہا پسند سیاست دانوں کی رائے کو کوئی وقعت دی تھی جو سب سے جرمنی سے کسی قسم کا فوجی معاہدہ کرنے ہی کے خلاف تھے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس معاہدہ پر دستخط ہوتے ہی ملک کے انتہا پسندوں اور فوجی طبقوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور سرب اور سلوینی قوموں نے جنہیں زیادہ تر روس سے لگاؤ تھا اس معاہدہ کے خلاف ملک میں جگہ جگہ مظاہرے شروع کر دیئے خود روس نے بھی اس معاہدے سے پہلے یوگوسلاویہ کی حکومت کو متنبہ کر دیا تھا کہ نازیوں کے سہ گوشہ اتحاد میں شامل نہ ہو بلکہ اس نے یوگوسلاویہ کی حکومت سے یہ بھی خواہش کی تھی کہ جرمنی اور یوگوسلاویہ کے درمیان جو معاہدہ بھی طے پائے اس سے ۴۸ گھنٹے پہلے سوئٹ روس کو اطلاع ملنی چاہیئے۔

بلغاریہ کے بعد یہ دوسرا بلقانی ملک تھا جس سے سوئٹ روس نے دلچسپی کا اظہار کیا تھا اور اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ روس بلقان میں جرمنی کے بڑھتے ہوئے اثر کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا

چاہتا ہے کہ بلقانی ریاستیں خود بھی جرمنی کے اس اثر کا مقابلہ کریں۔ سوویٹ روس کے اس نقطۂ نظر کی مزید وضاحت اس اعلان سے بھی ہوتی تھی جو سوویٹ روس اور ترکی تعلقات کے بارے میں عین اس دن کیا گیا تھا جس دن یوگوسلاویہ کے نمائندوں نے نازیوں کے ساتھ اتحاد کے معاہدے پر دستخط کئے تھے اس اعلان میں سوویٹ روس نے ترکی کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر اس پر کسی غیر طاقت نے حملہ کر دیا اور ترکی کو اس سے لڑنا پڑا تو سوویٹ روس اپنے قدیم معاہدے اتحاد پر عمل کرتا ہوا بالکل غیر جانب دار رہے گا۔ اور اسی طرح کا اطمینان سوویٹ روس کو ترکی حکومت کی طرف سے دلایا گیا تھا کہ سوویٹ روس پر کسی طاقت کے حملے کی صورت میں ترکی کا رویہ بھی غیر جانب دارانہ ہو گا۔

ترکی اور سوویٹ روس کے اس متفقہ اعلان کا ایک مفہوم تو یہ تھا کہ ترکی اور روس میں کچھ دنوں پہلے جرمنوں کی سازش سے جو رنجش پیدا ہو گئی تھی وہ دور ہو گئی اور ان کے آپس کے تعلقات اسی طرح خوشگوار ہو گئے جیسے پہلے تھے۔ اور دوسرا مفہوم یہ تھا کہ ایسے وقت میں جب کہ جرمن خطرہ ترکی کی سرحدوں کے قریب پہنچ چکا ہے۔ سوویٹ روس خواہ مخواہ ترکی کو اپنی پالیسی کے متعلق تشویش میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتا تھا جس سے ترکی مدافعت پر گہرا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف اس کی یہ خواہش تھی کہ ترکی اپنی مشرقی سرحدوں کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر یکسوئی قلب کے ساتھ جرمنوں کا مقابلہ کرے اور اس علاقے میں جرمنوں کے قدم نہ جمنے دے ع۵

ع۵ اس سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ ہٹلر نے پولینڈ کی طرح ترکی کے بھی حصے بخرے کر لینے کی تجویز اسٹالن کے آگے پیش کی تھی اور اسے درہ دانیال کا بھی لالچ دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اسٹالن اس لالچ میں آکر ترکی پر حملہ کرنے میں ہٹلر کا ساتھ دے اور ترکی کے وجود سے جنوب مشرقی یورپ اور مشرق قریب میں ہٹلر کی پیش قدمی میں جو روک پیدا ہو رہی ہے وہ دور ہو جائے۔

بلقان کے متعلق روس کی اسی پالیسی نے دراصل یوگوسلاویہ کے سردیوں اور سلوینیوں پر اثر ڈالا تھا، ویسے بھی ان دونوں قوموں کو جرمنی سے کوئی لگاؤ نہیں تھا بلکہ ان میں اور جرمنوں میں ایک قسم کی قومی منافرت سی پائی جاتی تھی جو پہلی جنگِ عظیم کے بعد اور زیادہ بڑھ گئی تھی البتہ یوگوسلاویہ کی تیسری قوم "کروٹ" اس بارے میں سردیوں اور سلوینیوں سے مختلف تھی اسکا تعلق بجائے روس کے جرمنوں سے تھا۔ کروٹ یوگوسلاویہ میں اقلیت میں تھے اور اُن میں اور سردیوں میں نظامِ حکومت کے معاملہ میں ہمیشہ اختلاف رہتا تھا۔ یوگوسلاویہ کے پہلے بادشاہ الکزنڈر بھی کہا جاتا ہے کہ اسی اختلاف کے نذر ہو گئے تھے۔ ان کی ہلاکت کے بعد اگرچہ کروٹوں اور سردیوں میں مصالحت ہو گئی تھی لیکن آپس میں صفائی پھر بھی نہ ہو سکی تھی

غرض اس موقع پر جرمنوں سے معاہدۂ اتحاد کے خلاف جسقدر مظاہرے ہوئے وہ سردیوں اور سلوینیوں کی طرف سے ہوئے اور کروٹوں نے ان میں مطلقاً حصّہ نہیں لیا تھا لیکن چونکہ یوگوسلاویہ میں سردیوں اور سلوینیوں ہی کی تعداد زیادہ تھی اسلئے ان مظاہروں کا کھلا ہوا مفہوم یہی تھا کہ یہ اتحاد یوگوسلاویہ کی اکثریت کو پسند نہیں آیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۵۶) لیکن اسٹالن اس لالچ میں نہیں آیا اوّل تو درہ دانیال خود فساد کی جڑ تھی جس کے متعلق وہ جرمنوں پر ایک لمحہ کے لئے بھی اعتماد نہیں کر سکتا تھا، دوسرے کسی بلقانی ملک کے متعلق ہٹلر سے سازش کر کے خود ہی جرمن اثر کو بلقان میں قدم جما لینے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ یہ سویٹ روس کی بنیادی پالیسی کے خلاف تھا یہی وجہ تھی کہ ہٹلر کی یہ تجویز بیکار گئی اور اسٹالن نے ایک مخصوص اعلان کے ذریعہ سویٹ روس اور ترکی کے تعلقات کو صاف کر دیا۔ (مولف)

عوام کے ان مظاہروں اور ہنگاموں سے یوگوسلاویہ کے فوجی طبقہ کو جو پرنس پال کی حکومت سے ناراض تھا بڑی تقویت پہنچی اور اس نے ریجنٹ کے اقتدار کو توڑنے اور یوگوسلاویہ کی حکومت پر قبضہ کرنے کی ایک زبردست اسکیم چپ چپاتے تیار کر لی۔

یوگوسلاویہ کے نوعمر بادشاہ شاہ پیٹر کو جن کی عمر صرف ساڑے سترہ برس کی تھی انتہا پسندوں نے اس اسکیم میں شریک کر لیا اور انہی کے نام سے ۲۷ مارچ کی رات کو بلغراد میں انقلاب پیدا کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔

یوگوسلاویہ کے وہ وزیر جنہوں نے ویانا جا کر جرمنی کے ساتھ معاہدۂ اتحاد پر دستخط کئے تھے گرفتار کر لئے گئے، یوگوسلاویہ کے ریجنٹ پرنس پال اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر یوگوسلاویہ سے یونان چلے گئے اور شاہ پیٹر[۱] کے حکم سے اس انقلاب کے کے لیڈر جنرل سیماوچ نے نئی وزارت قائم کر لی۔

جرمنی سے معاہدۂ اتحاد کے فوراً بعد یوگوسلاویہ میں اس انقلاب سے جرمن وقار پر ایک کاری ضرب لگی خصوصاً اسلئے بھی کہ ان دنوں جاپان کے وزیر خارجہ مسٹر مٹسوکا

---

[۱] شاہ پیٹر، یوگوسلاویہ کے پہلے بادشاہ الکزنڈر اول کے لڑکے ہیں ۱۹۳۴ء میں شاہ الکزنڈر کی ہلاکت کے وقت ان کی عمر صرف بارہ برس کی تھی اور یہ انگلستان کے مشہور مدرسہ ایٹن میں تعلیم پاتے تھے۔ شاہ الکزنڈر کی ہلاکت کے بعد یہ یوگوسلاویہ آ گئے اُن کے سنِ بلوغ کو پہنچنے تک ان کے چچا پرنس پال ان کے ریجنٹ مقرر ہوئے اور وہی ۱۹۳۴ء کے بعد سے اپنی کونسل کی مدد سے یوگوسلاویہ پر حکومت کرتے رہے ستمبر ۱۹۴۱ء میں شاہ پیٹر کی عمر اٹھارہ برس کی ہو گی اور یہی مہینہ اُنکی باقاعدہ تخت نشینی کا بھی مقرر تھا کہ یوگوسلاویہ میں انقلاب ہو گیا پرنس پال ریجنٹ کے عہدے سے مستعفی ہو گئے اور شاہ پیٹر نے وقت سے پہلے زمام حکومت سنبھال لی۔ (مولف)

جو یورپ کی جنگ کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھنے آئے تھے، برلن میں موجود تھے اور محوری طاقتوں کا آئندہ پروگرام اُن کے مشورے سے مرتب ہو رہا تھا۔ ہٹلر کے لئے یوگوسلاویہ کی اس ناکامی کے اسباب انہیں سمجھانے مشکل ہو گئے۔

لیکن اس کے برخلاف برطانیہ اور امریکہ اور یونان کو یوگوسلاویہ کے اس انقلاب سے بڑی مسرت ہوئی۔ کہ ایک اور بہادر قوم کا ہٹلر کے مقابلہ کے لئے ان کے جتھے میں اضافہ ہوا چنانچہ برطانیہ اور امریکہ نے اس انقلاب کے فوراً بعد ہی یوگوسلاویہ کو ہر قسم کی امداد دینے کا وعدہ بھی کر لیا۔ امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ روس اور ترکی کو بھی اس انقلاب سے خوشی ہوئی کہ بلقان میں ہٹلر کی پیشقدمی میں ایک اور روک پیدا ہوئی چنانچہ یوگوسلاویہ کے انقلاب پر روس اور ترکی نے بھی اظہار اطمینان کیا اور روس اور یوگوسلاویہ میں ایک معاہدہ کی گفت وشنید شروع ہو گئی۔

اپنی ناکامی کے بعد کچھ دنوں ہٹلر نہایت خاموشی سے یوگوسلاویہ کے حالات کا مطالعہ کرتا رہا۔ اسکے بعد اس نے یوگوسلاویہ کی نئی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ جرمنی کے معاہدۂ اتحاد کے متعلق وضاحت کے ساتھ اپنا رد یہ بتائے اور یوگوسلاویہ کی فوجوں کو منتشر کر دے یہ گویا اس بات کا اظہار تھا کہ ہٹلر کے صبر کا پیالہ اب لبریز ہو گیا اور اب وہ بلقان میں فوجی کارروائی کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ یماوج کی حکومت نے ہٹلر کے مطالبے کے جواب میں اپنی پالیسی کا اظہار کرتے ہوئے جرمن حکومت کو یہ یقین دلا دیا کہ یوگوسلاویہ اپنی کسی ہمسایہ ریاست سے بگاڑنا نہیں چاہتا اور اس کی فوجیں محض حفظ ماتقدم کے طور پر تیار ہو رہی ہیں جس سے کسی ملک کو ڈرانا مقصود نہیں۔

لیکن یہ جواب ہٹلر کو مطمئن نہ کر سکا اور اس نے یوگوسلاویہ کے خلاف نہایت تیزی سے فوجی تیاریاں مکمل کرنی شروع کر دیں

فوجی کارروائی سے پہلے حسب دستور یوگوسلاویہ کے خلاف جرمن پریس میں نہایت زور شور سے پروپگنڈا شروع ہوگیا۔ اور یوگوسلاویہ کی کروٹ، جرمن، اور ہنگرین اقلیتوں پر سرویوں کے مظالم کی فرضی داستانیں شہرت پانے لگیں۔ جرمنوں کا سرویوں اور سلونیوں پر کوئی زور نہیں تھا صرف کروٹ ان کی طرف متوجہ ہوسکتے تھے انھیں کو کروٹیہ کی آزاد ریاست کا سبز باغ دکھا کر ہٹلر نے پوری سرگرمی سے یوگوسلاویہ کی موجودہ حکومت کے خلاف ابھار دیا۔

اگرچہ کروٹوں کے ایک لیڈر ڈاکٹر میچک، جنرل سیماوچ کی حکومت میں نائب وزیر اعظم کا عہدہ قبول کر چکے تھے لیکن کروٹوں میں سروی حکومت کے متعلق برابر بدگمانی موجود تھی اور اس بدگمانی کو کروٹوں کے انتہا پسند لیڈر برابر ہوا دیتے رہتے تھے۔ ہٹلر نے کروٹوں کی اس بدگمانی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایک مشہور انتہا پسند کروٹ "ڈاکٹر انٹی پاوی لچ" کو جس کے متعلق یہ شبہ تھا کہ اسی نے شاہ الکزنڈر کو مارسیلز میں ہلاک کروایا تھا ہٹلر نے گانٹھ لیا اور اعتدال پسند کروٹوں میں پھوٹ ڈلوادی۔ اور اس طرح یوگوسلاویہ کے خلاف پروپگنڈا اور سازش کے سارے ابتدائی مراحل طے کر کے ہٹلر نے ۶؍اپریل ۱۹۴۱ء کو یوگوسلاویہ اور یونان دونوں کے خلاف ایک ساتھ اعلان جنگ کر دیا۔

باب ۳۸

جاپانی وزیر خارجہ کا سفر یوروپ اور روس اور جاپان میں معاہدہ

مشرق بعید میں جاپان کے قومی عزائم کا سرسری ساخاکہ کسی پچھلے باب میں پیش کیا جا چکا ہے ان عزائم کی تکمیل کا ظاہر ہے کہ اس سے بہتر موقع جاپان کو کوئی اور نہیں مل سکتا تھا اسلئے موجودہ یورپین جنگ سے وہ پورا پورا فائدہ اُٹھانے پر تُلا ہوا تھا فرانس کو بے بس دیکھ کر فرانسیسی ہند چینی میں اپنے قدم جما چکا تھا اور تھائی لینڈ (سیام) اور فرانسیسی ہند چینی کے قضیہ میں خود ساختہ "ثالث" کی حیثیت سے دخل دیکر فرانسیسی ہند چینی کا وہ سارا علاقہ تھائی لینڈ کو دلوا چکا تھا جس کا تھائی لینڈ نے مطالبہ کیا تھا۔ اگرچہ ابتداءً وشی کی حکومت نے جاپان کے اس ثالثی فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن یہ دیکھ کر کہ اس مشرقی ثالث نے اپنے فیصلے کو تعمیل کرانے کی غرض سے ہند چینی کی کھاڑی میں اپنے جنگی جہاز بھی جمع کر رکھے ہیں مجبوراً ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء کو جاپان کے فیصلہ پر بے چون وچرا دستخط کر دیئے۔

لیکن جاپان اب اس سے آگے قدم بڑھانا چاہتا تھا بحیرہ الکاہل کے جزائر میں فلپائنس اور ایسٹ انڈیز پر اس کی خاص طور پر نظر تھی اور جنوبی چین کے ان علاقوں پر بھی اس کا دانت تھا جو برطانیہ کے قبضہ میں تھے۔ اور اسی کے ساتھ اگر موقع مل سکے تو بحر ہند کے برطانوی مقبوضات بلکہ ہندوستان تک پہنچ جانے کا ارادہ تھا

لیکن یہ پروگرام بہت طویل اور اہم خطرات سے پُر تھا اور اس کی ترتیب میں نہایت ہی حزم و احتیاط کی ضرورت تھی۔ سب سے پہلے تو اُسے یورپ میں جرمنی اور اٹلی کی صحیح پوزیشن معلوم کرنی تھی اور موجودہ جنگ میں ان کی کامیابی کے امکانات کا جائزہ لینا تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ سوویٹ روس کو راضی کر کے اس سے اپنے چینی مقبوضات کی حفاظت کے متعلق ایک سمجھوتہ کرنا تھا تاکہ اس طرف سے یکسو ہو کر، جاپان اپنے بحر الکاہل اور بحر ہند کی مہم میں مصروف ہو سکے۔

یہ کام چونکہ معمولی ایلچیوں اور قونصلوں کے بس کا نہ تھا اسلئے جاپان کی حکومت نے اسے اپنے وزیر خارجہ "مسٹوکا" کے سپرد کیا اور مسٹوکا اسکی تکمیل کے لئے مارچ ۱۹۴۱ء کے دوسرے ہفتے ماسکو، برلن اور روم کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

مارچ کے آخر تک جاپانی وزیر خارجہ ماسکو اور برلن ہوتے ہوئے روم پہنچے یہاں کے حالات کا انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور واپسی میں انہوں نے ماسکو میں تقریباً ایک ہفتہ قیام کیا اور سوویٹ روس اور جاپان کے درمیان ایک غیر جانبدارانہ معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اتفاق کی بات "مسٹوکا" برلن اور روم میں ایسے وقت پہنچے تھے جبکہ جرمنوں کو بلقان میں اور اطالویوں کو بحیرۂ روم میں برطانیہ کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی تھی۔ یوگوسلاویہ کا انقلاب عین اس دن ہوا جس دن مسٹوکا ہٹلر اور ہر ابن ٹراپ سے آئندہ پروگرام کے متعلق برلن میں گفتگو کر رہے تھے اور روم یہ اس وقت پہنچے جب اطالوی بیڑے کو بحیرۂ روم میں کریٹ کے قریب برطانوی بیڑے کے ہاتھوں شکستِ فاش ہوئی تھی، اور برطانوی بیڑہ لیبیا کی برطانوی فوجوں کو یونان پہنچا دینے میں کامیاب رہا تھا۔

بہر حال مسٹر مسٹوکا پر ان واقعات کا اثر پڑا ہو یا نہ ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ

روم اور برلن میں مسٹر مٹسوکا نے کوئی نیا معاہدہ نہیں کیا اور نہ بظاہر ان تینوں میں آئندہ کے لئے کوئی پروگرام طے ہوا، البتہ برلن سے واپسی پر جاپانی وزیر خارجہ نے تقریبًا ایک ہفتہ ماسکو میں قیام کیا اور سوئٹ روس اور جاپان کے درمیان ۱۳ اپریل سنہ ۴۱ کو آپس میں "غیر جانب دار" رہنے کے ایک معاہدہ پر دستخط کر دئیے۔ اختصار کے ساتھ یہ معاہدہ حسب ذیل تھا۔

(۱) فریقین آپس میں دوستانہ تعلقات برقرار رکھیں گے اور ایک دوسرے کے مقبوضات کا پورا پورا احترام کریں گے۔

(۲) اگر کسی فریق کو کسی تیسری قوت یا قوتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا تو فریق ثانی اس جنگ کے دوران میں بالکل غیر جانب دار رہیگا۔

(۳) یہ معاہدہ طرفین کی "توثیق" کے بعد نافذ سمجھا جائے گا اور پانچ برس تک ناطق رہیگا اور اگر اس مدت کے ختم ہونے سے برس بھر پہلے کسی فریق نے اس معاہدے کو فسخ کر دینے کا نوٹس نہیں دیا تو مزید پانچ برس تک یہ معاہدہ قائم رہیگا۔

(۴) فریقین کی طرف سے اس معاہدے کی جلد سے جلد توثیق کر دی جائے گی اور دستخط شدہ معاہدے کے کاغذات کا تبادلہ "ٹوکیو" میں عمل میں آئے گا۔

اس معاہدے کے ساتھ سوئٹ روس اور جاپان کی طرف سے ایک مشترکہ اعلان بھی شائع ہوا تھا جس میں سوئٹ روس نے جاپان کی مقبوضہ ریاست "منچکو" کے احترام کا وعدہ کیا تھا اور جاپان نے سوئٹ روس کی ماتحت ریاست "اوٹر منگولیا" کی حفاظت کی ضمانت کی تھی۔ ۵

---

۵ اوٹر منگولیا اور منچکو دونوں چین کے صوبے ہیں ایک پر (بقیہ صفحہ ۲۶۴ پر)

اس حقیقت کے پیش نظر کہ جاپان ایک مدّت سے سویٹ روس کے ساتھ اپنے تعلقات ہموار کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور سویٹ روس خود بھی ایشیاء میں اپنے مفاد کو نقصان پہنچائے بغیر جاپان سے صفائی کر لینے کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ سویٹ روس اور جاپان کے اس معاہدے میں کسی کو بھی کوئی نئی بات محسوس نہ ہونی چاہئے تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر ان دونوں کے درمیان "غیر جانبداری" کا جو معاہدہ طے پایا اس نے امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ خود جرمنی کو بھی متعجب کر دیا۔ یہ تعجب دراصل نفس معاہدے پر کم اور معاہدے کی نوعیت پر زیادہ تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ نومبر ۱۹۴۰ء میں خود ہٹلر نے برطانیہ کے خلاف سویٹ روس کو، جرمنی، اٹلی، اور جاپان کے اتحاد میں شامل ہو جانے کی دعوت دی تھی، اور اس شمولیت کے سلسلہ میں ایشیا اور بلقان کے کچھ علاقوں کا اسے لالچ بھی دیا تھا لیکن سویٹ روس ہٹلر کی چالوں میں نہ آیا اور اسٹالن نے اس دعوت اور پیش کش دونوں کو ٹھکرا دیا۔ اسلئے کہ اوّل تو سویٹ روس کو جرمنوں پر اعتماد ہی

(بقیہ صفحہ ۲۶۴) سویٹ روس اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہے اور دوسرے پر جاپان لیکن چینی حکومت نے اب تک ان صوبوں پر روس اور جاپان کا قبضہ تسلیم نہیں کیا چنانچہ اس موقعہ پر بھی جب حکومت چین کو اس معاہدے کے بعد روس اور جاپان کے اعلان کا علم ہوا تو اس کے وزیر خارجہ نے جواب میں فوراً یہ اعلان کر دیا کہ چین سویٹ روس اور جاپان کے کسی معاہدے کا پابند نہیں ہے وہ منچوکو اور اوٹر منگولیا پر کسی غیر سلطنت کا قبضہ تسلیم نہیں کر سکتا۔

(مولف)

کم تھا دوسرے جرمنی کے ساتھ ہو کر برطانیہ سے لڑنا روس کی معینہ پالیسی کے بالکل خلاف تھا[۱]

جب ہٹلر کو اپنے اس مقصد میں ناکامی ہوئی تو اس نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح روس اور جاپان کے درمیان ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ طے ہو جائے تاکہ ایشیا میں جاپان کو یکسوئی حاصل ہو سکے اور بحر ہند اور بحر الکاہل میں ہٹلر کے پروگرام کی تکمیل کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی دکھا سکے لیکن ہٹلر کو اس معاملہ میں بھی کامیابی نہیں ہوئی سوئٹ روس نے جاپان سے ساتھ ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

اب اس انکار کے کچھ ہی دنوں بعد سوئٹ روس نے خود ہی بغیر کسی تحریک کے جاپان سے معاہدہ طے کر لیا اور معاہدہ بھی کیا تو اس انداز کا کہ امریکہ اور برطانیہ پر تو اسکی زد بالواسطہ پڑی لیکن جرمنی پر یہ براہ راست اثر انداز ہوا۔

---

[۱] سوئٹ روس کا ڈکٹیٹر اسٹالن لڑائی سے حتی الامکان اپنے آپ کو علیحدہ رکھنا چاہتا ہے اس میں ایک خیال تو یہ ہے کہ جرمنی اور برطانیہ لڑتے لڑتے کمزور ہو جائیں گے اور روس انکے مقابلہ میں طاقتور رہیگا لیکن دوسرا خیال یہ تھا کہ اگر روس موجودہ لڑائی میں شریک ہو جائے اور نازیوں سے شکست کھا جائے تو سوشلسٹ نظام حکومت جو ابھی تک ابتدائی دور میں ہے ایک ہی ضرب میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ اسٹالن کی ڈکٹیٹری بھی رخصت ہو جاتی ہے اور اگر سوئٹ روس فتحمند رہتا ہے تو روس کی اصلی حکومت اسٹالن اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے نکل کر فوجی لیڈروں کے ہاتھ میں آجاتی ہے اور اس صورت میں روس میں سوشلسٹ نظام باقی نہیں رہ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ سوئٹ روس جنگ سے بالکل علیحدہ رہنے پر مجبور ہو رہا ہے۔

وجہ ظاہر تھی اس نوبت پر روس اور جاپان میں "غیر جانبداری" کے معاہدے کا کھلا ہوا مفہوم یہی ہو سکتا تھا کہ ایشیا میں جاپان کو اور یورپ میں سویٹ روس کو اپنے پروگرام کی تکمیل میں آزادی حاصل ہو سکے ایشیا میں جاپان کا جو پروگرام تھا وہ تو ظاہر تھا لیکن یورپ میں سویٹ روس کا پروگرام کیا ہو سکتا تھا جس کی خاطر سویٹ روس کو اپنی ایشیائی سرحدوں کے متعلق جاپان سے غیر جانبداری کا معاہدہ کر کے اطمینان حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ ؟

برطانیہ اس وقت یقیناً روس کے راستہ میں حائل نہیں ہے[۵] ۔ یورپ یا ایشیا میں کسی جگہ بھی روس اور برطانیہ کا مفاد آپس میں نہیں ٹکراتا ۔ برخلاف اس کے وسطی یورپ اور بلقان میں جرمنی کے بڑھتے ہوئے اثر سے سویٹ روس کا متاثر ہونا

---

[۵] قیاس یہ ہے کہ اگر فی الواقعی برطانیہ سویٹ روس کے راستہ میں حائل ہوتا تو اسٹالن ہٹلر کی اس پیشکش کو نہ ٹھکراتا جو ہٹلر نے نومبر ۱۹۴۰ء میں روس اور جرمنی کے فوجی اتحاد کے متعلق کی تھی کیونکہ جرمنی سے اتحاد کے بعد سویٹ روس بڑی آسانی سے برطانیہ کو اپنے راستہ سے ہٹا سکتا تھا، برخلاف اس کے اکیلے اس معاہدے سے اسکا یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا ۔ برطانیہ سے ٹکرانے کے لئے بہر حال سویٹ روس کو جرمنوں کی رضامندی حاصل کرنی ضروری ہے ۔ نازی جرمنی سے بے نیاز ہو کر سویٹ روس برطانیہ کے خلاف کوئی مہم کامیابی کے ساتھ شروع ہی نہیں کر سکتا ۔

رہا یہ اندیشہ کہ خود ایشیا میں کسی جگہ سویٹ روس اقدام کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اسی لئے اس نے جاپان سے یہ معاہدہ کیا ہے اسلئے صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یورپ میں جنگ کی جو نازک حالت ہو گئی ہے اس سے قطع نظر کر کے سویٹ روس کا کسی اور طرف متوجہ ہونا قرین عقل نہیں ہے، دوسرے اس صورت میں بھی (باقی صفحہ ۲۶۷ پر)

یقینی امر ہے چنانچہ بلقان کے متعلق روس ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی اصلی پالیسی کی جھلک دکھا چکا ہے اور وسطی یورپ میں ہٹلر کے بعض اقدامات پر کھلم کھلا اظہار ناراضی بھی کر چکا ہے اس اعتبار سے قرینہ یہ ہے کہ اس موقع پر یا تو روس کو خود اپنے اوپر جرمنی کے حملے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا یا روس خود ہی بلقان اور وسطی یورپ میں جرمنی کے اقدامات کو روکنا چاہتا تھا ——— اور یہی دونوں صورتیں ایسی ہیں جن سے اس نوبت پر سویٹ روس اور جاپان کے درمیان "غیر جانب دار" معاہدے کا جواز ثابت کیا جا سکتا ہے۔

روس اور جاپان کے اس معاہدے کا اثر چین پر سب سے زیادہ پڑا اب جاپان چین کے خلاف پوری طرح سرگرمی دکھا سکتا ہے۔ اگرچہ سویٹ روس نے چین کو یہ یقین دلایا ہے کہ جو امداد اسے روس سے مل رہی ہے وہ بدستور ملتی رہے گی اور گو اس کا بھی امکان نہیں ہے کہ اس معاہدے کے بعد جاپان اپنی ان سب فوجوں کو فوراً چین کے خلاف استعمال کر سکے گا جو اوٹر منگولیا اور منچکو کی سرحد پر بیکار پڑی ہیں اس لئے کہ روس کے حملہ کا خطرہ اس معاہدے کے بعد دور بھی ہو جائے تب بھی

(بقیہ صفحہ ۲۶۶) اس کے لئے قبل از قبل جرمنی سے استصواب کرنا ضروری تھا اور پھر اگر ایشیا کے متعلق روس کا فی الحقیقت کوئی پروگرام ہوتا تو وہ جاپان سے اسی طرح کا معاہدہ کرتا جس طرح کا اس نے جرمنی سے کیا تھا تاکہ جنگ کی صورت میں جاپان کسی ایسی قوت کی مدد نہ کرنیکا بھی پابند ہو جاتا جس سے سویٹ روس برسرِ پیکار ہوتا۔ اور دراصل معاہدے کی یہی وہ صورت ہے جس کے باعث اس احتمال کی گنجائش ہی نہیں مل سکتی کہ اس ظاہرہ معاہدے کی تہ میں کہیں آپس میں کوئی خفیہ معاہدہ نہ ہوا ہو۔
(مؤلف)

اس سرحد پر روسی فوجوں کی موجودگی حفظ ما تقدم کے طور پر جاپان کو بھی اپنی فوجیں وہاں رکھنے پر مجبور کرتی رہیگی دوسرے "منچکو" کی ریاست کو بھی اپنے قابو میں رکھنے کا سوال جاپان کے پیش نظر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جاپانی فوجیں منچکو سے ہٹتے ہی خود "منچکو" کسی کی شہ میں آکر جاپان کے خلاف بغاوت کر دے۔ لیکن ان سارے موانعات کے باوجود چین پر جاپان کا دباؤ بڑھ جانا لازمی ہے جس سے مقابلہ کے لئے چین کو اس سے زیادہ قربانیاں دینی ہونگی جتنی وہ اب تک دے چکا ہے۔

چین کے بعد اس معاہدے کا اثر سب میں زیادہ برطانیہ پر پڑنے کا اندیشہ ہے اگرچہ اس اثر میں امریکہ بھی برطانیہ کا شریک ہے[۵]۔ لیکن قیاس یہ ہے کہ جاپان

---

[۵] جرمنی کی خواہش تو یہی ہے کہ جاپان سے امریکہ کو اُلجھالے تاکہ امریکہ جو مدد برطانیہ کو دے رہا ہے وہ نہ دے سکے اور خود بھی جنگ کی زد میں آجائے چونکہ خود جاپان کا اس میں اپنا فائدہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ اُلٹے نقصان کا خطرہ ہے اسلئے غالباً وہ امریکہ کو اس نوبت پر نہ چھیڑیگا کیونکہ اگر بحرالکاہل میں جاپان مشکلوں میں گھر گیا تو جرمنی اور اٹلی ہرگز اس کی مدد نہیں کر سکتے اسے اکیلے ہی یہ لڑائی لڑنی پڑیگی، علاوہ اس کے جاپان مشرقِ بعید میں اپنا اثر بحرالکاہل کے جنوب یا مشرق میں بڑھکر نہیں بلکہ جنوب مغرب میں بڑھ کر ہی حاصل کر سکتا ہے ادھر اسے برطانیہ سے ٹکر لینے کی ضرورت ہوگی اور برطانیہ چونکہ اس وقت خود بحیرہ اٹلانٹک اور بحیرۂ روم میں پھنسا ہوا ہے اسلئے بحیرہ ہند میں جاپان آسانی سے اُسے پریشان کر سکتا ہے۔
لیکن یہ صرف قیاسات ہیں ممکن ہے جاپان پوری طرح ہٹلر کی چالوں میں آجائے اور امریکہ سے اُلجھ پڑے۔ اس صورت میں اُسے امریکہ اور برطانیہ دونوں سے بحرالکاہل میں مقابلہ کرنا پڑیگا اور اس کا نتیجہ غالباً جاپان کے لئے اچھا نہ ہوگا۔

(مولف)

اس نوبت پر امریکہ اور برطانیہ دونوں کو ایک ساتھ چھیڑنے کی جرأت نہ کرے گا، بلکہ جنگ کی موجودہ صورت سے فائدہ اُٹھا کر صرف برطانیہ ہی پر دباؤ ڈالیگا اور اسی میں دراصل اسکا اپنا فائدہ بھی ہے۔

چنانچہ ابھی جاپانی وزیر خارجہ ماسکو کے دَورے سے واپس نہ ہوئے تھے اور جاپانی روسی معاہدے کی دونوں حکومتوں کی طرف سے توثیق بھی نہ ہوئی تھی کہ جاپان نے جنوبی چین میں اپنی پیش قدمی شروع کردی۔ اور ان چینی بندرگاہوں پر وہ اپنا قبضہ جمانے لگا ہے جن سے اب تک چین کا تجارتی واسطہ قائم تھا۔

دوسری طرف برطانیہ کی مشرقِ بعید کی فوجی چھاؤنیوں میں سرگرمی بڑھ گئی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ برطانیہ جاپان کے ارادوں سے بے خبر نہیں ہے اور اس خطرے کے مقابلہ کے لئے وہ بالکل تیار ہے۔

---

۲۵ راپریل ۱۹۴۱ء کو ٹوکیو میں روسی جاپانی غیر جانبداری کے معاہدے کی طرفین سے تصدیق ہوگئی اور تصدیق کے ساتھ ہی یہ معاہدہ نافذ ہوگیا۔ لیکن اس تصدیق کے بعد ہی ایک عجیب لطیفہ ہوا، یکم مئی ۱۹۴۱ء کو روس کی حکومت نے ایک اعلان شائع کردیا کہ کسی قسم کا سامانِ جنگ یا آلاتِ حرب کے حصے ٹکڑے یا پُرزے روس کے علاقہ سے کسی دوسرے ملک کو نہ گذر سکیں گے۔ البتہ خام اشیاء اس کے علاقہ سے گذر سکتی ہیں لیکن ان کے لئے بھی روس کی حکومت سے قبل از قبل اجازت لینی ہوگی، اس اعلان کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ روس کے علاقے سے جرمنی جاپان یا کسی اور ملک کو سامانِ جنگ نہیں بھیج سکے گا۔ اور نہ جاپان کی طرف سے خام اشیاء بغیر روسی حکومت کی اجازت کے جرمنی جا سکیں گی۔

اسی سلسلہ میں یہ عقدہ بھی کھلا کہ جاپان کے وزیر خارجہ نے برلن میں ہٹلر سے

یہ وعدہ کیا تھا کہ جاپان اپنے کچھ جنگی جہاز جرمنی کو بھیجدیگا اور جرمنی اُن کے معاوضہ میں کچھ ہوائی جہاز جاپان کو روانہ کردیگا۔ ہوائی جہاز یا اُن کے حصّے ظاہر ہے کہ روس ہی کے علاقے سے جاپان تک پہنچ سکتے تھے لیکن سویٹ روس کے اس اعلان کے بعد جرمنی کے لئے یہ ناممکن ہوگیا کہ وہ ہوائی جہاز جاپان تک پہنچا سکے۔ جاپان اگر چاہے تو اپنے جنگی جہاز جرمنی کو بھیج سکتا ہے، چنانچہ سوئٹ روس کے اس اعلان پر جہاں جرمنی نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے جاپان میں انتہائی غم وغصہ ظاہر کیا جارہا ہے۔

باب ۳۹

لیبیا میں برطانیہ پر اطالوی اور جرمن فوجوں کا متحدہ حملہ

یوگوسلاویہ میں انقلاب کے بعد یونان اور یوگوسلاویہ دونوں پر نازیوں کے فوری حملے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا اور اخلاقی طور پر برطانیہ کا یہ فرض ہوگیا تھا کہ وہ فوراً ان دونوں کی مدد کو پہنچے۔

یوگوسلاویہ سے اگرچہ حکومتِ برطانیہ کا کوئی معاہدہ نہیں تھا بلکہ انقلاب سے کچھ دنوں پہلے جب برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر ایڈن اور برطانوی فوجوں کے سپہ سالار مسٹر جان ڈل نے یوگوسلاویہ کی پہلی حکومت سے بلقان کی صورتِ حال اور جنگ کے امکانات پر گفتگو کرنی چاہی تھی تو اس حکومت نے اسے منظور نہیں کیا جس کے باعث مشرق قریب کے برطانوی جنرل اسٹاف اور یوگوسلاویہ کے جنرلوں کے درمیان یوگوسلاویہ کی مدافعت کا کوئی خاکہ پہلے سے تیار نہ ہوسکا تھا تاہم جب یوگوسلاویہ نے نازیوں کے عائد کردہ معاہدہ کی پابندی کرنے سے انکار کردیا اور اپنی آزادی کو بچانے کی خاطر تلوار اٹھانے پر آمادگی ظاہر کی تو پھر برطانیہ اور امریکہ کا بھی یہ اخلاقی فرض ہوگیا کہ اس آزمائش میں وہ یوگوسلاویہ کی بھی مدد کریں چنانچہ انقلاب کے فوراً بعد برطانیہ اور امریکہ نے جنگی سامان سے جلد سے جلد یوگوسلاویہ کی مدد کا اعلان کردیا ۔

لیکن یونان کی صورتِ حال اس سے مختلف تھی یونان برطانیہ کا حلیف تھا اٹلی کے اعلان جنگ کے بعد ہی سے برطانیہ برابر اسکی بھی مدد کرتا رہا تھا اور اس موقع پر جبکہ یونان پر

نازیوں کے حملے کا نیا خطرہ پیدا ہو گیا تھا برطانیہ کا یہ فرض ہو گیا تھا کہ جو امکانی فوجی مدد وہ یونان کی کر سکتا تھا اس سے دریغ نہ کرے ۔ لیکن اس نوبت پر یونان میں فی الفور برطانوی فوجیں پہنچانے کا سوال بہت ٹیڑھا تھا ۔ سوائے شمالی افریقہ کے برطانوی سلطنت کے کسی حصے سے برطانوی فوجیں اس قدر جلد یونان نہیں پہنچ سکتی تھیں کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے وہ اپنے مورچے سنبھال سکیں اور شمالی افریقہ سے فوجیں ہٹانے میں یہ خطرہ تھا کہ بن غازی اور لیبیا کی برطانوی قوت کمزور ہو جاتی تھی ۔ گویا ایک طرف لیبیا کی شاندار فتح کو قائم رکھنے کا سوال تھا اور دوسری طرف اپنے حلیف کی فوری مدد کا خیال ۔

اگر اس موقع پر یونان کی فوری مدد نہ کی جاتی تو یہ اندیشہ تھا کہ یونانی فوجیں جو پہلے ہی ایک زبردست دشمن سے دست و گریباں ہو رہی ہیں ایک ہفتہ بھی نازیوں کے ٹڈی دل کو نہ روک سکیں گی اور فوراً ہتھیار ڈال دیں گی ۔ جس کے باعث بلقان میں برطانیہ کی سب کی کرائی محنت اکارت ہو جائے گی ۔ اور دوسری طرف یہ خطرہ تھا کہ اگر لیبیا سے برطانوی فوجیں یونان بھیجی گئیں تو دشمن فوراً اس کمزوری سے فائدہ اُٹھائے گا ، اور طرابلس سے باہر نکل کر لیبیا کی برطانوی فوجوں پر حملہ کر دے گا جس کے باعث یہاں برطانیہ کی فتح شکست سے بدل جائے گی ۔

یہ مخمصہ تھا جس میں یونان پر نازی حملہ کا خطرہ پیدا ہوتے ہی برطانیہ گرفتار ہو گیا تھا ۔ لیکن اسے بہرحال لیبیا اور یونان میں سے کسی ایک کے متعلق فی الفور اپنا فیصلہ کرنا تھا چنانچہ دیر لگائے بغیر برطانیہ نے فیصلہ کر لیا اور لیبیا میں اپنی شاندار فتح کی بھینٹ دیکر اپنے حلیف کی مدد کے لئے لیبیا کی فاتح فوجیں یونان بھیجنی شروع کر دیں ۔

---

۳۱ مارچ ۱۹۴۱ء کو جزیرۂ کریٹ کے قریب برطانوی اور اطالوی بحری بیڑے میں جو ٹکر ہوئی تھی وہ ان ہی فوجوں کے بھرے ہوئے جہازوں کے سلسلہ میں

ہوئی تھی۔ اس دن یکایک اطالوی بحری بیڑے کو یہ پتہ چلا تھا کہ برطانیہ اپنی فوجیں بن غازی اور طبروق سے یونان بھیج رہا ہے اور کئی جہاز فوجوں سے بھرے ہوئے مشرقی بحیرۂ روم سے گزر رہے ہیں اس اطلاع کے ملتے ہی اطالوی بیڑہ حرکت میں آگیا اور اس نے ان جہازوں کا تعاقب کرنا شروع کر دیا لیکن کریٹ کے پاس پہنچتے ہی اطالوی بیڑے کی برطانوی بیڑے سے زبردست ٹکر ہوئی جس میں تین اطالوی جنگی جہاز ڈوب گئے اور باقیوں کو سخت نقصان پہنچا اور برطانوی جہازوں کا قافلہ فوجوں کو لیکر صحیح سلامت یونان پہنچ گیا۔

غرض حکومتِ برطانیہ اپنی فوجیں لیبیا سے نکالکر یونان پہنچا دینے میں تو کامیاب ہوگئی لیکن ان فوجوں کے لیبیا سے ہٹائے جانے کے بعد جو کمزوری وہاں پیدا ہوگئی تھی اسکو دور کرنے پر کسی طرح قادر نہ ہوسکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے ہی طرابلس کی جرمن[۵] اور اطالوی فوجوں کو یہ علم ہوا کہ لیبیا کی برطانوی فوجیں یونان چلی گئیں اُن کے زرہ پوش دستے فوراً طرابلس سے باہر نکل آئے اور بن غازی کو گھیر لیا۔ بن غازی کی برطانوی فوجیں اس چھاؤنی کا یہ حشر بہت دنوں سے دیکھ رہی تھیں۔

چنانچہ انہوں نے دشمن کے بن غازی پہنچنے سے پہلے پہلے ۳ اپریل ۱۹۴۱ء کو بن غازی خالی کر دیا اور طبروق تک پیچھے ہٹ آئیں۔

---

۵ کسی پچھلے باب میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ جنوری ۱۹۴۱ء سے جرمن فوجیں سسلی میں اُتاری جاتی رہیں اور سسلی سے برابر فرانسیسی سمندر کے کنارے کنارے طرابلس میں پہنچتی رہی تھیں انہی فوجوں نے وہاں پہنچکر اٹلی کی فوجوں کو نئے سرے سے منظم کر دیا اور موقع ملتے ہی طرابلس سے نکل کر لیبیا کی برطانوی فوجوں پر ہلہ بولدیا۔ (مولف)

لیبیا کے میدان کو اسطرح خالی پا کر طرابلس کی جرمن اور اطالوی فوجوں کے زرہ پوش دستوں نے ایک دوڑ لگائی ۳؍ اپریل کو انہوں نے بن غازی لے لیا ۸؍ اپریل کو برطانوی فوجوں سے ایک ہلکی سی جھڑپ کے بعد ڈرنہ پر قبضہ کر لیا اور ۱۲؍ اپریل کو یہ طبروق جا پہنچیں لیکن یہاں جرمنوں کو کامیابی نہیں ہوئی اسلئے کہ طبروق پر برطانوی فوجوں نے جرمنوں کے حملوں کو روکنے کے زبردست انتظامات کر رکھے تھے، جرمنوں نے اس ناکامی کے بعد طبروق پر اپنا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ چالیس میل کا چکر کاٹ کر بردیہ پہنچ گئے اندر بار دیہ کے بعد فوراً ہی سولم پر حملہ کر دیا لیکن یہاں بھی برطانوی فوجوں نے ان کا راستہ روک لیا اور یہ آگے نہ بڑھ سکے۔

طبروق اور سولم پر ٹینک اور ہوائی جہازوں کی مدد سے جرمنوں نے متعدد بار حملے کئے لیکن ہر بار انہیں نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ اسطرح جرمنوں کی پیش قدمی کو برطانی فوجوں نے روک دیا اور خود ان پر جوابی حملے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ حبش اور مشرقی افریقہ کے اطالوی مقبوضات فتح ہو چکے ہیں، یہاں کی فوجیں مصر کی طرف بھیجی جا رہی ہیں تا کہ جرمنوں سے لیبیا کے میدان میں لڑائی کا آخری فیصلہ کر لیں۔

سولم پر جرمنوں کے رُک جانے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہیں پیچھے سے کمک نہیں ملی دوسرے صحرا میں اُنکی مشینیں ویسا کام نہیں کر سکتیں جیسا کہ صاف زمین پر کرتی ہیں اگرچہ طرابلس سے سولم تک انہوں نے اپنی کمک کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیا ہے لیکن برطانوی ہوائی جہازوں اور طبروق کی قلعہ بند فوجوں نے یہ راستہ جرمن کمک کے لئے مخدوش بنا دیا ہے علاوہ اس کے خود اٹلی سے طرابلس تک خاطر خواہ سامان جنگ اور مزید جرمن فوجوں کا پہنچ جانا مشکل معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ برطانوی بحری بیڑہ لیبیا پر جرمنوں کے حملے کے بعد سے بحیرۂ روم میں نہایت سرگرمی سے طرابلس کے

ساحل کی نگرانی کر رہا ہے چنانچہ ۱۶ اپریل ۱۹۴۱ء کو فوجی سامان لے جانے والے پانچ اطالوی جہازوں کا ایک قافلہ تین اطالوی تباہ کن جہازوں کی حفاظت میں طرابلس کی بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا کہ برطانوی بیڑے نے اس پر حملہ کرکے محافظ تباہ کن جہازوں سمیت اس سارے قافلہ کو سمندر میں ڈبو دیا۔

اطالوی اور جرمن فوجیں اگرچہ باردیہ اور سولم کے درمیان پہنچ چکی تھیں لیکن لیبیا میں طبروق ابھی تک برطانوی فوجوں ہی کے ہاتھ میں تھا اور طبروق کی برطانوی فوجوں سے جرمنوں کی پیش قدمی کے راستہ میں ایک زبردست روک حائل ہو گئی تھی جرمنوں کی تحیلی فوج نے کئی مرتبہ طبروق پر ٹنکوں اور ہوائی جہازوں کی مدد سے حملے بھی کئے لیکن طبروق کی مدافعتی لائن توڑنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکی اسی طرح سولم کے محاذ پر جو برطانوی مدافعت کی لائن تھی وہ بھی بہت دنوں تک جرمن حملوں کے مقابل قائم رہی اور اسکی وجہ سے مصر کی طرف بظاہر جرمنوں کی پیشقدمی بھی رُک گئی لیکن ۲۶ اپریل کو جرمنوں اور اطالویوں زرہ پوش دستوں نے جنہیں اس عرصہ میں طرابلس سے فوجی کمک مل گئی تھی سولم پر پھر ایک زبردست حملہ کیا اور مصر کی سرحد میں بقدر ۵ میل آگے بڑھ آنے میں کامیاب ہو گئے۔ دوسرے دن ان جرمن زرہ پوش دستوں نے سولم فتح کر لیا لیکن اس سے آگے وہ پھر بھی قدم نہ بڑھا سکے اسلئے کہ برطانوی فوجیں اب زیادہ سرگرمی سے مقابلہ کر رہی تھیں اور پیچھے سے طبروق کی برطانوی فوجیں جرمنوں کے بڑھتے ہوئے کالموں پر دباؤ ڈال رہی تھیں چونکہ طبروق کی برطانوی فوجیں جرمنوں کے لئے اب بہت تکلیف دہ ہوتی جا رہی تھیں اسلئے انہوں نے مصر کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے طبروق کی برطانوی قلعہ بندیوں کو توڑ دینے کی طرف توجہ کی اور یکم مئی ۱۹۴۱ء کو کئی سو ٹنکوں اور

ہوائی جہازوں کی مدد سے طبروق پر ایک جما ہوا حملہ کیا اور طبروق کی بیرونی مدافعت کی لائن کو توڑ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن برطانوی فوجوں نے فوراً جوابی حملہ کیا اور جرمنوں کو کئی مقامات پر پیچھے دھکیل دیا اس جوابی حملے کے ساتھ ہی برطانوی اور جرمن فوجوں میں گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی اس لڑائی میں برطانوی فوجوں کے ساتھ برطانوی ہوائی جہاز اور برطانوی بحری بیڑہ بھی برابر کا حصہ لے رہا ہے ۔

شمالی افریقہ میں بلقان کی جنگ کے خاتمہ کے بعد سے برطانیہ کی پوزیشن زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتی جا رہی ہے ایک طرف آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی وہ فوجیں جو بن غازی سے یونان بھیجی گئی تھیں وہ شمالی افریقہ واپس آ گئی ہیں اور دوسری طرف حبشہ میں اطالوی فوجوں کے بچے کھچے دستوں کا صفایا کر کے جنوبی افریقہ کی فوج بھی شمالی افریقہ آنی شروع ہو گئی ہے حبشہ میں اڈس ابابا کی فتح کے بعد ڈسیہ امبا الاگی اور گنڈار کی اہم اطالوی چھاؤنیاں اور باقی رہ گئی تھیں جہاں سب طرف سے شکست خوردہ اطالوی فوجیں سمٹ سمٹ کر جمع ہو رہی تھیں ان میں ڈسیے کی فوجی چھاؤنی کو زیادہ اہمیت حاصل تھی اسلئے کہ اس چھاؤنی میں حبشہ کا اطالوی وائسرائے ڈیوک آف اوسٹا مقیم تھا۔ ڈیوک آف اوسٹا نے برطانوی کمانڈر جنرل کننگھم سے کچھ دنوں پہلے صلح کی گفتگو بھی کی تھی لیکن ڈیوک جن شرائط کے ماتحت ہتھیار ڈالنے چاہتا تھا اُسے برطانوی کمانڈر نے منظور نہیں کیا اسلئے لڑائی بدستور جاری رہی۔

ڈسیے پر ابتداءً اطالویوں نے جم کر جنوبی افریقہ کی فوجوں کا مقابلہ کیا اور کئی دن تک اپنے مورچے پر ڈٹے رہے لیکن بالآخر برطانوی فوجیں غالب آئیں، ڈسیے کا اطالوی مورچہ ٹوٹ گیا، ڈیوک آف اوسٹا ڈسیے سے امبا الاگی کی طرف فرار ہو گیا اور ڈسیے میں آٹھ ہزار اطالوی سپاہی برطانوی فوجوں کے

ہاتھ آئے۔

ڈیسیے کی اطالوی چھاؤنی کو چھین لینے کے بعد اب حبشہ میں اطالویوں کی قوت ٹوٹ چکی ہے امبا الاگی اور گنڈار کی فوجی چھاؤنیوں پر بھی اندازہ ہے کہ چند دنوں میں برطانیہ کا قبضہ ہو جائے گا اور حبشہ سے اطالویوں کو پوری طرح صاف کرنے کے بعد یہی فوجیں شمالی افریقہ کی مہم پر روانہ ہو سکیں گی۔

جنوبی افریقہ کے ہوائی جہاز جو حبشہ میں مصروف پیکار تھے ان کی بڑی تعداد اب شمالی افریقہ پہنچ چکی ہے اور امریکہ سے سامان جنگ کے جو جہاز یونان اور یوگوسلاویہ کی امداد کے لئے بھیجے گئے تھے وہ بھی بحیرۂ احمر کی بندرگاہوں میں پہنچ چکے ہیں اسطرح آہستہ آہستہ شمالی افریقہ میں جرمنی کے ساتھ ایک فیصلہ کن مقابلہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

اگرچہ جرمنی بھی برطانیہ کی ان تیاریوں سے بے خبر نہیں معلوم ہوتا اور وہ بھی اپنی شمالی افریقہ کی فوجوں کو کمک اور سامان جنگ بھیجنے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے لیکن اسکی کوششوں کی کامیابی کے امکانات نہایت مشتبہ ہیں اسلئے کہ شمالی افریقہ کو کمک بھیجنے میں جرمنی کے لیے جو دقتیں ہیں ان کو دور کرنا اس کے لئے آسان نہیں۔ بحیرۂ روم کا وہ حصہ جس میں سے ہو کر جرمن جہازوں کو لیبیا کی بندرگاہوں پر پہنچنا پڑتا ہے اسپر برطانوی بحری بیڑے کی کڑی نگرانی ہے۔ اس نگرانی سے بمشکل پچاس فیصدی جرمن جہاز بچکر نکلتے ہیں اور ان بندرگاہوں تک جو جہاز پہنچ بھی جاتے ہیں ان پر سے سامان جنگ اُتار کر صحرا کے راستے لیبیا کی جرمن فوجوں تک اسے پہنچانا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جرمن فوجیں تین ہفتے سے زیادہ ہو گئے اب تک طبروق فتح نہ کر سکیں۔ اور نہ سولم سے

ایک قدم آگے بڑھا سکیں۔

اپنی فوجوں کو کمک بھیجنے میں جو دقتیں اس وقت جرمنی کو پیش آرہی ہیں ان کا ایک علاج تو جرمنی کے پاس یہ ہے کہ وہ ترکی پر حملہ کردے اور ترکی سے شام اور فلسطین ہوتا ہوا سوئز پہنچ جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ فرانس کو راضی کرکے فرانسیسی مراکش سے فوجی کمک لیبیا بھیجے کیونکہ بحیرۂ روم کے اس حصہ میں برطانوی بیڑے کا زور وہ نہیں ہے جو مشرقی بحیرۂ روم میں ہے۔ یہاں جرمن فوجیں بغیر کسی نقصان کے آسانی سے اُتاری جاسکتی ہیں اور غالباً یہی آخرالذکر صورت جرمنی اختیار کرنا چاہتا ہے جو اس نے پھر فرانس سے گفتگو شروع کردی ہے، اور ایک اطلاع کے بموجب فرانس اور جرمنی میں ایک سمجھوتہ بھی ہوگیا ہے جس کی رُو سے جرمنی نے فرانس کے تاوانِ جنگ میں ۲۵ فیصدی کی کمی کردی ہے اور مقبوضہ اور غیر مقبوضہ فرانس کے درمیا[ن] رسل و رسائل کی آسانیاں بھی منظور کرلی ہیں، یہ ساری سہولتیں فرانس کو کن رعایتوں کے بدلے دی گئیں اس کے متعلق ابھی تک خبر رساں ایجنسیاں خاموش ہیں ظاہر ہے کہ جرمنی خواہ مخواہ فرانس کو اسقدر رعایتیں نہیں دے سکتا کچھ نہ کچھ معاوضہ ان رعایتوں کا ضرور طے ہوا ہے لیکن اسے ابھی ظاہر نہیں کیا گیا تاکہ کسی طرف سے اسکی مخالفت نہ ہو، اندازہ یہ ہے کہ جرمنی نے ان رعایتوں کے بدلے فرانس سے مراکش اور الجزائر کی بندرگاہوں پر قبضہ اور فرانسیسی علاقہ سے اپنی فوجوں کو لیبیا کی طرف گذرنے کا راستہ مانگا ہے۔ فرانس سے جرمنی کا یہ مطالبہ نیا نہیں بہت دنوں سے وہ فرانس کو طرح طرح کے لالچ دیکر یہ رعایتیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے لیکن اب تک مارشل پیتاں جرمنی کے ان مطالبات کو برابر ٹالتا رہا اور اپنی طرف سے یہی کوشش کرتا رہا کہ فرانس کو کسی حیثیت سے برطانیہ کے خلاف صف آرا نہ ہونا پڑے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ مارشل پیتاں کس حدتک اپنے انکار پر قائم رہ سکتا ہے

اسلئے کہ پہلے وشی کی حکومت میں "پیری لاوال" تھا جو برابر مارشل پتیان کو جرمنی سے ہر قیمت پر سمجھوتہ کر لینے کا مشورہ دیتا رہا اور اب "ایڈمیرل ڈارلان" ہے جو مارشل کو مجبور کر رہا ہے کہ جرمنی سے اشتراکِ عمل کرلے۔ بہرحال ابھی فرانس اور جرمنی میں چونکہ گفت وشنید جاری ہے اسلئے اس کے نتیجہ کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی لیکن یہ ضرور ہے کہ اگر اس موقع پر مارشل پتیان جرمنی کے آگے جھک گیا اور مراکش کی بندرگاہیں اس نے جرمنی کے حوالے کر دیں تو لڑائی کا رُخ مشرق کے بجائے مغرب کی طرف پھر جائے گا۔ جرمنی سوئز کے بجائے پہلے جبرالٹر کو سنبھالنے کی کوشش کریگا اور یہاں سے وہ لیبیا میں زیادہ سے زیادہ جرمن فوجیں بھیجکر مصر کے ذریعہ سوئز پر چڑھائی کرنے کا انتظام کریگا۔ جہاں تک مراکش میں جرمن فوجوں کے پہنچانے کا تعلق ہے جرمنی کو بلا شبہ سہولت ہوگی لیکن لیبیا کی برطانوی فوجوں کو شکست دینا اس کے لئے آسان نہیں اس وقت جنرل ویول کی قیادت میں تقریباً ۵ لاکھ فوج مصر میں پڑی ہوئی ہے اور برابر اس فوج کو کمک بھی پہنچ رہی ہے جب تک ویول کی فوجوں کے مقابلہ کے لئے جرمنی غیر معمولی اہتمام نہ کریگا موسم بہار تک یہ مہم وہ سر نہ کر سکے گا۔

باب ۴۰

یوگوسلادیہ اور یونان کی شکست

انقلاب کے بعد یوگوسلادیہ کی نئی حکومت ابھی اچھی طرح سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ ہٹلر نے یوگوسلادیہ اور یونان دونوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا اور ساتھ ہی جرمنوں کے زرہ پوش دستوں نے ۶ر اپریل ۱۹۴۱ء کو یوگوسلادیہ اور یونان پر ایک ساتھ چڑھائی شروع کردی۔

جنرل سیما وچ کی حکومت نے دراصل اپنے برسر اقتدار آتے ہی سب سے زیادہ دوسرے ممالک سے اپنے تعلقات ہموار کرنے پر توجہ دی تھی ان ممالک میں پہلا نمبر جرمنی کا تھا جس کے متعلق جنرل سیما وچ نے اپنی حکومت کی پالیسی میں یہ احتیاط ملحوظ رکھی تھی کہ اسے کسی عنوان یوگوسلادیہ سے شکایت کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن ویانہ کے معاہدے کو "ٹال جانے" کے بعد ہٹلر جنرل سیما وچ اور اُن کی حکومت پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ جرمنی کو لبھانے کی سعیٔ ناکام کے بعد اس نئی حکومت نے سویٹ روس کی طرف توجہ کی، بلقان کے متعلق سویٹ روس کی پالیسی بہرحال ظاہر ہو چکی تھی اس موقع پر جنرل سیما وچ اس سے فائدہ اٹھا کر یوگوسلادیہ کے لئے روس کا سہارا حاصل کرنا چاہتا تھا چنانچہ یوگوسلادیہ اور سویٹ روس کے نمائندوں کے درمیان فوراً ایک دوستانہ معاہدے کی

گفت وشنید شروع ہو گئی اور بہت جلد یہ سارے مراحل طے کر کے یوگوسلاویہ کی حکومت آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے اور جنگ کی صورت میں آپس کے تعلقات دوستانہ اور ہمدردانہ رکھنے کا ایک معاہدہ روس کے ساتھ طے کر لینے میں کامیاب ہو گئی لیکن واقعات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس دن روس اور یوگوسلاویہ کے درمیان اس قسم کے معاہدے کا اعلان ہوا اسی دن صرف چند گھنٹوں کے فصل کے ساتھ ہٹلر نے یوگوسلاویہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

روس اور یوگوسلاویہ کے اس معاہدے سے دنیا کو موجودہ جنگ کے متعلق اسٹالن کی پالیسی کو سمجھنے کا ایک اور موقع ملا۔ ابتداءً یہ خیال تھا کہ شاید روس جرمنی کو دھمکائے اور یوگوسلاویہ میں قدم بڑھانے سے اسکو روک دے لیکن یوگوسلاویہ پر جب نازیوں کے حملے شروع ہو جانے کے بعد بھی روس کچھ نہ بولا تو خیال ہوا کہ شاید روس یوگوسلاویہ کی سامان جنگ سے مدد کرے اور اسکی اخلاقی ہمدردیاں اسکے ساتھ رہیں لیکن جب اسکا بھی وقت گذرتا گیا اور سوئٹ روس نے یوگوسلاویہ سے معاہدہ کر لینے کے بعد اُلٹ کر کروٹ بھی نہیں لی، تو دنیا کو یقین ہو گیا کہ روس اور یوگوسلاویہ کا معاہدہ محض برائے بیت تھا[۵]۔

---

۵ اگرچہ روس اور یوگوسلاویہ میں یہ سمجھوتہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے اور جنگ کی صورت میں آپس میں ہمدردی قائم رکھنے کے متعلق تھا ایک دوسرے کی مدد کرنے کے متعلق نہ تھا تاہم روس کے انداز کو دیکھتے ہوئے یہ خیال تھا کہ روس اخلاقی طور پر یوگوسلاویہ کی ضرور مدد کریگا۔ یا کم سے کم جرمنی کو یوگوسلاویہ کے خلاف ایسا اقدام کرنے سے روکے گا۔ جس سے اسکی آزادی معرضِ خطر میں پڑ جائے۔ (بقیہ صفحہ ۲۸۲ پر)

اس موقعہ پر یوگوسلاویہ کو اکیلا ہی جرمنوں کے مقابل ہونا پڑیگا۔

اگرچہ نازیوں کی بے پناہ جنگی تیاریوں کے مقابلہ میں یوگوسلاویہ تقریباً نہتا تھا تاہم وہ نازیوں کے آگے سر خم کرنے کے عوض لڑ کر اپنی جان دیدینے پر آمادہ ہو گیا۔ ابتداءً یوگوسلاویہ کی فوجوں نے حملہ آور نازیوں کا انتہائی جی داری سے مقابلہ کیا اور تقریباً ہر محاذ پر انہوں نے جرمنوں اور اطالویوں کے حملے روک لئے۔ لیکن مقابلہ برابر کا تھا، فوجوں کی تعداد اور آلاتِ جنگ دونوں حیثیتوں سے جرمنی کو یوگوسلاویہ پر فوقیت حاصل تھی اور بغیر کسی امداد کے یوگوسلاویہ کی فوجوں کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ تنہا اس نازی سیلاب کو روک لیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہونے کے ایک ہی ہفتہ کے اندر اندر یوگوسلاویہ کی مدافعت کمزور پڑ گئی فوجوں کا شیرازہ بکھر گیا اور لڑنے والے دستوں کا آپس میں تعلق ٹوٹ گیا۔

یوگوسلاویہ کی لڑائی میں نازیوں نے ایک اور نازیبا حرکت یہ کی کہ یوگوسلاویہ کے پایۂ تخت "بلغراد" پر جسے جنگ شروع ہونے سے تین دن پہلے ہی یوگوسلاویہ کی حکومت نے "نہتا شہر" قرار دیدیا تھا جنگ کے دوران میں دو مرتبہ نہایت شدید بمباری کی جس میں تقریباً بیس ہزار شہریوں کی جانوں کا نقصان ہوا اور سارا شہر راکھ اور خاک کا ڈھیر بن گیا۔ اس بمباری کے بعد شاہ پیٹر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۱) لیکن روس نے یہ کچھ نہیں کیا بلکہ دورانِ جنگ میں نہ روس نے کسی ہمدردی کا اظہار کیا اور نہ یوگوسلاویہ کو اس نے کوئی اخلاقی امداد دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سربیوں اور سلوینوں کے دل روس کی طرف سے سرد پڑ گئے اور روس کے لئے بلقان میں اپنا اثر قائم رکھنے کا موقع ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاتا رہا۔ (مولف)

اور اُن کی حکومت نے بلغراد چھوڑ دیا اور اندرونی علاقے سے دشمن کا مقابلہ جاری رکھا لیکن جب یوگوسلاوی فوجوں کی قوتِ مدافعت بھی ٹوٹ گئی تو شاہ پیٹر اور ان کی حکومت پہلے "ایتھنز" (یونان کے پایۂ تخت) اور بعد میں ایتھنز سے "بیت المقدس" روانہ ہو گئی۔ بیت المقدس روانہ ہونے سے پہلے شاہ پیٹر کی حکومت نے برطانیہ کو یہ وعدہ دیا کہ وہ آخر دم تک جرمنوں سے لڑتی رہیگی۔

اسطرح اگرچہ یوگوسلاویہ میں نازیوں کا باقاعدہ مقابلہ ختم ہو گیا لیکن یوگوسلاویہ کی حکومت نے ہتھیار نہیں ڈالے اور نہ یوگوسلاوی حکومت نے صلح کی درخواست کی۔ بلکہ باقاعدہ مدافعت ختم ہو جانے کے بعد بھی پہاڑوں میں نازیوں سے مقابلہ جاری رکھا۔

دوسری نازیبا حرکت اس جنگ میں ہنگری کی طرف سے سرزد ہوئی اوّل تو اُس نے نازیوں کو اپنے ملک سے گذر کر یوگوسلاویہ پر حملہ کرنے کی اجازت دیدی اور اس کے بعد عین اس وقت جبکہ یوگوسلاوی "قطار مدافعت" نازیوں کے مقابلہ میں جھکتی جا رہی تھی ہنگری کی حکومت نے نازیوں کے اشارے پر اپنی فوجیں ہنگرین اقلیت کی حفاظت کے بہانے یوگوسلاویہ کے شمال میں بھیجدیں اور اس سارے علاقہ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا جس میں ہنگرین آباد تھے۔

معلوم ہوتا ہے ہٹلر نے یہ تجویز بہت پہلے سے ہنگری کی حکومت کے آگے پیش کر رکھی تھی اور اسپر ہنگری کی حکومت کے بعض ممبروں کو اختلاف بھی ہُوا تھا یا کم سے کم ہنگری کے وزیر اعظم نے ہٹلر کی اس تجویز کو پسند نہیں کیا تھا۔ چنانچہ کونٹ ٹیلیکی (ہنگری کے وزیر اعظم) نازیوں کے اس دباؤ کو

برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے ۳ اپریل ۱۹۴۱ء کو خودکشی کر لی۔ ان کے خودکشی کرنے کے بعد جو حکومت بنی اس نے بے چون وچرا نازیوں کے آگے سر خم کر دیا نہ صرف نازیوں کے اپنے ملک میں جمع ہونے پر اعتراض نہ کیا بلکہ ہنگری سے گذر کر یوگوسلاویہ پر بھی حملہ کرنے کی اجازت دیدی۔

ہنگری کی اس حرکت کو سوئٹ روس نے بھی پسند نہیں کیا اور اس نے ہنگری کے سفیر کے ذریعہ ہنگری کی حکومت پر بھی اپنی ناراضی کا اظہار کر دیا لیکن اس موقع پر ہنگری کا عذر چونکہ بالکل وہی تھا جو خود سوئٹ روس نے پولینڈ پر حملہ کرتے وقت کیا تھا[۵]۔ اسلئے سوئٹ روس کے اعتراض کو کسی حیثیت سے بھی کوئی وقعت حاصل نہ ہو سکی۔

یوگوسلاویہ کی باقاعدہ مدافعت کے ختم ہوتے ہی نازیوں نے "کروٹ" کا علاقہ یوگوسلاویہ سے علیحدہ کر لیا اور ۱۶ اپریل ۱۹۴۱ء کو وہاں ایک نئی حکومت قائم کر دی اور ڈاکٹر پاویلچ کو اس نئی کروٹ حکومت کا صدر منتخب کیا۔ یہی وہ ڈاکٹر

---

[۵] سوئٹ روس نے پولینڈ پر حملہ کرتے وقت یہ عذر تراشا تھا کہ پولینڈ کی جائز حکومت جس سے سوئٹ روس کا معاہدہ تھا وہ باقی نہیں رہی اور پولینڈ میں چونکہ ابتری اور پراگندگی پیدا ہو گئی ہے اسلئے سوئٹ روس کا یہ فرض ہو گیا ہے کہ وہ یوکرین کے روسیوں کی حفاظت کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائے۔ بالکل اسی طرح کا اعلان یوگوسلاویہ کے بارے میں ہنگری نے کیا ظاہر ہے کہ روس جس حرکت کو اپنے لئے جائز قرار دے سکتا ہے اسی حرکت کو دوسروں کے لئے ناجائز قرار دینے کا اُسے حق نہیں پہنچ سکتا یہی وجہ تھی کہ یوگوسلاویہ کے معاملہ میں سوئٹ روس کا اعتراض باد ہوا ثابت ہوا اور ہنگری نے اسے ذرہ برابر بھی وقعت نہیں دی۔ (موئف)

پاوٗلچ تھے جو ابتدا ہی سے نازیوں کا ساتھ دے رہے تھے اور جب شاہ پیٹر نے برسر اقتدار آکر یوگوسلاویہ کی نئی حکومت بنائی تھی تو انہوں نے اس حکومت کی طرف سے کروٹوں میں بے اطمینانی پیدا کرنے کے سلسلے میں نازیوں کے پروپگنڈے کو خوب خوب ہوا دی تھی چنانچہ یوگوسلاویہ کے خاتمہ کے بعد ان کی ذاتی خدمتوں کا اس طرح بدلہ کر دیا گیا کہ وہی کروٹ ریاست کے پریسیڈنٹ بنا دیے گئے۔

کروٹ کے صوبے کو علیحدہ کرنے کے بعد بقیہ یوگوسلاویہ کے حصے بخرے کرنے کا سوال پیدا ہوا اس مال غنیمت میں جرمنی کے علاوہ رومانیہ بلغاریہ ہنگری اور اٹلی کا بھی حصہ تھا چنانچہ ان میں آپس میں تقسیم کے متعلق گفت وشنید بھی ہوئی لیکن بعد میں بعض علاقوں کے متعلق اختلافات کو دیکھ کر اس تقسیم کو ہٹلر کی ہدایت کے مطابق کچھ دنوں کے لئے ملتوی کر دیا گیا شاید یہ خیال ہوا کہ یونان کی قوت مدافعت بھی ٹوٹ جائے تو پھر یوگوسلاویہ اور یونان دونوں کو ملا کر ایک ساتھ آپس میں تقسیم کر لیا جائے۔

یوگوسلاویہ کے ساتھ ہی یونان پر بھی جرمنوں نے چڑھائی کر دی تھی اور ان کا پہلا حملہ بلغاریہ کی سرحد پار کر کے مغربی تھریس پر ہوا تھا ابتداءً تھریس کی یونانی فوجوں نے اس حملے کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور جرمنوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جرمن ٹڈی دل کا جو تعداد میں ان سے دس گنا اور جدید آلات حرب کے اعتبار سے افضل و بہتر تھا تھریس کی یونانی فوجوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ لڑائی چھڑنے کے صرف ۴۸ گھنٹے بعد تھریس کی یونانی فوجیں پیچھے ہٹ جانے پر مجبور ہوئیں۔ حکومت یونان نے سارا تھریس خالی کر دیا اور جرمنوں نے ۹ر اپریل ۱۹۴۱ء کو تھریس کا اہم ترین بندرگاہ "سلونیکا" پر قبضہ کر لیا۔

تھریس سے ہٹ کر یونانی فوجوں نے مقدونیہ میں مورچے بنا لئے اور برطانوی فوجوں نے اولمپس پہاڑ سے البانیہ کی سرحد تک ایک زبردست قطار مدافعت قائم کرلی۔

مقدونیہ میں جرمنوں کو پہلے پہل کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی لیکن یوگوسلاویہ کا محاذ ٹوٹ جانے کے باعث جرمن فوجوں کو موقع مل گیا کہ وہ یوگوسلاویہ کے جنوب سے بھی یونان پر دباؤ ڈالیں اور مقدونیہ کی یونانی فوج کو گھیرے میں لے لیں جرمن فوجوں کے ساتھ ساتھ اطالوی فوجیں بھی برابر یونانیوں پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتی رہیں اب تک اُن کا کوئی جوابی حملہ کامیاب نہ ہوسکا تھا لیکن جرمنی کے حملے کے بعد یونانی فوجوں کی توجہ بٹ گئی اور "ایپرس" کے علاقہ میں اطالویوں کا دباؤ بھی یونانیوں کو محسوس ہونے لگا۔

سالونیکا پر جرمن قبضہ کے بعد ترکی پر بھی جرمنی کی زد پڑنے لگی تھی لیکن ترکی نے اب بھی جرمنی کے خلاف اعلان جنگ نہیں کیا۔ اس موقع پر ترکی کا استدلال یہ تھا کہ اگر بلقان میں ترکی فوجیں بھیجدی گئیں اور حالات اس کے بعد بھی اتحادیوں کے حق میں نہ پیدا ہوئے تو پھر درۂ دانیال اور مشرق قریب کے لئے جرمنوں کو راستہ کھلا ہوا مل جائے گا اور انہیں روکنے والا کوئی نہ ہوگا برخلاف اس کے اگر ترکی فوجیں بلقان میں نہ بھیجی جائیں تو بہرحال درۂ دانیال اور مشرق قریب کی حفاظت کا کچھ نہ کچھ اہتمام ہوسکے گا۔ اس استدلال کو، برطانیہ نے تسلیم کیا ہو یا نہ کیا ہو ترکی کے اس فیصلہ سے بلقان میں برطانیہ اور یونان کا پلہ بہت سبک ہوگیا اور جرمنوں کی کامیابی کا امکان بڑھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ نے اس محاذ پر جرمنوں سے مقابلہ کے

سلسلہ میں ترکوں پر زیادہ حصر کیا تھا ان کا خیال تھا کہ اگر جرمن ٹڈی دل نے بلقان کا رُخ کیا تو یوگوسلاویہ، یونان، اور ترکی کی متحدہ قوت اس کو روک لینے میں کامیاب ہو جائے گی اور برطانیہ اپنی فوجیں یونان میں اُتارنے کی زحمت سے بچ جائے گا۔ کیونکہ اس علاقے میں اوّل تو برطانوی فوجیں اسقدر تعداد میں تھیں ہی نہیں جو جرمنوں کا اچھی طرح مقابلہ کر سکتیں اور تھوڑی بہت جو تھیں بھی وہ شمالی اور مشرقی افریقہ میں اطالویوں سے برسرِ پیکار تھیں اُنہیں وہاں سے ہٹایا نہیں جا سکتا تھا لیکن ترکی کے اس فیصلے کے بعد برطانیہ کو اپنے بنائے ہوئے جنگی نقشہ میں دوبارہ ترمیم کرنی پڑی اور یونان کی مدد کے لئے شمالی افریقہ کی آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی فوجیں فوراً یونان بھیجنی پڑیں۔ اس سے کسی حد تک یونان کی اشک شوئی ضرور ہو گئی لیکن اس کے ساتھ ہی شمالی افریقہ کا محاذ دشمن کے لئے کھُل گیا۔ اور اس نقصان کے باوجود بلقان میں جرمنوں کے مقابلہ کا وہ سامان نہ ہو سکا جو ترکی کے جنگ میں شامل ہو جانے کے بعد ہو سکتا تھا۔

یونان میں برطانوی اور یونانی فوجوں نے جو مورچے سنبھال رکھے تھے اُن پر جرمنوں کا دباؤ برابر بڑھتا جا رہا تھا اسلئے برطانوی فوجوں نے اور پیچھے ہٹ کر اپنے مورچے بنا لئے لیکن مقدونیہ اور ایپیرس کی یونانی فوجوں کو جرمنوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے باعث کامیابی سے پیچھے ہٹ جانے کا موقع نہ مل سکا۔ مقدونیہ کی کچھ یونانی فوجیں جرمنوں نے گھیر لیں اور ایپیرس کی یونانی فوجوں نے جرمن اطالوی دباؤ کی تاب نہ لا کر ہتھیار ڈال دیئے۔

ایپیرس کی فوجوں نے چونکہ اپنی حکومت سے مشورہ کئے بغیر جرمنوں کے آگے ہتھیار ڈالے تھے اسلئے یونانی حکومت نے اس کارروائی کی ذمہ داری

قبول کرنے سے انکار کردیا اور جرمنوں سے لڑائی بدستور جاری رکھی۔ لیکن چونکہ اولمپس کے مورچے سے برطانوی اور یونانی فوجوں کے ہٹ آنے کے باعث جرمن پایہ تخت کے قریب پہنچ گئے تھے اسلئے یونان کے بادشاہ جارج معہ اپنی حکومت اور ولی عہد کے ایتھنز سے جزیرہ کریٹ چلے گئے تھے اور اعلان کردیا کہ یہی جزیرہ لڑائی کے اختتام تک یونان کا پایہ تخت رہیگا۔

یونانی حکومت کے ایتھنز سے چلے آنے کے بعد بھی جنگ جاری رہی لیکن یہ جنگ نہیں تھی بلکہ جرمن حملہ آوروں کو روک کر برطانوی فوجوں کو یونان سے نکال لانے کی کوشش تھی اسلئے کہ اب یونان میں ان چند یونانی دستوں کو علیحدہ کرکے جنہوں نے دشمن کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے تھے، صرف ساٹھ ہزار برطانوی فوج رہ گئی تھی اور اس مختصر سی فوج سے کسی طرح توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ جرمن ٹڈی دل کو کامیابی سے روکا جاسکتا ہے چنانچہ خود یونان کی حکومت نے بھی برطانوی حکومت کو یہ اجازت دیدی کہ برطانیہ کی جو فوجیں یونان کی مدد کو آئی تھیں ان سے اب یونان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اسلئے انہیں یونان سے ہٹا کر کسی اور محاذ پر بھیجدے اس سمجھوتے کے بعد برطانوی فوجیں یونان سے ہٹائی جانے لگیں۔ یونان کی مدد کو صرف ساٹھ ہزار آسٹریلین[۵] اور نیوزی لینڈرس بھیجے

---

[۵] یونان کی مدد کو جو ساٹھ ہزار فوج بن غازی سے یونان بھیجی گئی تھی اس میں زیادہ تر آسٹریلیا کے دستے شامل تھے، ان آسٹریلین دستوں کو یونان بھیجنے کے خلاف کچھ دنوں پہلے آسٹریلیا میں ایک تحریک اٹھی تھی اگرچہ اس تحریک کا مفہوم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا کہ آسٹریلیا والوں نے اپنے سپاہیوں کی سلامتی کے متعلق پریشانی کا اظہار کیا تھا لیکن جرمنوں نے اس تحریک کے حوالے سے آسٹریلیا
(باقی صفحہ ۲۸۹ پر)

گئے تھے ان میں سے ۳۰ اپریل ۱۹۴۱ء تک ۴۳ ہزار صحیح سلامت یونان سے نکال کر اسکندریہ پہنچا دیئے گئے تین ہزار سپاہی یونان میں کھیت رہے یا زخمی ہوئے پاسنو کے قریب سمندر کے نذر ہوئے اور تقریباً بارہ ہزار یونان ہی میں رہ گئے ان کے مقابلہ میں مسٹر چرچل وزیر اعظم انگلستان کے بیان کے مطابق اس جنگ میں جرمنوں کا ۷۵ اور ۸۰ ہزار کے درمیان سپاہیوں کا نقصان ہوا

شاہ یونان کے ایتھنز سے چلے جانے کے بعد جرمنوں کی سرپرستی میں وہاں ایک حکومت قائم ہوگئی اور اس حکومت کا صدر "ایپرس" کی فوجوں کا وہ جنرل بنایا گیا جس نے جرمنوں اور اطالیوں سے صلح کی درخواست کی تھی اور اپنی فوج سمیت جرمنوں کے آگے ہتھیار ڈالدیئے تھے۔

لیکن اس نئی حکومت کے قیام کا شاہ جارج اور اُن کی حکومت پر کوئی اثر نہیں پڑا انہوں نے جرمنوں اور اطالیوں سے جنگ جاری رکھنے کا اعلان کردیا اور جزیرہ کریٹ میں اپنے بچاؤ کے انتظامات مکمل کرلئے چنانچہ اس وقت کریٹ میں جو بری، بحری اور فضائی قوت برطانیہ اور یونان کی موجود ہے ان سب کے کمانڈر نیوزی لینڈ کے کمانڈر انچیف "میجر جنرل فرے برگ" مقرر کئے گئے ہیں اور

(بقیہ صفحہ ۲۸۹) برطانیہ میں اختلاف پیدا ہو جانے کا پروپیگنڈا کیا اور اُسے خوب خوب ہوا دی لیکن خود آسٹریلیا کی حکومت نے جرمنی کی اس افواہ کی تردید کردی اور اب جبکہ یونان سے آسٹریلین فوجیں بہت ہی معمولی نقصان کے ساتھ واپس اسکندریہ پہنچ چکی ہیں وہ تحریک بھی جو اظہار پریشانی کے لئے آسٹریلیا میں اُٹھی تھی۔ ختم ہوگئی۔ (مولف)

یونان کے بحری بیڑے کو جو تقریباً ۲۰ لاکھ ٹن کا تھا برطانیہ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اس طرح اگرچہ یونان کو جرمنوں نے فتح کر لیا لیکن لڑائی بدستور باقی رہی۔ اور یونانی بحری بیڑے کے برطانیہ کے ہاتھ پڑ جانے کے باعث جرمنی کو اس علاقے کیطرف سے وہ اطمینان حاصل نہ ہو سکا جو وہ چاہتا تھا یونان کے ساتھ یوگوسلاویہ کے بحری جہاز بھی چونکہ برطانیہ ہی کے ہاتھ آئے تھے اسلئے بحیرۂ روم میں برطانیہ کی قوت کو اس سے بڑی تقویت پہنچی اور اٹلی اور جرمنی کے لئے بحری مشکلات بہت بڑھ گئیں۔

یونان اور یوگوسلاویہ کی لڑائی ختم ہو گئی اب جرمنی کس طرف کا رُخ کریگا؟ یہ سوال ہے جس پر اس وقت عام طور پر قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں، ایک خیال یہ ہے کہ جرمنی ترکی پر حملہ کریگا اور ترکی کے راستے عراق اور ایران کے تیل کے چشموں پر قبضہ کر لیگا اور سوئز پر چڑھائی کر دیگا، دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ روس پر حملہ کریگا اور یوکرین کے زرخیز میدانوں اور باکو کے تیل کے چشموں کو اپنا نشانہ بنائیگا۔

ترکی پر اگر جرمنی نے حملہ کر دیا تو روس کی پوزیشن کیا ہوگی؟ اب تک سویٹ روس جس پالیسی پر عمل کرتا رہا ہے اس کے پیش نظر توقع نہیں کی جاسکتی کہ روس ترکی کی فوجی مدد کریگا اگرچہ درۂ دانیال سے روس کو گہرا تعلق ہے اور اس اہم مرکز کے جرمنوں کے ہاتھ میں چلے جانے کے باوجود وہ غالباً جرمنوں کے خلاف ترکی کی حمایت میں کوئی اقدام نہ کریگا اور اس اجتناب کی باعث خود اس کی اپنی فوجی کمزوریاں ہیں۔ البتہ وہ سامانِ جنگ سے ترکی کی مدد کر سکتا ہے لیکن یہ ابھی مشتبہ ہے کہ برطانیہ اور روس سے سامانِ جنگ ملنے کے باوجود ترک جرمن ٹڈی دَل کو موسم بہار کے ختم تک اپنی سرحدوں پر روک بھی سکینگے۔

رہا روس پر جرمن حملے کا امکان یہ بھی اسی قدر قوی ہے جسقدر ترکی پر جرمن حملے کا اندیشہ ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت جرمنی کی بڑی طاقت اسقدر بے پناہ ہوگئی ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ فن لینڈ سے بسر بیا تک کے لمبے مورچے پر روس کو دبا سکتا ہے اور سوویٹ روس آسانی کے ساتھ جرمن حملوں سے اپنی سرحدات کی حفاظت نہیں کر سکتا ۔

اس میں شک نہیں کہ روس کے پاس جدید ترین آلاتِ جنگ کی کمی نہیں اور نہ سپاہیوں کا توڑا ہے لیکن جو کمزوری ہے وہ یہ ہے کہ روس میں اچھے اور تجربہ کار جنرل نہیں ہیں اور نہ تربیت یافتہ سپاہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ فن لینڈ جیسی حقیر ریاست کو تین مہینے میں بھی پوری طرح فتح نہ کرسکا بلکہ فن لینڈ میں روس کو جو کامیابی ہوئی وہ اپنے سپاہیوں کی زیادتی اور سامانِ جنگ کی بہتات کے باعث ہوئی لیکن جرمنی کے مقابلہ میں سوویٹ روس کا سامانِ جنگ اور سپاہیوں کی بہتات کام نہیں دے سکتی، اصلی چیز جنگ کی صلاحیت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جرمن اس بارے میں روسیوں سے بہت آگے ہیں ۔

بہرحال جرمنی کے آئندہ پروگرام میں اگر روس یا ترکی دونوں میں سے کوئی ایک بھی شامل ہوا تو اندازہ یہ ہے کہ اس موسم بہار میں جنگ کا قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا اور آئندہ موسمِ بہار تک جرمنوں کے لئے وہ موقع باقی رہ نہیں سکتا جو اس وقت اُنہیں ملگیا ہے ۔

باب ۴۱

عراق میں انقلاب اور برطانیہ کیلئے نئی مشکلات

اسی دوران میں عراق میں ایک غیر معمولی واقعہ پیش آگیا عراق کے وزیراعظم طہا الہاشمی نے عراق کے قوم پرست لیڈروں سے اختلافِ خیال کے باعث اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیا۔

عراق کے ریجنٹ امیر عبداللہ[۵] بغداد سے باہر دورے پر تھے انہوں نے طہا الہاشمی کا

---

۵ عراق کے پہلے بادشاہ فیصل بن حسین تھے اُن کے انتقال (۲ ستمبر ۱۹۳۳ء) کے بعد اُن کا لڑکا شاہ غازی تخت نشین ہوا اپریل ۱۹۳۹ء میں شاہ غازی کو موٹر کا حادثہ پیش آیا اور یہی لڑکا ملک بقا ہو گیا ان کی جگہ ان کا لڑکا فیصل دوم کے نام سے عراق کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا، لیکن شاہ غازی کے انتقال کے وقت اس کی عمر صرف ۵ برس کی تھی، شاہ غازی مرحوم کے چچا علی جو فیصل دوم کے نانا بھی ہوتے تھے ان کے ریجنٹ مقرر ہوئے اور علی کے بعد اُن کے لڑکے امیر عبداللہ جو خورد سال شاہِ عراق کے ماموں تھے اُن کے ولی اور ریجنٹ قرار پائے اسطرح عراق کے موجودہ ریجنٹ امیر عبداللہ فیصل دوم کے حقیقی ماموں اور علی تھے جنہیں سید رشید علی گیلانی نے ریجنٹ کے عہدے سے الگ کر دیا اور اس غریب کو شرقِ اردن میں اپنے چچا کے پاس پناہ لینی پڑی۔ (مولف)

استعفیٰ منظور کرنے سے انکار کر دیا لیکن اس انکار سے بغداد کے حالات پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ ایک سابق "قوم پرست" وزیر سید رشید علی گیلانی نے عراق کے چند فوجی افسروں کی مدد سے ۳ اپریل ۱۹۴۱ء کو عراق میں فوجی انقلاب برپا کر دیا اور خود حکومت عراق پر قابض ہو گیا امیر عبداللہ کو انہوں نے ریجنٹ کے عہدے سے علیحدہ کر دیا، ایک نئی ریجنسی کونسل بنائی اور اس کونسل کے ماتحت سید رشید علی نے وزیر اعظم کی حیثیت سے ایک نئی حکومت قائم کر لی ؎

سید رشید علی عراق کے مشہور قوم پرست لیڈر ہیں اُن کے متعلق یہ عام خیال ہے کہ وہ برطانیہ کے خلاف اور محوری طاقتوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں چنانچہ جب وہ عراق کی حکومت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اگرچہ سید رشید علی نے اپنی حکومت کی طرف سے برطانیہ کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ اُن کی حکومت برطانیہ اور عراق کے قدیم معاہدے کا پوری طرح احترام کرے گی۔ لیکن اس کے باوجود برطانیہ نے اُن کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اس موقعہ پر عراق میں انقلاب ہو جانا یوں بھی بہت مشتبہ بات تھی اور جب انقلاب میں ایسے فوجی لیڈر کا ہاتھ ہو جس کے متعلق یہ یقین کرنے کی وجہ بھی ہو کہ وہ محوری طاقتوں کی طرف جھکا ہوا ہے تو محض اس کے اعلان کر دینے سے یہ باور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ فی الحقیقت برطانیہ اور عراق کے قدیم معاہدات کا احترام

؎ عراق میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ۱۹۳۶ء میں بھی ایک مرتبہ عراق میں فوجی انقلاب ہوا تھا اور بکر صدقی پاشا نے فوجی قوت کے بل پر نومبر ۱۹۳۶ء میں حکومت عراق پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اس کا قبضہ زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکا جولائی ۱۹۳۷ء میں بکر صدقی پاشا ایک سپاہی کی گولی سے ہلاک ہو گیا اور اس کے ساتھ عراق میں ڈکٹیٹری بھی ختم ہو گئی۔ (مؤلف)

کرنیکو بھی تیار ہے اور ایسے وقت میں یہ انقلاب محوری طاقتوں کے اشارے سے نہیں ہوا ہے چنانچہ حکومت برطانیہ نے دیر لگائے بغیر سید رشید علی کے رویے کے متعلق ایک صحیح رائے قائم کرنے کے لئے اپنے سفیر متعینہ بغداد کے ذریعہ حکومتِ عراق کو یہ اطلاع دی کہ اسوقت چونکہ مشرقِ قریب میں جنگ چھڑ جانے کا امکان پیدا ہو گیا ہے اسلئے حکومتِ برطانیہ عراق اور برطانیہ کے قدیم معاہدہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی کچھ فوجیں بصرہ میں اُتارنی چاہتی ہے تاکہ عراق کے تیل کے چشموں کی حفاظت کی جا سکے سید رشید علی کی حکومت نے برطانیہ کی یہ درخواست بلاکسی حیل وحجت کے منظور کر لی اور اس منظوری کے تیسرے ہی دن کچھ ہندوستانی اور برطانوی فوجیں بصرہ میں اُتار دی گئیں۔

چونکہ رشید علی کی حکومت نے ان فوجوں کو عراق کی شمالی اور مغربی سرحدوں پر پہنچانے کے انتظامات بھی کر دیئے تھے اسلئے رشید علی کے متعلق برطانیہ کے شبہات کم ہونے لگے۔ اور اسے یقین ہو چلا کہ عراق کا انقلاب محض اندرونی اختلافات کا نتیجہ تھا اسکو بیرونی تعلقات سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

دوسری طرف عراق میں برطانوی فوجوں کے پہنچ جانے سے ترکی کو تقویت پہنچی، مغرب میں جرمنوں کے پھیل جانے کے باعث بحیرۂ رُوم کے ذریعہ ترکی اور برطانیہ کے درمیان رسل ورسائل کا سلسلہ برقرار رہنا مشکل ہو گیا تھا لیکن اب عراق کے راستے ترکی کو برطانیہ کی امداد پہنچائی جا سکتی تھی البتہ نازیوں کو برطانیہ کی اس فوری کارروائی سے بڑی مایوسی ہوئی عراق کا انقلاب خواہ اُن کے اشارے سے ہُوا ہو یا نہ ہوا ہو بہرحال اُن کے حق میں تھا اور وہ اس سے مشرقِ قریب میں برطانیہ کے خلاف کام لینا چاہتے تھے لیکن برطانیہ نے فوراً ہی اپنی فوجیں

عراق بھیجکر ان کے پروگرام میں رخنہ ڈالدیا جس کو وہ فی الفور دور نہیں کر سکتے تھے
بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عراق کا قضیہ برطانیہ کے اطمینان کی حد تک طے ہو گیا
اور اب اسے رشید علی کی حکومت سے کوئی بدظنی نہیں رہی لیکن عین اس وقت جب کہ
برطانیہ عراق کے انقلاب کو بھولکر رشید علی کی حکومت سے اپنے تعلقات استوار کرنے کی
کوشش کر رہا تھا عراق کے حالات نے یکایک پلٹا کھایا رشید علی کی حکومت اور
حکومت برطانیہ میں بدمزگی پیدا ہو گئی اور عراقی فوجوں نے عراق کے برطانوی ہوائی
مرکز "حبانیہ" پر حملہ کر دیا -

واقعہ یہ ہوا کہ برطانیہ کی کچھ فوجیں رشید علی کی اجازت سے عراق
پہنچ ہی چکی تھیں ان کے ایک ہفتہ بعد برطانوی سفیر نے رشید علی کو اطلاع دی
کہ برطانیہ کی کچھ اور فوجیں "بصرہ" اُترنے والی ہیں اسپر رشید علی کو اعتراض ہوا
اُس نے برطانوی سفیر کو ہدایت کی کہ جب تک برطانیہ کی پہلی فوجیں عراق سے نہ چلی
جائیں مزید برطانوی فوجیں "بصرہ" میں نہ اُتاری جائیں - رشید علی کا یہ مطالبہ
حکومتِ برطانیہ کی سمجھ میں نہ آیا اسلئے کہ عراق اور برطانیہ کے قدیم معاہدے میں
کوئی دفعہ ایسی نہ تھی جس کی رُو سے عراق میں برطانوی فوجوں کی تعداد پر پابندی
عائد ہو سکے یا عراق میں برطانوی فوجوں کی موجودگی میں برطانیہ کے لئے مزید فوجیں
بھیجنے میں روک ثابت ہو سکے چنانچہ برطانوی سفیر نے رشید علی کو یہ بات اچھی طرح
سمجھادی کہ اسکا فیصلہ برطانوی عراقی معاہدے پر منطبق نہیں ہوتا اسلئے اسے
اس فیصلے کی تعمیل پر اصرار نہ کرنا چاہئے، لیکن رشید علی نے برطانوی سفیر کا یہ مشورہ
قبول نہیں کیا اور اپنی فوجوں کو حبانیہ کے برطانوی فضائی مرکز پر جمع ہونے کا
حکم دیدیا - رشید علی کی اس کارروائی سے برطانیہ کو یہ یقین ہو گیا کہ رشید علی،

برسرِ فساد ہے چنانچہ برطانوی سفیر نے فوراً احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور برطانوی فوجوں کو ہر قسم کے حالات کے مقابلے کے لئے تیار کر لیا۔

ادھر مزید برطانوی فوجیں بصرہ پہنچیں اور بندرگاہ پر اُتار لی گئیں۔ اُدھر عراقی فوجوں نے رشید علی کے حکم سے "حبانیہ" کے برطانوی فضائی مرکز پر حملہ کر دیا اور بہت سے برطانوی ہوائی جہازوں کو جو زمین پر کھڑے ہوئے تھے سخت نقصان پہنچایا برطانیہ کی طرف سے جوابی کارروائی شروع ہوئی عراقی توپ خانہ پر برطانوی ہوائی جہازوں نے بم برسائے اور کئی عراقی توپوں کو ٹھنڈا کر دیا۔

ابتداً لڑائی صرف حبانیہ میں محدود رہی بعد کو بصرہ بھی متاثر ہوا لیکن بصرے سے برطانوی فوجوں نے عراقی فوجوں کو مار بھگایا، البتہ عراقی فوجیں موصل کے تیل کے چشموں پر قبضہ کر لینے میں کامیاب ہوگئیں جہاں برطانوی فوجیں اُن کا مقابلہ کر رہی ہیں

اندازہ ہے کہ عراق میں رشید کی حکومت کو عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے چنانچہ عراق کے ریجنٹ امیر عبداللہ جو رشید علی کے برسرِ حکومت آنے کے بعد عراق سے شرق اردن چلے گئے تھے اب ایک عراقی فوج کے ساتھ جسے وہ وہاں بیٹھ کر تیار کر رہے ہیں عراق واپس آنا اور رشید علی سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف رشید علی نے معلوم ہوا ہے کہ ہٹلر سے امداد کی اپیل کی ہے وہ چاہتا ہے کہ عراقی فوجوں کو ضروری سامانِ جنگ حاصل ہو جائے تاکہ وہ برطانیہ اور امیر عبداللہ کا مقابلہ کر سکیں۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہٹلر رشید علی کی سامانِ جنگ سے مدد نہیں کر سکتا، روس نے ایک حالیہ اعلان کے ذریعہ پہلے ہی اپنے علاقے سے ہر قسم کا سامانِ جنگ کسی اور ملک کو جانے دینے سے قطعاً انکار کر دیا ہے ترکی سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ جرمنی کو اپنے علاقے سے راستہ دیدیگا۔

رہ گیا شام یہاں تک جرمنی فوجوں کے پہنچنے میں سب سے بڑی دقت بحری بیڑے کی ہے شرقی بحیرۂ روم

ہیں برطانوی بحری بیڑہ اسقدر طاقتور ہے کہ اس سے بچکر جرمنوں کا شام تک پہنچ جانا ناممکن معلوم ہوتا ہے اس صورت حال کے مقابلہ کے لئے ہٹلر دو ہی تدابیر اختیار کر سکتا ہے یا تو فوراً ترکی پر ایک جما ہُوا حملہ کر دے اور عراق میں برطانیہ کو اپنے قدم جمانے کی مہلت نہ دے یا روس کو دبا کر اُس کے علاقے سے عراق کو اتنا سامانِ جنگ بھیجدے کہ وہ دیر تک برطانیہ کو عراق میں اُلجھائے رکھے اور اس عرصہ میں جرمن فوجیں مصر پر حملہ کر دیں۔

ترکی پر فوراً حملہ کا امکان کم معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ ترک جرمنوں سے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار ہیں اور جرمنوں کو ترکوں کے مقابلہ میں فوراً کامیابی کی توقع بھی نہیں ہے البتہ روس کو دبا کر عراق تک سامانِ جنگ پہنچانے کا امکان زیادہ ہے چنانچہ کچھ دنوں پہلے جرمنی کی بارہ ہزار فوج جو فن لینڈ میں اُتاری گئی تھی وہ اب معلوم ہوا ہے کہ روسی سرحد کی طرف ڈالدی گئی ہے اور ناروے سے مزید جرمن فوجیں بھی فن لینڈ طلب کی جا رہی ہیں، ہٹلر کی یہ کارروائی روس سے کسی نئے مطالبہ کا پیش خیمہ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ مطالبہ غالباً یہی ہے کہ روس اپنا وہ اعلان واپس لے اور جرمنی کا سامانِ جنگ عراق اور جاپان کو اپنے علاقہ میں سے گزرنے کی اجازت دیدے۔

عراق کے اس انقلاب پر ابتداءً تو ترکی اور مصر بالکل خاموش رہے لیکن کچھ دنوں بعد وہ حکومتِ برطانیہ اور حکومت عراق کے درمیان صلح صفائی کرا دینے پر آمادہ ہو گئے لیکن حکومت برطانیہ نے ترکی کی ثالثی صرف اس شرط کے ماتحت قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی کہ عراقی فوجیں "حبانیہ" سے واپس بلالی جائیں اور لڑائی بالکل بند کر دی جائے۔ اگر رشید علی کی حکومت برطانیہ کی اس شرط کو تسلیم کرلے تو عراق اور برطانیہ میں صلح ضرور ہو جائیگی لیکن اس صلح کے بعد رشید علی کی حکومت عراق پر قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ویسے بھی

اگر وہ یہ شرط نہ مانے اور برطانیہ سے لڑائی جاری رکھنے پر اصرار کرے تب بھی نتیجہ اس کے موافق نہیں نکل سکتا نہ وہ برطانیہ کے مقابل جنگ میں کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ عراق میں زیادہ دنوں اپنی حکومت برقرار رکھ سکتا ہے۔

عراق کی کل فوج (۳۰) ہزار سے زیادہ نہیں ہے، ہوائی جہاز اس کے پاس برائے نام ہیں اور جدید ترین آلات حرب سے تو یہ فوج قطعاً ناآشنا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قدر مختصر اور نسبتاً غیر مسلح فوج برطانیہ کی تربیت یافتہ مشینی فوجوں اور بمبار ہوائی جہازوں کے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسے جلد یا بدیر ہار ماننی پڑے گی اور یہ صورت عراق میں رشید علی اور اس کے ساتھیوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کا باعث ہوگی۔

یہ تو ناممکن ہے کہ رشید علی کی اپنی کمزوریوں پر نظر نہ ہو اس سے یقیناً اپنی فوجی قوت کے اندازے میں غلطی نہیں ہو سکتی اور نہ عراق کے عوام اور عراق کی ہمسایہ اسلامی ریاستوں کے احساسات کو سمجھنے میں وہ دھوکہ کھا سکتا ہے۔ ان شواہد کے باوجود جو سراسر رشید علی گیلانی کے خلاف ہیں وہ عراق میں جس انداز سے لڑائی کو طول دے رہا ہے اس کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ اب بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اسے جرمنی سے امداد مل سکتی ہے یا وہ برطانیہ سے سودا کر کے اپنی حکومت کو برقرار رکھ سکتا ہے۔

"حبانیہ" جہاں رشید علی گیلانی کی فوجوں نے برطانوی فوجی دستے پر حملہ کیا تھا۔ بغداد سے (۵۶) میل جانب مغرب واقع ہے یہ علاقہ ۱۹۳۲ء سے پہلے بالکل ویران اور غیر آباد تھا ۱۹۳۲ء میں اصولاً عراق کی آزادی تسلیم

کی گئی اور برطانیہ کی سرپرستی میں اسے مجلس اقوام میں جگہ دی گئی اس وقت برطانیہ اور عراق کے درمیان ایک معاہدہ بھی ہوا تھا جس کی رو سے یہ طے ہوا تھا کہ برطانیہ کو عراق اور اپنی ایشائی سلطنت کی حفاظت کے لئے عراق کے اندر بغداد سے دور ایک فوجی اور فضائی مرکز قائم کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مشرق قریب میں جنگ چھڑ جانے کی صورت میں برطانیہ عراق کے راستے اپنی فوجیں دوسرے ملکوں میں بھیج سکے گا وغیرہ، چنانچہ اس معاہدہ کے بعد ہی برطانیہ نے اپنے فضائی مرکز کے لئے حبانیہ جیسے دور دراز جگہ کو پسند کیا تاکہ حکومتِ عراق کو برطانوی چھاؤنی کے قیام سے کوئی شکایت نہ ہو۔

یہ چھاؤنی ۱۹۳۳ء سے حبانیہ میں قائم ہے اور برطانیہ کے مشرقی مقبوضات کے درمیان اہم کڑی بنی ہوئی ہے سارے مسافر اور ڈاک کے ہوائی جہاز جو انگلستان سے مشرق بعید تک جاتے ہیں اسی فضائی چھاؤنی میں دم لے کر آگے بڑھتے ہیں اور اسی مرکز کے ذریعہ برطانیہ اور اسکی مشرقی سلطنت کے ساتھ رسل ورسائل کے تعلقات وابستہ ہیں۔ جس مرکز کو اسقدر اہمیت حاصل ہو ظاہر ہے کہ اسے برطانیہ آسانی سے اپنے ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

لیکن رشید علی اور حکومتِ برطانیہ کی موجودہ کشمکش کے سلسلہ میں اس بات کو نظرانداز نہ کرنا چاہئے کہ عراق میں صرف رشید علی گیلانی یا اسکی پارٹی ہی برطانیہ کی مخالف نہیں ہے بلکہ عراق میں مدّت سے قوم پرستوں کا ایک پورا گروہ ایسا موجود ہے جو عراق پر برطانوی انتداب یا اثر کو پسند نہیں کرتا۔ اس گروہ سے پہلی جنگِ عظیم کے بعد ہی حکومتِ برطانیہ کا بگاڑ ہو گیا تھا اور فیصل اوّل کی تخت نشینی تک کئی مرتبہ اس گروہ میں اور حکومتِ برطانیہ میں خونریز معرکے بھی پڑ چکے ہیں۔ فیصل اوّل نے اپنی تخت نشینی کے بعد نہایت حکمتِ عملی سے اس گروہ کو راضی کیا تھا اور عراق کی حکومت میں اسکی جگہ نکالکر اسے دستور کا پابند

بنایا تھا اور یہ کامیابی بھی فیصل اول کو اسلئے حاصل ہوسکی تھی کہ برطانیہ نے ۱۹۳۲ء میں عراق پر سے اپنا انتداب اُٹھا لیا تھا، اندرونی معاملات میں اُسے کامل آزادی دیدی تھی اور مجلس اقوام کا عراق کو ممبر بنا لیا تھا۔ فیصل اوّل کے انتقال کے بعد شاہ غازی میں چونکہ وہ صلاحیت نہیں تھی جو فیصل اوّل میں پائی جاتی تھی۔ اسلئے اس گروہ میں پھر جان پڑی اور اس کے لیڈر بکر صدقی پاشا نے نومبر ۱۹۳۶ء میں فوج کی مدد سے حکومتِ عراق پر قبضہ کر لیا۔

تقریباً ایک سال تک بکر صدقی ڈکٹیٹر کی حیثیت سے عراق پر حکومت کرتا رہا لیکن جولائی ۱۹۳۷ء میں وہ ایک سپاہی کی گولی سے ہلاک ہوگیا اور عراق میں دوبارہ دستوری حکومت قائم ہوگئی۔

یہی گروہ آج بھی عراق میں سرگرم عمل ہے اور دراصل اسی کی تائید وحمایت رشید علی گیلانی کو حاصل ہے جو اس نے اس آسانی سے عراق کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

رہا عراق کے شاہی خاندان کا سوال، یہ بھی عراقی قوم پرستوں کے لئے تکلیف دِہ بنا ہوا ہے۔ فیصل[۵] کو انگریزوں نے عراق پر مسلط کیا تھا، عراقی اس فیصلے

---

۵ شاہ فیصل، شریف حسین (شریف مکہ) کے منجھلے لڑکے تھے ۱۹۱۶ء میں جب برطانیہ کے اشارے پر شریف حسین نے ترکوں سے بغاوت کی تو عربی فوجیں فیصل ہی کی قیادت میں ترکوں سے لڑی تھیں شام کا سارا علاقہ ان فوجوں کی مدد سے فیصل ہی نے فتح کیا تھا اور اس صلہ میں فیصل کو امیر شام بھی بنا دیا گیا تھا۔ لیکن فرانس نے (جسے جنگِ عظیم کے بعد شام پر انتداب حاصل ہوگیا تھا) فیصل کو پسند نہیں کیا اس کے علاوہ شام کے قوم پرستوں نے بھی فرانس کے خلاف بغاوت کردی اسلئے فرانسیسیوں نے (بقیہ صفحہ ۳۰۱ پر

سے خوش نہیں تھے وہ خود اپنی حکومت قائم کرنی چاہتے تھے لیکن یہ دیکھ کر کہ فیصل کو قبول کر لینے سے انہیں انگریزی اقتدار سے جلد چھٹکارا مل سکتا ہے انہوں نے اس وقت فیصل کو قبول کر لیا تھا۔ اور فیصل نے چونکہ اپنے زمانہ حکومت میں عراق کے قوم پرستوں کے عزائم کا بہت کچھ خیال رکھا تھا اور اپنے ملک کو صحیح معنوں میں ترقی دینے میں اس نے بڑی جدوجہد کی تھی اس لئے عراق کے قوم پرست اس سے مانوس ہو گئے تھے۔ لیکن فیصل کے بعد کا زمانہ عراقی قوم پرستوں کی توقعات سے بہت، زیادہ پست ثابت ہوا جس کے باعث شاہی خاندان سے عراقی قوم پرستوں کا وہ انس بھی باقی نہ رہا جو فیصل کے زمانہ میں پیدا ہو گیا تھا۔

چنانچہ اس وقت رشید علی گیلانی نے عراق کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی فیصل دوم کے ریجنٹ امیر عبداللہ کو ملک سے نکال دیا اور اپنی مرضی کی ایجلینسی کونسل بنالی جس میں ہاشمیوں یعنی عراق کے شاہی خاندان کا صرف ایک نمائندہ رکھا ہے اور باقی ممبر اس کونسل کے عراقی قوم پرست ہیں رشید علی گیلانی کے

(بقیہ صفحہ ۳) فیصل کو شام سے نکال دیا۔ شام سے نکالے جانے کے بعد فیصل انگلستان پہنچا۔ برطانیہ پر فیصل کا بہت بڑا "احسان" تھا انگریز اس کے احسان کو بھلا نہ سکے اس زمانہ میں عراق میں قوم پرستوں نے انگریزوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا اس لئے برطانیہ نے شام سے نکلے ہوئے فیصل کو عراق کا تخت پیش کر دیا تاکہ برطانیہ کو بھی عراق کی مصیبتوں سے نجات مل جائے اور فیصل کو بھی اس وفاداری کا صلہ مل سکے جو پہلی جنگ عظیم میں اس سے سرزد ہوئی تھی۔

اس طرح فیصل عراق کے تخت پر متمکن ہوئے۔ اور انگریزوں کی مدد سے وہاں انہوں نے اپنی شاہی خاندان کی بنا ڈالی (مولف)

اس اقدام سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ موقعہ پا کر وہ فیصل کے خاندان کو بھی عراق کے تخت سے محروم کرنے کی طرح ڈال رہا ہے یہ شبہ اس سے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ اس وقت اس خاندان کی حمایت میں سوائے شرق اردون کے امیر عبداللہ کے اور کوئی نہیں ہے اور امیر عبداللہ میں یقیناً اس قدر قوت نہیں ہے کہ رشید علی گیلانی سے لڑ کر اپنے پوتے فیصل دوم کو تخت واپس دلوا سکیں۔

عراق کی بعد کی خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ رشید علی گیلانی بغداد سے فرار ہو گئے حبانیہ کے علاقے سے عراقی فوجیں نقصان کے ساتھ پیچھے ہٹ گئی ہیں، عراق کے تیل کے چشموں پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا ہے "رتبہ" کا عراقی ہوائی مرکز دوبارہ برطانوی فوجوں کے تصرف میں آ گیا ہے۔ بصرہ لڑائی سے پاک ہے اور سب سے زیادہ اہم خبر یہ ہے کہ ناجی شوکت جو رشید علی کی وزارت میں وزیر مدافعت ہیں آجکل ترکی پہنچے ہوئے ہیں یہاں یہ ترکی حکومت سے غالباً عراق کی صورتِ حال پر گفتگو کرنے آئے ہیں، ترکی میں اُن کی آمد کے موقع پر ترکی کیبنٹ کا اجلاس ہوا جس میں عراق کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر سیدام وزیر اعظم جمہوریہ ترکیہ نے ناجی شوکت سے ملاقات کی اس ملاقات کے وقت موسیو سراج اوغلو وزیر خارجہ بھی موجود تھے۔

ترکی کو عراق کے حالات سے قریبی تعلق ہے اسلئے ناجی شوکت کا ترکی پہنچنا اور ترکی حکومت سے بات چیت کرنا ضروری تھا بہت ممکن ہے اس گفت و شنید کا یہ نتیجہ نکلے کہ عراق میں کشت و خون بند ہو جائے لیکن یہ غالباً نہ ہو سکے گا کہ ترکی حکومت رشید علی کی تائید و حمایت پر اُتر آئے۔ اسے بہرحال عراق کی حکومت سے دست بردار ہونا پڑیگا اور اسی میں خود ترکی کا بھی فائدہ ہے۔

عراق کے علاوہ شام میں بھی کچھ دنوں سے بےچینی پیدا ہو گئی ہے، یہ بےچینی فرانسیسی حکومت کے خلاف ہے، فرانس کی شکست کے بعد دمشق کی حکومت نے شام کی فرانسیسی فوجوں کو بدستور باقی رکھا تھا تاکہ شام کے قوم پرستوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکے لیکن شام میں برطانوی اور محوری طاقتوں کے پروپیگنڈے کو دمشق کی حکومت روکنے پر قادر نہ ہو سکی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں برطانیہ اور محوری طاقتوں کی حمایت میں چھپکے چھپکے گروہ بندی شروع ہو گئی اور اسی گروہ بندی کے باعث اس وقت شام میں بےچینی اور بے اطمینانی پائی جاتی ہے ۔عراق میں انقلاب کے بعد شام میں بےچینی بہت ہی معنی خیز ہو گئی ہے شام اور عراق کی سرحدات ملی ہوئی ہیں اگر جرمنی کسی طرح شام پہنچ سکا (جس کا قرینہ بہت ہی کم ہے) تو اسی راستہ عراق کو مدد پہنچا سکتا ہے اور شام میں جرمنی کو در خور حاصل ہونے کے بعد ترکی ایران، مصر اور سوئز پر ایک ساتھ اثر پڑنے کا احتمال ہے ۔

خیال ہے کہ اس وقت دمشق کی حکومت اور جرمنی کے درمیان جو گفت وشنید ہو رہی ہے اس میں مراکش کے علاوہ شام کا مسئلہ بھی زیر بحث ہے ۔اب دیکھنا یہ ہے کہ مارشل پیتان اس بارے میں کیا روش اختیار کرتے ہیں اگر انھوں نے ہٹلر کے مطالبات کے آگے گردن ڈالدی اور شام میں جرمنوں کو قدم جمانے کی اجازت دے دی تو خود ہٹلر شام پر قبضہ کرنے کے لئے کونسی صورت اختیار کرتا ہے کیونکہ شام تک پہنچنے کے لئے ہٹلر کے پاس ایک ہی راستہ ہے اور وہ "دوڈوکنیز" کے ٹاپو ہیں ۔لیکن صورت حال یہ ہے کہ اس سمندر میں ہٹلر کا بحری بیڑہ برائے نام ہے اور اٹلی کا بیڑہ تقریباً بیکار ہے اور ان دونوں کے مقابلہ میں برطانیہ کا بحری بیڑہ بہت طاقتور ہے اس کے علاوہ دوڈوکنیز کے جزائر میں سے چند جزائر پر برطانیہ کا بھی قبضہ ہے جہاں اس نے اپنے ہوائی مرکز بنائے ہیں اس اہتمام کو دیکھتے

ہوئے جو مشرقی بحیرہ روم میں برطانیہ نے گھیر رکھا ہے اس راستہ سے ہٹلر کا شام پہنچ جانا اور وہ وہاں اپنی اس قدر فوج پہنچا دیتا کہ وہ برطانیہ کی فلسطینی اور سوئز کی فوجوں سے کامیاب مقابلہ کر سکے بہت ہی مشتبہ معلوم ہوتا ہے ۔

باب ۴۲

امریکن سامانِ جنگ کو برطانیہ تک پہنچانے کی ضمانت

پریسیڈنٹ روسولٹ کی رہنمائی میں امریکن کانگرس نے "لینڈ اینڈ لیز بل" منظور کر کے برطانیہ کو ہر قسم کا سامانِ جنگ بھیجنے کا اعلان تو کر دیا تھا لیکن اس اعلان کے باوجود یہ طمانیت نہیں ہو سکی تھی کہ جو سامانِ جنگ امریکہ سے بھیجا جائیگا وہ فی الحقیقت برطانیہ پہنچ بھی جائیگا اور یہ سوال چونکہ موجودہ حالات میں اسقدر اہم تھا کہ امریکہ اسے نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ اسلئے اس بل پر عمل شروع ہوتے ہی امریکہ کے ذمہ دار حلقوں میں یہ بحث شروع ہو گئی کہ جو امداد ہم برطانیہ کو دینا چاہتے ہیں وہ برطانیہ کو مل بھی جائے گی یا برطانیہ کے نام سے جو سامان جنگ امریکہ سے روانہ ہو گا وہ اٹلانٹک کی تہ میں پہنچ جائے گا۔ بظاہر لاکھوں ڈالر کا سامان جنگ برطانیہ کے لئے امریکہ کے ساحل سے روانہ ہوا بھی لیکن اگر وہ برطانیہ کو نہ مل سکا تو اس سے برطانیہ اور امریکہ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ؟

سامان جنگ برطانیہ تک بھیجنے کے بارے میں جہاں تک مالی جہازوں کی ضرورت کا مسئلہ تھا پریسیڈنٹ روسولٹ نے اپنے خاص اختیارات سے کام لے کر اسے طے کر دیا تھا۔ جرمنی اٹلی اور یورپ کے مقبوضہ ممالک کے وہ سارے جہاز جو امریکن بندرگاہوں

میں کھڑے تھے اس مطلب کے لئے ضبط کرلئے گئے تھے ان پر سامان جنگ بارکز کے اٹلانٹک کے پار بھیجا جاسکتا تھا لیکن رستہ میں جرمن آبدوزوں سے ان جہازوں کی حفاظت کا اہتمام کچھ نہیں تھا۔ برطانوی بحری بیڑہ اگرچہ کافی بڑا تھا لیکن اس کی طاقت بحرالکاہل بحیرہ روم بحیرہ اٹلانٹک اور بحیرہ شمالی میں بٹی ہوئی تھی وہ ان جہازوں کی خاطر خواہ حفاظت نہیں کرسکتا تھا جو امریکہ سے سامان جنگ لے کر برطانیہ آتے تھے۔ اس اعتبار سے امریکہ کو خود ہی کوئی ایسا انتظام کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ برطانوی بیڑے کے لئے بھی مشکلات نہ بڑھیں اور امریکن سامان جنگ بھی برطانیہ تک حفاظت کے ساتھ پہنچ جائے۔

پچھلے باب میں یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ امریکہ نے برطانیہ کی مدد کے سلسلہ میں اب تک جو قوانین اپنے ہاں منظور کئے ان سے تنہا برطانیہ کی امداد منظور نہیں تھی بلکہ خود اپنی حفاظت بھی امریکہ کے پیش نظر تھی اس وقت یورپ میں سلطنت برطانیہ ہی ایک ایسی طاقت ہے جو نازی عزائم کا مقابلہ کررہی ہے اگر یہ سلطنت بھی ٹوٹ گئی اور اس کی قوت مدافعت بھی جواب دے گئی تو امریکہ کو پھر نازی چنگل سے چھٹکارا نہ مل سکے گا۔ اور امریکہ کے لئے نازی بحری طاقت کا جو بشمول برطانیہ سارے یورپ کی بحری قوت پر مشتمل ہوگی مقابلہ ناممکن ہوجائے گا۔ یہی خیال ہے جو امریکہ اس جنگ میں برطانیہ کی زیادہ سے زیادہ امداد کرنی چاہتا ہے تاکہ برطانیہ یورپ ہی میں نازیوں کو دبوچ لے اور امریکہ نازی حملے کے خطرے سے محفوظ رہے۔

ابتدائے جنگ سے اب تک اس امریکن امداد کا معیار یہ تھا کہ اعلان جنگ کے علاوہ امریکہ برطانیہ کی ہر قسم کی امداد کے لئے تیار ہے لیکن اب بہت

جلد یہ معیار بدلتا ہوا معلوم ہوتا ہے سامان جنگ برطانوی بندرگاہوں تک بہ حفاظت پہنچانے کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے امریکہ کے وزیر بحر اور وزیر جنگ نے جو تقریریں کی ہیں ان سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ امریکہ اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے اب نازیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

وزیر بحر نے اپنی تقریر میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ امریکن سامان کے جو جہاز برطانیہ بھیجے جائیں ان کی حفاظت کے لئے بحیرہ اٹلانٹک میں ایک ہزار میل تک امریکہ کے جنگی جہازوں کو بھیجا جائے تاکہ وہ سامان جنگ کو حفاظت کے ساتھ برطانوی بحری بیڑے کی حدود نگرانی تک پہنچا دیا کریں۔ اور اگر راستہ میں امریکہ کے جنگی جہازوں کو کہیں جرمن آبدوزوں کا پتہ چل جائے تو وہ فوراً برطانیہ کے بیڑے کو اس کی اطلاع کر دیں۔

اس تجویز کے معنی یہ ہیں کہ جو سامان جنگ کے جہاز اب امریکہ سے برطانیہ بھیجے جائیں گے ان کی حفاظت کا خود امریکہ ذمہ دار ہوگا اگر راستہ میں ان جہازوں کو نازیوں نے چھیڑنے کی کوشش کی تو امریکہ نازیوں سے بھی نپٹنے کے لئے، تیار رہے گا۔

وزیر بحر کی اس تقریر کے بعد ہی امریکہ کے وزیر جنگ نے بھی ایک تقریر براڈ کاسٹ کی جس میں انہوں نے وزیر بحر کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ "جب تک امریکہ کے لوگ اپنی آزادی کو بچانے کی خاطر قربانیاں دینے کے لئے تیار نہیں ہونگے اس وقت تک ان کی آزادی محفوظ نہیں رہ سکتی" وزیر جنگ مسٹر اسٹمسن کی اس تقریر سے نازی بہت چراغ پا ہیں اسلئے کہ اس ذمہ دار امریکن کی تقریر میں یہ کھلا ہوا اشارہ موجود ہے اگر ضرورت پڑے تو امریکہ کو برطانیہ کے ساتھ جنگ میں کود پڑنے میں بھی تامل نہ کرنا چاہئے اور یہ صورت ایسی ہے۔

بسے جرمنی جنگ کی اس نوبت پر یقیناً پسند نہیں کر سکتا۔
امریکہ کے وزیر بحر اور وزیر جنگ کے علاوہ امریکہ کے ذمہ دار سیاستدانوں
میں مسٹر دلکی اور مسٹر ہوور (سابق صدر جمہوریہ امریکہ) کی بھی یہی رائے ہے کہ برطانیہ کی
جلد سے جلد مدد کی جائے یہ امریکہ کے لوگوں کی رائے ہے امریکہ سے باہر جنرل
اسمٹس (جنوبی افریقہ کے وزیر اعظم) جو بین الاقوامی معاملات میں نہایت اچھی
بصیرت رکھتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ امریکہ بہت جلد جرمنی کے خلاف جنگ کا
اعلان کر دیگا اور جرمنی کو بحر اٹلانٹک میں برطانوی اور امریکن متحدہ بحری بیڑے
کا مقابلہ کرنا پڑے گا جس میں یقیناً وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔
بہرحال آثار و قوانین کے پیش نظر یہ ناممکن نہیں ہے کہ امریکہ جرمنی
کے خلاف میدان جنگ میں اُتر آئے۔ اسلئے کہ اگر امریکن جنگی جہاز سامان لے
جانے والے جہازوں کی حفاظت کے لئے بحرۂ اٹلانٹک میں دور تک گئے تو اُن سے
جرمن آبدوزوں کی جھڑپ ہو جانی ضروری ہے اور اس جھڑپ کے بعد امریکہ کے
لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ وہ جرمنی کے خلاف اعلان جنگ
کر دے اور چونکہ خود امریکہ اپنے اس فیصلہ کے عواقب و نتائج سے بیخبر نہیں، بلکہ
ان کا اچھی طرح احاطہ کر چکنے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ امریکن جہازوں کی
حفاظت میں برطانیہ کو سامانِ جنگ بھیجا جائے گا اسلئے ظاہر ہے کہ وہ اپنے اس
فیصلے کے نتائج کو انگیز کرنے کے لئے بھی تیار ہے۔
البتہ اس نوبت پر بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ امریکہ کے اعلانِ جنگ
کر دینے سے برطانیہ کو سامانِ جنگ کی اس کثرت سے مدد مل سکتی ہے یا نہیں جو
اس وقت اسے مل رہی ہے؟
خیال یہ ہے کہ امریکہ کے اعلانِ جنگ کے بعد برطانیہ کو امریکہ سے اسقدر

سامان جنگ نہ مل سکے گا۔ اور یہ بیشک ایک حدتک صحیح بھی ہے لیکن سامان جنگ میں جو کمی ہوگی کیا امریکہ کی فوجی مدد اس کمی کو پورا نہ کرسکے گی ؟ برطانیہ کو زیادہ سے زیادہ سامان جنگ کی محض اسی لئے تو ضرورت ہے کہ وہ جرمنی پر فتح پا جائے۔ اگر اعلان جنگ کے بعد امریکہ کی بری بحری اور فضائی فوج کی ایک زبردست تعداد جرمنی کے مقابل میدان جنگ میں اتر آتی ہے تو یہ بھی برطانیہ ہی کی مدد ہوگی اور اسی نوبت پر یہ مدد اس تری سامان جنگ کی مدد سے زیادہ اہم اور قیمتی ہوگی جو امریکہ سے برطانیہ کو بھیجا جارہا ہے۔ اس اعتبار سے امریکہ کے اعلان جنگ سے یہ خطرہ ہرگز پیدا نہیں ہوتا کہ آئندہ برطانیہ کو امریکہ سے سامان جنگ نہ مل سکے گا بلکہ اس کے برخلاف اگر امریکہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کردیا تو یورپ میں چاہے لڑائی جلد ختم ہو یا نہ ہو بحرہ اٹلانٹک کی لڑائی بہت جلد برطانیہ کے حق میں منفصل ہوسکتی ہے۔

باب ۴۳

نازی پارٹی میں پہلا رخنہ ؟

یونان کی فتح اور عراق میں انقلاب کے بعد ابھی نازیوں کے آئندہ پروگرام کے متعلق قیاس آرائیاں جاری ہی تھیں کہ اسکاٹ لینڈ سے ایک نہایت عجیب اور بہت ہی غیر معمولی "حادثہ" کی اطلاع ملی۔ وہ غیر معمولی حادثہ یہ تھا کہ "روڈالف ہیس" ہٹلر کا نائب اور جرمنوں کا "ڈپٹی فیوہرر" ۱۰ اور ۱۱ مئی کی درمیانی شب میں ایک ہوائی جہاز سے "گلاسگو" کے قریب ہوائی چھتری سے اترا، اترنے میں اس کے ایک پیر کا ٹخنہ ٹوٹ گیا اور وہ گلاسگو کے ہسپتال میں زیر علاج ہے۔

رڈالف ہیس ہٹلر اور گوئرنگ کے بعد تیسرے درجے کا نازی لیڈر، ہٹلر کا رازدان دوست اور دیرینہ مددگار ہے اس پر ہٹلر کو اس درجہ اعتماد تھا کہ ستمبر ۱۹۳۹ء میں ہٹلر نے برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے جرمنوں کو یہ "وصیت" کی تھی کہ "اگر اس جنگ میں میں ہلاک ہو جاؤں تو گوئرنگ میری جانشینی کرے اور اگر گوئرنگ بھی کام آجائے تو رڈالف ہیس جرمنی کا لیڈر مقرر کیا جائے" ظاہر ہے کہ اتنی بڑی حیثیت کے جرمن لیڈر کا یوں "چپ چپاتے" اسکاٹ لینڈ پہنچ جانا فوراً سمجھ میں نہیں آسکتا تھا اس لئے پہلے تو یہ تحقیق کی گئی کہ اسکاٹ لینڈ میں جو جرمن ہوا باز چھتری سے نیچے اترا ہے وہ فی الحقیقت "رڈالف ہیس" ہی ہے اور جب اس کی

تصدیق ہوگئی تو پھر اس پر قیاس آرائیاں ہونے لگیں کہ اس کے انگلستان آنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے ؟

اس "حادثہ" کے متعلق برلن کا عذر یہ تھا کہ رڈالف ہیس کئی برس سے دماغی کمزوری میں مبتلا تھا اور اب کئی دن سے اس کی حالت زیادہ خراب ہوگئی تھی اسی لئے ہٹلر نے اسے ہوائی جہاز میں پرواز کرنے سے منع کر دیا تھا لیکن ہیس ایک دن موقع پاکر ہوائی جہاز لے اڑا اور اسکاٹ لینڈ میں جا اترا۔ ہوائی جہاز پر روانہ ہونے سے پہلے رڈالف ہیس نے ہٹلر کے نام ایک خط بھی چھوڑا تھا جس میں اس نے یہ لکھا تھا کہ وہ ذاتی طور پر انگلستان اور جرمنی میں صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہتا ہے اور یہ اس کی دماغی کمزوری کی دوسری علامت ہے۔ ہٹلر نے اس کے سکرٹری کی گرفتاری کا حکم دیدیا ہے وغیرہ

لیکن انگلستان اور امریکہ کے اخبار ہیس کے متعلق برلن کے اس عذر کو باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ رڈالف ہیس ہٹلر سے اپنی جان بچاکر بھاگا ہے اسے غالباً نانسی پارٹی پر اور نانسی پارٹی کو اس پر اعتماد نہیں رہا تھا وہ موجودہ جنگ اور جرمنی دونوں سے تنگ آچکا تھا اس لئے اس نے جرمنی سے بھاگ کر انگلستان میں پناہ لی۔ اور انگلستان کو اس نے اپنی جائے پناہ سلئے منتخب کیا کہ یہاں وہ ہٹلر کے "گسٹاپو" سے محفوظ بھی رہ سکتا ہے اور اگر چاہے تو ہٹلر اور نانسی پارٹی سے "انتقام" بھی لے سکتا ہے۔

لیکن ہیس کے متعلق یہ انگلستان اور امریکہ کے اخبارات کی قیاس آرائیاں ہیں۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی تحقیقی اعلان شائع نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ رڈالف ہیس اور ہٹلر میں نانسی پارٹی کے آئندہ پروگرام کے متعلق شدید اختلاف خیال پیدا ہوگیا ہو اور رڈالف ہیس ہٹلر کے غضب سے بچنے کے لئے جرمنی سے فرار ہوگیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ نانسیوں کو جنگ کے نتیجے کے متعلق وہ اطمینان باقی نہ رہا ہو جو جنگ کی

ابتدا میں تھا اور اسی بے اطمینانی کے باعث ہیس نے نازی پارٹی سے اپنا تعلق منقطع کرنا ضروری سمجھا ہو۔ لیکن ان سب میں زیادہ قرین عقل یہ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ رڈالف ہیس (غالباً ذاتی طور پر) جرمنی اور برطانیہ کے درمیان صلح کرا دینے کی ایک آخری کوشش کرنی چاہتا ہے اسی کا حوالہ شاید اس نے اپنے اس خطہ میں دیا تھا جو وہ اپنے پیچھے برلن چھوڑ آیا ہے اور اسی مقصد کے ماتحت وہ غالباً اسکاٹ لینڈ پہنچتے ہی ڈیوک آف ہملٹن سے بھی ملنا چاہتا تھا۔

ڈیوک آف ہملٹن اور رڈالف ہیس ایک دوسرے کے دوست ہیں کچھ دنوں پہلے رڈالف ہیس نے انھیں ایک خط بھی بھیجا تھا لیکن ڈیوک نے یہ خط حکومت کے حوالے کر دیا اور ہیس کو اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ لیکن رڈالف ہیس کے اسکاٹ لینڈ پہنچنے کے ۴۸ گھنٹے کے اندر حکومت برطانیہ نے ڈیوک کو ہیس سے ملنے کی اجازت دیدی چنانچہ ڈیوک نے دفتر خارجہ کے عہدہ داروں کے سامنے دو مرتبہ رڈالف ہیس سے ملاقات کی اور اپنی گفتگو کی رپورٹ حکومت کو بھیجدی ہے ڈیوک اور ہیس میں کیا گفتگو ہوئی اس پر ابھی تک روشنی نہیں پڑی لیکن ہیس کے متعلق جس "احتیاط" سے حکومت برطانیہ غور کر رہی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس غیر معمولی "حادثہ" پر جلدی میں کوئی رائے قائم نہیں کرنا چاہتی۔ بلکہ اس بارے میں ایک قطعی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے وہ اس "حادثہ" کے سارے امکانی پہلو اور نتائج کا اچھی طرح جائزہ لے لینا چاہتی ہے۔

بہرحال رڈالف ہیس چاہے کسی خیال کے ماتحت انگلستان آیا ہو اس موقعہ پر اس کی آمد نے جنگ کے حالات میں غیر معمولی دلچسپی ضرور پیدا کر دی ہے اور ساتھ ہی ایسی دور از کار، قیاس آرائیوں کا میدان بھی پیدا کر دیا ہے جو حالات سے کسی طرح مطابق نہیں ہو سکتیں